پیر پگارا کی کہانی

کُچھ اُن کی اور
کُچھ میری زبانی

اظہر سہیل



پیر پگارا کی کہانی

کچھ ان کی اور کچھ میری زبانی



اظہر سہیل



فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور - راولپنڈی - کراچی



مدرسے میں دہر کے رُو برقفا بیٹھے تھے ہم

پیرپگارا کی ایک تازہ تصویر

پہلا ایڈیشن مئی ۱۹۸۷ء

ترتیب

آئینہ خانہ (پیر صاحب کے روز و شب کا احوالیہ' صاحب کتاب کے تاثرات و تعصبات)

فرد عمل (اس کتاب کے لئے بطور خاص، پیر صاحب کی کہانی' ان کی اپنی زبانی)

شراکت اقتدار (جونیجو حکومت کے دوران پیر صاحب کے انٹرویو اور بیانات)



ضمیمہ جات (انگریزی مسودات کی نقول من وعن)

بھٹو کا خط مفتی محمود کے نام

پیر پگارا کا خط جنرل ضیاء الحق کے نام

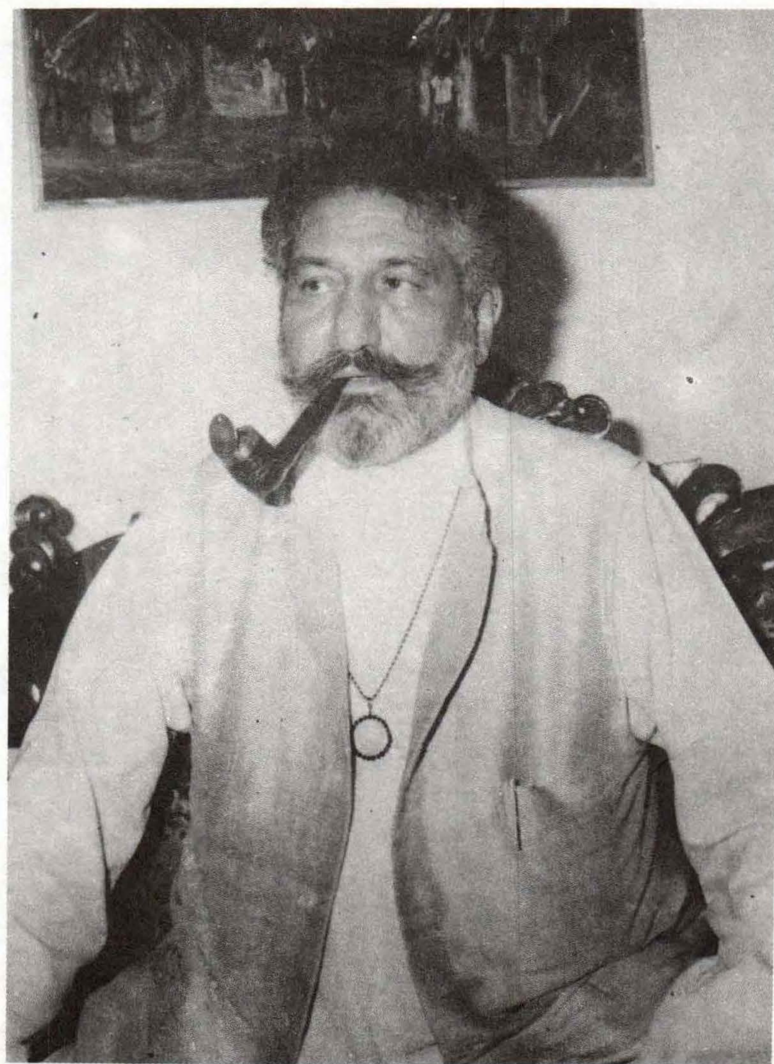
جنرل ضیاء الحق کا جواب

جنرل کے ایم عارف کا خط پیر صاحب کے نام

پیر صاحب کا جواب

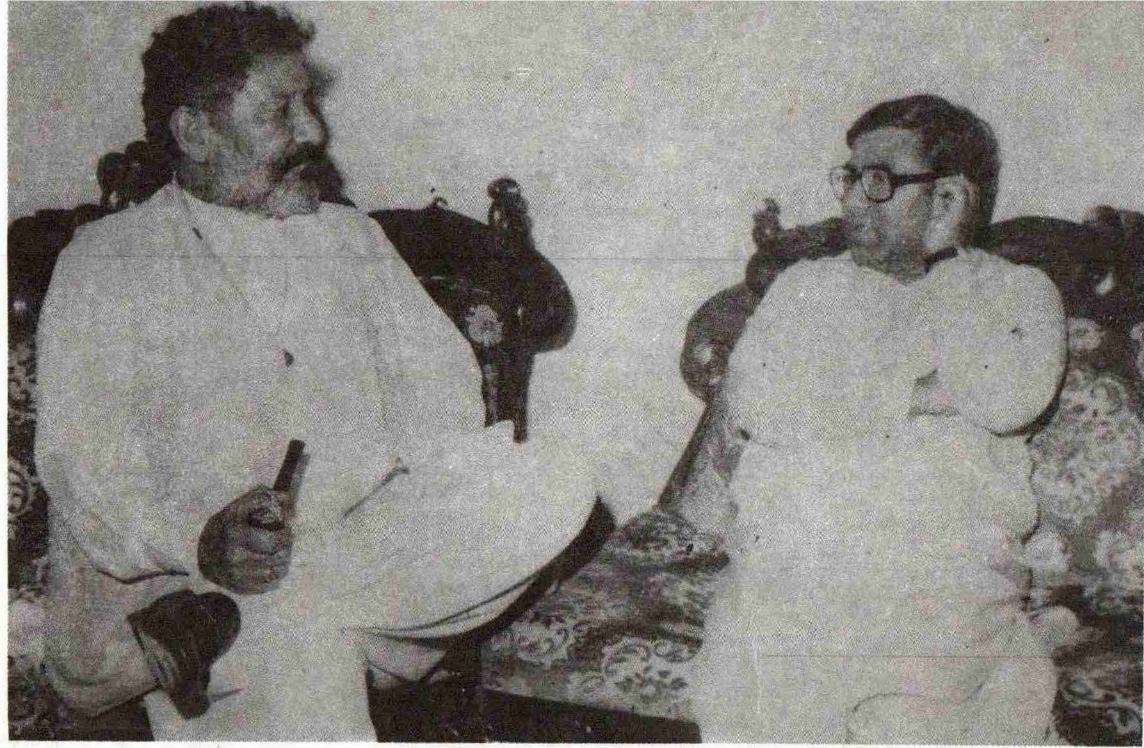
ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا نوٹس

پیر صاحب کا جواب



لاہور کے مخدوم ہاؤس میں............بیتے ہوئے کچھ دن ایسے ہیں، تنہائی جنہیں دہراتی ہے

آں دِل کہ رم نہ بُودے از خوبرُو جواناں
دیرینہ سال پیرے، بُردش بہ یک نگاہے

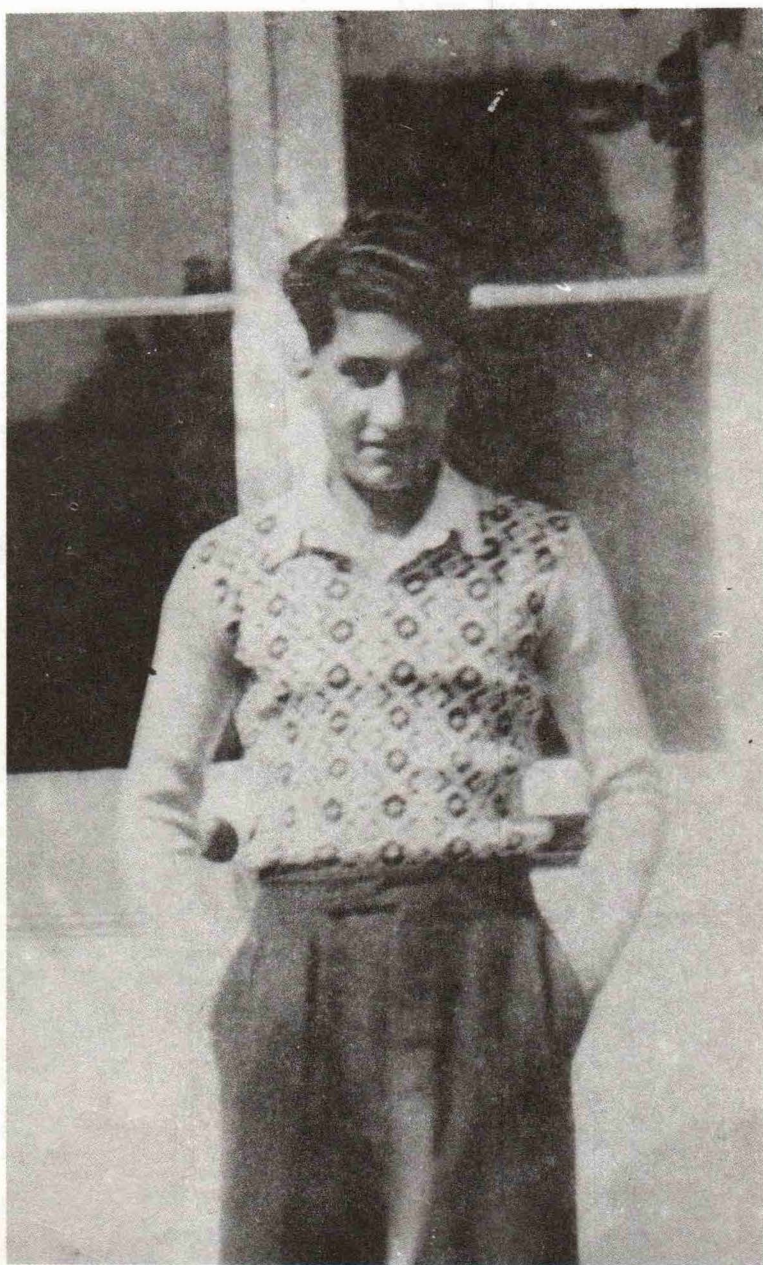


صاحب کتاب اظہر سہیل اور موضوع کتاب پیر پگارا

آئینہ خانہ

پیر صاحب کے روز و شب کا احوالیہ'

صاحب کتاب کے تاثرات و تعصبات



پیرپگارا کا بچپن۔ لندن ۱۹۴۷ء

نشان دہی

پارسال ' جاتی گرمیوں کی ایک شام ' لاہور کے گورنر ہاؤس میں ادھر ادھر کی گپ شپ کے دوران ' جانے کیسے پیر صاحب پگارا کا ذکر آ گیا ' اور مخدوم سجاد حسین قریشی نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ کاش کوئی ' پیر صاحب کے شگفتہ انٹرویوز کو کتابی شکل میں مرتب کر دے ۔ ان کا اصرار تھا کہ یہ کام مجھے کرنا چاہئے ' کیونکہ میں نے بقول ان کے پیر صاحب کے انٹرویوز کو ایک خاص سلیقے سے ندرت اور جدت کے ساتھ پیش کرنے کی طرح ڈالی ہے ۔

میری صحافتی زندگی کی بے محابا مصروفیات میں مخدوم صاحب کی یہ خواہش رفت گزشت ہو گئی ۔ مگر ذہن کے نہاں خانہ میں یہ خیال ہمیشہ پلٹتا رہا کہ پیر صاحب پگارا کی شخصیت اور خیالات پر زیادہ بہتر طریقے سے ' زیادہ توجہ کے ساتھ کچھ نہ کچھ لکھا جانا چاہئے ۔ یہ کام فرصت کا طلب گار تھا اور فرصت عنقا تھی ۔

مگر پھر یوں ہوا کہ جنوری ۱۹۸۷ء کی ایک صبح میں نے اخبار کی ملازمت تیاگ دی ۔ فراغت میسر آئی تو محب مکرم جناب انور عزیز چودھری نے بھی تقریباً اسی انداز کا مطالبہ کیا اور ہر دوسرے تیسرے روز اس کا اعادہ کرتے رہے ۔ پیر صاحب سے بات کی تو انہوں نے بکمال شفقت پرانے انٹرویوز کو کتابی شکل میں مرتب کرنے کی اجازت دے دی ۔ اس پر اوراق پارینہ و پریشاں کی تلاش شروع ہوئی اور بارے کوئی ایک ماہ کی تگ و دو سے یہ مجموعہ مرتب ہو گیا ۔

اب میری خواہش تھی کہ پیر صاحب کی سیاسی زندگی کے بارے میں خود ان کا ایک تفصیلی انٹرویو خاص اس کتاب کے لئے کیا جائے ۔ جو لوگ پیر صاحب کو جانتے ہیں ' انہیں علم ہو گا کہ اس قسم کی کسی بات پر پیر صاحب کو آمادہ کرنا کتنا مشکل ہے ۔ ڈیڑھ ماہ تک اسلام آباد ' لاہور ' کراچی اور پیر جو گوٹھ میں میرا اصرار اور پیر صاحب کا گریز و انکار جاری رہا ۔ لیکن ۷ مارچ ۱۹۸۷ء کی رات کوئی ساڑھے گیارہ بجے اسلام آباد والے گھر میں مجھے منتظر دیکھ کر انکار نہ کر سکے ۔ اس رات تقریباً اڑھائی گھنٹے کا انٹرویو ریکارڈ ہو گیا ۔ اور بارہ روز بعد ' ۱۹ مارچ کی شام ' کراچی میں دوسری قسط ریکارڈ کی گئی ۔

پیر صاحب بلاشبہ موجودہ عہد کی ایک بڑی شخصیت ہیں اور ان کے بارے میں بہت کچھ لکھا جانا باقی ہے ۔ اس کتاب میں وہ تمام خامیاں تلاش کی جا سکتی ہیں جو پہلی کوشش میں ہوا کرتی ہیں مگر یہ افتخار کیا کم ہے کہ اس موضوع پر پہلی کوشش کا اعزاز اسی کتاب کو حاصل ہے ۔

اظہر سہیل

۲۹/۱ آئی اینڈ ٹی سینٹر ۔ جی ایٹ فور ۔ اسلام آباد

۴ ر اپریل ۱۹۸۷ء

نظرے خوش گزرے

برصغیر پاک وہند پر انگریزی استعمار کا انتداب کامل دو صدیوں پر محیط رہا۔

گوراشاہی کی ان کالی صدیوں کے دوران چاروں جانب برٹش امپریلزم کی دہشت و بربریت کے علم لہرا رہے تھے، اور کہیں کہیں پرستاروں کے ٹوٹنے کے سوا، کسی کو مجال دم زدن بھی نہیں تھی۔ مگر ان تاریک دنوں میں بھی دو مواقع ایسے آئے جب انگریزی سامراج اپنی تمام تر ہول آفرینی اور تشدد گردی کے باوجود انسانی آبادیوں کو مارشل لا کے حوالے کرنے پر مجبور ہو گیا۔

پہلا موقع ۱۹۱۹ء میں آیا جب جلیانوالہ کے حوالے سے پنجاب میں قیامت برپا ہوئی اور اس سرزمین کے شجاعت پیشگان کو سبق دینے کے لئے انہیں براہ راست برطانوی فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ اس جرنیلی بندوبست کے نتیجے میں اگر ایک آدھ بھگت سنگھ پیدا ہوا تو لاتعداد ایسے جاگیردار اور سلطنت انگلشیہ کے وفادار نمک خوار بھی پیدا ہوئے جنھوں نے ہر آڑے وقت میں برطانوی آقایان ولی نعمت کی زلہ ربائی کا حق ادا کرتے ہوئے اپنے بندگان بے مایہ کو سلطنت کے دوام کی خاطر بھینٹ چڑھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

دوسرا موقع اس وقت آیا جب سندھ کے ایک حریت مآب پیر سید صبغت اللہ شاہ المعروف پیر پگاڑا نے انگریزی استعمار کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور کچھ اس شان سے کہ سندھ کے صحراؤں میں انگریزی حکومت محاورتاً ہی نہیں، بلکہ عملاً اپاہج کر رہ گئی۔

یہ اس صدی کے تیسرے دہائے کی بات ہے۔ برصغیر میں برطانوی حکومت کا آفتاب نصف النہار پر تھا کہ کانگریس نے انگریزوں کو ملک سے نکالنے کے لئے "ہندوستان چھوڑ دو" کی تحریک شروع کی۔ مگر سندھ میں اس تحریک سے بھی زیادہ جوبات انگریزی حکومت کے لئے خطرہ بنی ہوئی تھی، وہ تھی سید صبغت اللہ شاہ پگارا کی وہ تحریک جو شروع میں ہندو بنئے کی ساہوکاری کے خلاف چلی تھی مگر اب اس کے باغیانہ تیور اسے انگریزی حکومت کے خلاف گوریلا کارروائیوں میں تبدیل کر چکے تھے۔ سندھ کا علاقہ جو آج بھی اس قسم کی سرگرمیوں کے لئے موزوں ترین سمجھا جاتا ہے اس وقت اس کی کیفیت یہ تھی کہ ایک انگریز کمشنر کے الفاظ میں "پیر پگارا نے عملی طور پر اس خطے میں انگریزی حکومت کو ختم کر دیا تھا"۔ آخر کار ۱۹۴۱ء میں انگریزی حکومت نے پیر صاحب پگارا کو گرفتار کر کے حوالہ زنداں کیا اور اپنے زعم میں اس تحریک کو ختم کر کے فارغ ہو بیٹھی۔ انتظامیہ کا خیال تھا کہ پیر صاحب کی گرفتاری سے یہ تحریک دب دبا کر ختم ہو جائے گی، مگر ہوا یہ کہ پیر صاحب کے لاکھوں حُر مریدوں نے اپنی حریت کیشانہ گوریلا کارروائیوں سے انگریزی حکومت کے استحکام کا خواب پریشاں بنائے رکھا۔ کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا جب حر مجاہدین انگریزی حکومت کے کسی نامی گرامی کا سر آزادی کی راہ میں تہ تیغ نہ کر دیتے۔ پیر پگاڑا کا قلعہ برصغیر کے آزادہ رو حریت پسندوں کی آماجگاہ بن گیا اور حالات اس قدر بے قابو ہو گئے کہ وہ سلطنت

جس پر کبھی سورج غروب نہ ہوتا تھا' صوبہ سندھ میں مارشل لا نافذ کرنے پر مجبور ہو گئی۔

۱۹۴۳ء میں نافذ ہونے والا یہ مارشل لا سانحۂ جلیانوالہ کے نتیجے میں لگنے والے مارشل لا کے مقابلے میں کہیں زیادہ سخت اور دہشت و بربریت سے پر تھا۔ انگریز فوجیوں نے حر مجاہدین کو چن چن کر موت کے گھاٹ اتارنا شروع کیا۔ مختلف دیہات میں مجاہدین کو سرعام پھانسیاں دی گئیں' ان کے گھر جلا دیئے گئے' عورتوں پر بے تحاشا تشدد توڑا گیا اور اس تمام وحشت و بہیمیت کو "شرپسند' سماج دشمن ڈاکوؤں کے خلاف کارروائی" کا نام دیا گیا۔ لندن کے انڈیا آفس کی خفیہ دستاویزات کے مطابق اس آپریشن میں ہزاروں حرُ مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا اور ان کے خاندانوں' زمینوں اور فصلوں کو تباہ کر دیا گیا۔ مگر اس تمام تر بربریت اور شقاوت کے باوجود حر مجاہدین نے انگریز حکومت کو ایک دن بھی چین کا سانس نہ لینے دیا اور آخر کار سلطنت انگلشیہ نے "مارشل لا سمری عدالت" میں سید صبغت اللہ شاہ پیر پگارا پر "غداری" "بغاوت" اور اسی نوعیت کے دیگر لاتعداد الزامات میں مقدمہ چلایا۔ حکومت کا خیال تھا کہ پیر صاحب خوفزدہ ہو کر مفاہمت یا مصالحت پر آمادہ ہو جائیں گے لیکن جب یہ امید پوری نہ ہو سکی اور خود حکومت کی جانب سے اس سلسلے میں کی جانے والی کوششوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو اس فوجی عدالت نے پیر صاحب کو پھانسی کی سزا سنا دی اور اسی رات' انتہائی عجلت کے عالم میں انہیں پھانسی دے دی گئی۔ انگریز سپرنٹنڈنٹ جیل کی رپورٹ کے مطابق' پھانسی کی سزا سننے کے باوجود پیر پگاڑا کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ انہوں نے اس خبر کو کمال استحقار و استقلال سے سنا۔ پھانسی کی رات کے اول حصے میں اسی سپرنٹنڈنٹ کے ساتھ حسب معمول شطرنج کھیلتے رہنے کے بعد کچھ دیر حسب معمول تلاوت کلام پاک کی اور ہنستے مسکراتے پھانسی کے تختے کی طرف بڑھ گئے۔ موت سے قبل آخری خواہش دریافت کی گئی تو پیر صاحب نے کمال استغنا کے ساتھ کہا کہ تم لوگ مجھے کیا دے سکتے ہو۔ بس اتنا ہے کہ میرا جنازہ اسلامی طریقے سے پڑھا کر مجھے اسلامی طریقے ہی سے دفن کیا جائے۔ آخری وقت میں پیر صاحب نے سپرنٹنڈنٹ جیل سے مخاطب ہو کر کہا۔

> "تم سمجھتے ہو مجھے پھانسی دینے سے تمہاری حکومت بچ جائے گی۔ دراصل تمہیں خدائی فیصلوں کے بارے میں علم ہی نہیں۔ میں خدائے بزرگ و برتر کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھ عاجز کو شہادت کے مرتبے پر فائز کرنے کے لئے منتخب کیا' اور مجھے فخر ہے کہ میری جان حق کی راہ میں کام آ رہی ہے"۔

پیر صاحب تو اسلامی طریقے سے تدفین کی خواہش کر کے پھانسی چڑھ گئے مگر انگریز حکومت کے لئے اس خواہش پر عمل در آمد گویا ایک نیا اور کڑا امتحان تھا۔ خوف یہ تھا کہ پیر صاحب کا جنازہ ایک ایسے خوفناک انقلابی مجمع میں تبدیل ہو جائے گا' جس پر قابو پانا شاید ممکن نہ ہو۔ ڈپٹی کمشنر اور کمشنر کا اصرار تھا کہ ان کی لاش کو جیل ہی میں نذر آتش کر کے راکھ اڑا دی جائے۔ مگر انگریز گورنر جنرل نے فیصلہ کیا کہ پیر صاحب کی نعش کو کسی دور دراز سمندری جزیرے میں لے جا کر دفن کیا جائے' لیکن اس احتیاط سے کہ کسی کو کانوں کان اس تدفین اور مقام

تدفین کی خبر نہ ہو۔ اس سلسلے میں انڈیا آفس لائبریری کا ریکارڈ صرف یہی بتاتا ہے کہ پیر صاحب کو اسی رات ایک دور دراز سمندری جزیرے میں لے جا کر دفن کر دیا گیا۔ انگریزی حکومت کو خدشہ تھا کہ اگر پیر صاحب کی لحد کا سراغ بھی چھوڑا گیا تو یہ ابد الآباد تک کے لئے زیارت گاہ اہل عزم و ہمت بن جائے گی اور یہ ایک ایسا آتش فشاں ہو گا جس سے ہمیشہ انقلاب اور آزادی کا لاوا پھوٹ کر انگریزی سلطنت کو بھسم کرتا رہے گا۔

سید صبغت اللہ شاہ پیر پگارا کی تدفین ہمیشہ ایک سربستہ راز رہی۔ انگریزی حکومت نے ان کے قلعے کو زمین بوس کر کے اس کا نام ونشان تک مٹا دیا۔ حر تحریک مکمل طور پر تو ختم نہ ہو سکی مگر اسے بہت حد تک کچل دیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود انگریزی استبداد کے لئے ابھی تک ایک ایسا خطرہ موجود تھا جسے وہ قانونی طور پر ختم کر سکتے تھے اور نہ غیر قانونی طور پر اس سے جان چھڑائی جا سکتی تھی۔ کیونکہ یہ ایک راز مفتوح تھا' جس سے ایک عالم کو آشنائی تھی۔ یہ خطرہ شہادت کی آغوش میں جانے والے پیر پگاڑا کے دو بچوں کی شکل میں موجود تھا۔ ان بچوں کو سندھ میں زندہ چھوڑنے کا مطلب یہ ہوتا کہ حکومت اس تحریک کو ایک حیات نو بخش دے جسے بظاہر ختم کر دیا گیا تھا۔ اندیشہ تھا کہ جاں باز حر مجاہدین اپنے پیرزادوں کے لئے جانیں قربان کرتے چلے جائیں گے اور حکومت کسی بھی طور علاقے میں امن وامان قائم نہ کر سکے گی۔ انگریز کمشنر نے گورنر جنرل کو رپورٹ بھیجی کہ دونوں بچوں کو سرکاری تحویل میں لے کر کسی دور دراز جگہ بھیج دیا جائے اور ان کی تربیت اس طور پر کی جائے کہ ان میں اپنے والد کا سا جذبہ حریت و پامردی پیدا ہونے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ پیر صبغت اللہ شاہ ایک انتہائی "خطرناک باغی" تھے جنہیں کسی بھی خوف یا لالچ کے بل پر ڈرایا یا جھکایا نہیں جا سکا۔ اس لئے ان بچوں کو جس قدر جلد ممکن ہو سندھ سے دور بھیج دیا جائے تاکہ حر مجاہدین ان کے گرد اکٹھے ہو کر بڑے بیٹے کی بیعت نہ کر لیں۔ تب علی گڑھ یونیورسٹی کے ڈاکٹر ضیاء الدین ان بچوں کو اپنے ہمراہ لے گئے اور مارشل لاء ہی کے ایک حکم کے تحت پیر پگارا کی گدی ختم کر دی گئی۔

انگریزی حکومت کی ان تمام تر کارروائیوں کے باوجود پیر صاحب شہید کے عقیدت مند علی گڑھ جا کر اپنے پیرزادوں سے ملنے لگے اور ایک بار پھر خدشہ پیدا ہو گیا کہ یہ پیرزادے بھی انگریزی حکومت کے لئے خطرہ بن جائیں گے...... ' آخر کار ان دونوں کو انگلستان بھیج دیا گیا۔ جہاں وہ اواخر ۱۹۵۱ء تک مقیم رہے۔ انہی دنوں اس وقت کے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے ان سے ملاقات کر کے انہیں وطن واپس آنے پر آمادہ کیا اور جب وہ وطن واپس آئے تو ۴ فروری ۱۹۵۲ء کو ان کی گدی بحال کر دی گئی اور بڑے صاحب زادے شاہ مردان شاہ پیر پگارا ہفتم ثانی بنے۔

۱۹۵۳ء کے انتخابات میں میر غلام علی نے پیر پگارا کو مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ بہتر ہے آپ سیاست میں حصہ نہ لیں اور تعویذ گنڈے وغیرہ کے ذریعے مریدوں کے دلوں پر حکومت کریں۔ مگر پیر صاحب کی رگوں میں سید صبغت اللہ شاہ کا حریت مآب خون دوڑ رہا تھا۔ وہ اس پاکستان کی سیاست میں حصہ لینے سے کیونکر باز رہ سکتے تھے جس کے قیام کی خاطر ان کے بزرگ والد نے جام شہادت نوش کیا تھا۔ وہ طبعًا و فطرتًا ایک حریت پسند اور

آزادہ روخاندان کے چشم وچراغ تھے اور ان میں وہ ساری خوبیاں موجود تھیں جن سے ان کے عظیم والد (جنہیں ایک بہت بڑے عالم دین نے صحابہؓ کے دور کا آدمی قرار دیا تھا) بہرہ ور تھے۔ مگر اس عظیم انقلابی جذبے کے ساتھ ساتھ پیر صاحب نے قیام پاکستان میں مسلم لیگ کے کردار سے یہ بات بھی سیکھی کہ سیاسی لڑائیوں میں تشدد کا ہتھیار کبھی کامیاب نہیں ہوتا اور یہ کہ سیاست تو نام ہی اس کا ہے کہ زبان کی طرح بتیس دانتوں کے اندر رہ کر اپنا جلوہ دکھایا جائے۔ یہی وہ ذہنی کیفیت تھی جس کے باعث ۱۹۷۷ء کے مارشل لا میں پیر صاحب پگارا نے دوسرے تمام سیاست دانوں سے مختلف رویہ اپنایا۔ ان سے جب بھی یہ پوچھا گیا کہ آپ مارشل لا کے خلاف ایجی ٹیشن میں حصہ کیوں نہیں لیتے تو انہوں نے کہا کہ۔

"جو جیب کترا میرا بٹوا اٹھا کر بھاگ نکلا' وہ مجھ سے طاقت ور ہے۔ میں اس سے لڑ نہیں سکتا۔ البتہ اس کا تعاقب ضرور کرتا رہوں گا...... 'ادھر وہ تھک کر بیٹھا' ادھر میں نے اپنا بٹوا واپس ہتھیا لیا"۔

اور واقعی ہوا بھی یہی۔ آخر کار پیر صاحب نے اس بٹوے پر قبضہ کر ہی لیا اور ان کے ایک قابل اعتماد نمائندے محمد خان جونیجو ملک کے وزیر اعظم بن گئے۔

پیر صاحب نے باقاعدہ عملی سیاست کا آغاز بھٹو دور میں اس وقت کیا جب سندھ کا کوئی بڑا سیاستدان سامنے آ کر بھٹو حکومت کو للکارنے پر آمادہ نہ تھا اور جو دو چار تھے سوایسے کہ ان پر نقار خانے میں طوطی کی ضرب المثل صادق آتی تھی۔ اس وقت ضرورت اس امر کی تھی کہ خود بھٹو صاحب کے اپنے صوبہ سندھ میں سے کوئی ایسا آدمی سامنے آ کر بھٹو صاحب کو للکارے، جو سیاست کے علاوہ سماجی طور پر بھی اس مرتبے کا حامل ہو کہ بھٹو سے ٹکر لے سکے۔ آخر کار قرعہ فال پیر پگارا کے نام نکلا جنہوں نے گذشتہ پندرہ برسوں کے دوران ملک میں ایک نئے انداز سیاست کی داغ بیل ڈالی اور سیاسی مکالمہ بازی میں ایک نیا رنگ سخن ایجاد کیا۔

پیر صاحب کا موقف پہلے ہی دن سے یہ ہے اور اس کتاب میں شامل ایک انٹرویو میں بھی انہوں نے اس بات کو دہرایا ہے کہ فوج سے محاذ آرائی نہیں کی جا سکتی۔ اسے بات سمجھانا اور تجاویز پیش کرنا پڑتی ہیں' اب یا تو آپ تجاویز پیش کر کے اسے سمجھائیں یا پھر محاذ آرائی کر کے عمر بھر کے لئے نواب زادہ نصراللہ خان بنے رہیں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ پیر صاحب خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ فی الواقع انہیں اپنی اس اہمیت اور حیثیت سے کامل آگاہی ہے کہ وہ ملک کے بڑے اور طاقت ور پیر ہونے کے علاوہ مسلم لیگ کی سربراہی کے حوالے سے بھی ایک مضبوط سیاستدان ہیں پچاس ہزار سے زیادہ مجاہدین ان کے ایک ادنیٰ اشارے پر جان کی بازی لگانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ سندھ میں علیحدگی کی تحریکوں کو ختم کرنے میں انہوں نے پاکستان کی محب وطن قوتوں کو ہمیشہ مضبوط دست و بازو فراہم کئے اور فی الحقیقت یہ کہا جا سکتا ہے کہ بھارت اپنی تمام تر کوشش کے باوجود سندھ میں بنگلہ دیش کے سے حالات پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تو اس میں پیر صاحب پگارا کا کردار انتہائی اہمیت کا حامل ہے جن کے والد گرامی نے بھی اپنی تحریک کا آغاز بنیادی طور پر بنیئے کی ساہو کاری

کے خلاف کیا تھا۔ پیر صاحب کے اندر موجود وطن کی محبت کا یہی مضبوط و محترم جذبہ تھا جو انہیں مسلح افواج کے قریب لایا اور انہوں نے ہر کڑے اور اُڑے وقت میں پاکستان دشمنوں کے خلاف پاک فوج کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔

اگر آپ پیر صاحب پگارا کو محض ان کے اخباری بیانات کی حد تک جانتے ہیں تو باور کر لیجئے کہ آپ انہیں جانتے ہی نہیں، کہ ان کے بیانات تو ان کی شخصیت کا ایک حقیر سا پر تو بھی سامنے نہیں لاتے۔ وہ بنیادی طور پر ایک بے تکلف مگر رکھ رکھاؤ والے آدمی ہیں۔ اور ان کے ساتھ بے تکلفی سے گفتگو کرنے کے لئے آپ کو ان کی شخصیت کے جو لاتعداد ہفت خواں طے کرنا پڑتے ہیں، ان میں سب سے بڑا عنصر ان کی گریز پائی (Shyness ——) کا ہے۔ لیکن اس سارے عمل سے گزر کر اگر کوئی شخص ان تک رسائی حاصل کر لے تو حیران رہ جاتا ہے کہ پیر صاحب اپنی نجی زندگی میں اس تمام ایچ پیچ سے نا آگاہ اور بے نیاز ہیں جو اخباری خبروں کے حوالے سے ان کی شخصیت کا حصہ محسوس ہوتے ہیں۔ وہ تیزی سے سوچنے کے باوجود دیر سے فیصلہ کرنے والے آدمی ہیں اور اخبار نویس جب اپنے الٹے سیدھے سوالوں کے ذریعے ان سے کچھ اگلوانے کی کوشش کرتے ہیں تو عام طور سے مایوسی کا شکار ہو کر لوٹتے ہیں کہ پیر صاحب نے اپنی شخصیت باقاعدہ خانوں میں بند کر رکھی ہے۔ وہ اخبار نویسوں کے سامنے وہی خانہ کھولتے ہیں جس کا اظہار پہلے سے طے شدہ ہوتا ہے میں نے ان کا ایک بہت ہی متنازعہ انٹرویو شائع کیا جو اس کتاب میں "قومی بلدیاتی ادارہ" کے عنوان سے شامل ہے۔ انٹرویو کی اشاعت پر قومی اسمبلی کے بعض اراکین نے پیر صاحب کے خلاف تحریک استحقاق پیش کر دی جسے اس وقت کے سپیکر سید فخر امام نے منظور بھی کر لیا۔ پیر صاحب سے محبت رکھنے والے بعض وفاقی وزراء اور اراکین اسمبلی نے کوشش کی کہ پیر صاحب اس انٹرویو کی تردید کر دیں۔ خود میرا خیال بھی یہ تھا کہ پیر صاحب کو جوش دلا کر میں ان سے بعض ایسی باتیں کہلوانے میں کامیاب ہو گیا ہوں جو وہ عام حالات میں شاید کبھی نہ کہتے۔ پیر صاحب کو ان معاملات کا علم ہوا تو انہوں نے ہنستے ہوئے کہا، "دیکھو میاں، اس بار ہم کراچی سے یہ بات طے کر کے آئے تھے کہ غیر جماعتی اسمبلی کو تارپیڈو کرنا ہے۔ تمہارا کام صرف اتنا تھا کہ تم نے ہماری باتیں ٹھیک ٹھیک رپورٹ کر دیں۔

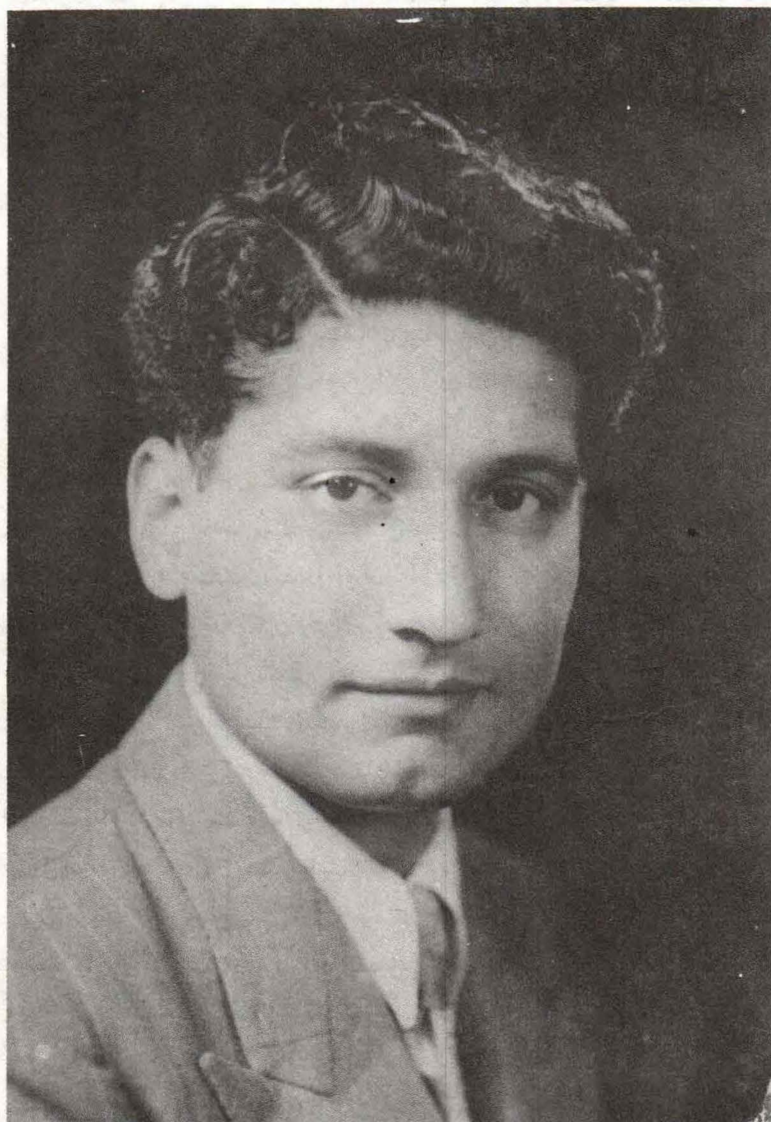
شریعت بل کے بارے میں ان کے انٹرویو کی اشاعت پر اسلام آباد میں زبردست ہنگامہ ہوا، جس میں مذہبی مدرسوں کے طالب علموں نے پیر صاحب کے خلاف گالی گلوچ اور سب و شتم کی انتہا کر دی۔ قومی اسمبلی کی عمارت کے سامنے ان کا پتلا جلانے کی کوشش کی گئی جو بارش نے ناکام بنادی۔ جماعت اسلامی کا افغانستان فنڈ ہضم کر جانے والے بعض اخبار نویسوں نے اپنی فطرت اور تربیت سے مجبور ہو کر پیر صاحب سے رابطہ قائم کیا اور ان سے یہ کہلوانے کی کوشش کی کہ یہ انٹرویو راقم الحروف کی اپنی ذہنی تخلیق تھا۔ پیر صاحب نے نہ صرف یہ کہ صاف انکار کر دیا بلکہ اس انٹرویو سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ کر بعض ایسی باتیں کہہ دیں کہ یہ اخبار نویس اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ شریعت محاذ کے تحت نکلنے والے اس جلوس کا راستہ ایسا تھا کہ وہاں سے پیر صاحب کا گھر محض چند گام کے فاصلے پر تھا۔ عام خدشہ تھا کہ کوئی سرپھرا پیر صاحب کے گھر کی طرف جلوس کا رخ نہ موڑ دے۔

ایک نیاز مند نے مشورہ دیا کہ آپ گھر سے ادھر ادھر ہو جائیں۔ پیر صاحب نے بلاتردد جواب دیا "دیکھو بھئی' ہماری حفاظت جنرل صاحب کے ذمے نہیں کہ خطرے کی بات ہو۔ ہماری حفاظت تو ذات باری کرتی ہے"۔ اس کے بعد وہ خلاف معمول گھر کے سامنے والے ٹیرس پر آن بیٹھے اور اپنے ساتھیوں سے خوش گپیوں میں مشغول ہو گئے۔

نجی زندگی میں وہ نان سٹاپ گفتگو کرتے ہیں اور کسی موضوع پر بند نہیں۔ قومی سیاست سے لے کر بین الاقوامی معاملات تک کسی بھی حوالے سے بات چھیڑ دیجئے' وہ آپ سے سیر حاصل گفتگو کریں گے۔ شرط صرف اتنی ہے کہ آپ اسے شائع نہ کریں' کیونکہ شائع کرنے کے لئے وہ دوسری قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ ذومعنی فقروں پر مشتمل روایتی پیروں کی باتیں' جن میں سے ہر کوئی اپنی مرضی کا مفہوم نکال سکتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پیر صاحب کی پیش گوئیاں پوری نہیں ہوتیں۔ ہم نے تو ان کی بہت سے سیاسی پیش گوئیوں کو تمام تر جزئیات کے ساتھ پورا ہوتے دیکھا اور حیرت ہوئی کہ پیر صاحب کا دماغی کمپیوٹر کس تیزی سے کام کرتا ہے۔ خود پیر صاحب کا کہنا یہ ہے کہ انہوں نے چونکہ ابتدائی تربیت لندن میں حاصل کی' اس لئے ان کے رویئے میں وہ Perfection آگئی ہے جو اردو شاعری کی آغوش میں تربیت پانے والوں کو حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ یوں بھی پیر صاحب شاید وہ پہلے سیاستدان ہیں جنہوں نے کموڈور ۶۴ پرسنل کمپیوٹر خرید کر مختلف سیاسی معاملات میں اس جدید ترین مشینی ایجاد سے بھی مشورے حاصل کرنا شروع کئے۔

بے عیب ذات تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے' مگر جن لوگوں میں شرعی عیوب ہوتے ہیں' ان کی نجی زندگی کے مشاغل وہ نہیں ہوا کرتے جو پیر صاحب کے ہیں۔ پیر صاحب کی دلچسپیوں میں سرفہرست شکار ہے۔ اس سلسلے میں وہ جدید ترین بندوقوں کے حصول کے ساتھ ساتھ ان میں اپنی ضروریات کے مطابق ترامیم اور اضافے بھی کرواتے رہتے ہیں۔ ایک بار گہرے سمندر میں مچھلی کے شکار کا پروگرام بنا تو پیر صاحب نے کم و بیش دس جدید قسم کی ڈوریاں اور کنڈے حاصل کئے۔ یہ الگ بات ہے کہ شکار کے نام پر محض چند چھوٹی چھوٹی مچھلیاں اور ایک معقول تعداد ربن مچھلیوں ہی کی حاصل ہوئی۔ شام کو شکار سے واپسی پر پیر صاحب نے اپنے تمام ساتھیوں کو بازار سے مچھلی خرید کر دی کہ انہیں خالی ہاتھ گھر بھیجنا پیر صاحب کی روایات کے خلاف تھا۔ ان کا دوسرا شوق موسیقی ہے۔ جدید ترین موسیقی کا جو ریکارڈ کراچی آجائے' سب سے پہلے پیر صاحب کے گھر پہنچے گا اور وہ اپنی پسند کے حصوں کی کاپی تیار کر لیں گے۔ اس کام کے لئے انہوں نے ایک مکمل سٹوڈیو اپنے گھر میں نصب کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ انہیں فوٹو گرافی کا بھی شوق ہے۔ دوست احباب اور مناظر کی تصویریں تیار کر کے دوستوں کو تحفے کے طور پر دے کر انہیں بہت مسرت ہوتی ہے۔

بی بی سی کی خبریں سننا ایک ایسا شوق ہے جس میں ناغے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بہت کم لوگوں کو علم ہو گا کہ پیر صاحب دن میں زیادہ سے زیادہ چار گھنٹے نیند لیتے ہیں۔ رات گئے کی آخری خبروں کا بلیٹن سننے کے بعد وہ صبح چھ بجے کا بلیٹن بھی پورے اہتمام اور تواتر سے سنتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں کالی کافی کا شوق ہے یا سگاروں کا



پیر پگارا کا بچپن۔ لندن ۱۹۴۷ء

اور ان کی خطرناک بلکہ خوفناک قسم کی کھانسی جو انہیں نڈھال کر دیتی ہے انہی دونوں چیزوں کی عطا ہے۔ مگر مجال ہے جو ان میں سے کسی میں بھی کمی آنے دیں۔ وہ سگریٹ سے سگریٹ اور سگار سے سگار سلگانے والے چین سموکر ہیں اور دن میں اوسطاً کوئی تیس کپ کالی کافی پی جاتے ہیں۔

میں نے ہفتوں ساتھ رہ کر ان معمولات کا مشاہدہ کیا اور بارہا یوں ہوا کہ رات تین بجے اٹھے تو پیر صاحب نے کہا، صبح ناشتا یہیں کرنا۔ سوا آٹھ بجے پہنچے تو پیر صاحب کو ناشتے کی میز پر منتظر پایا۔

"آؤ بھئی ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے آپ کو تو آٹھ بجے آنا تھا"۔

وقت کے معاملے میں بھی ان کا حساب عجیب ہے۔ انہوں نے کبھی کوئی اپائنٹمنٹ ڈائری اپنے سامنے نہیں رکھی۔ دن میں جانے کتنے ہی لوگوں کو وہ آنے والے دنوں کے مختلف اوقات میں ملاقات کا وقت دیتے ہیں، مگر مجال ہے جو کسی ایک کا وقت کسی دوسرے سے ٹکرا جائے یا انہیں یہ بات بھول جائے کہ فلاں دن اتنے بجے فلاں کو آنا ہے۔ فون ہمیشہ خود اٹھاتے ہیں۔ ان کی ایک مخصوص "ہیلو" ہے جسے جاننے والے خوب پہچانتے ہیں۔ مگر جو نہیں جانتے، وہ استفسار کرتے ہیں اور یہ فقرہ سن کر انہیں یک گونہ حیرت ہوتی ہے کہ "میں پیر پگارا بول رہا ہوں"۔ کئی دفعہ یوں ہوا کہ انہوں نے رات بارہ بجے کے بعد کا وقت دیا۔ اخباری معمولات میں دیر ہو گئی اور میں یہ سوچ کر رہ گیا کہ پیر صاحب سو چکے ہوں گے۔ صبح ملازم نے بتایا "رات پیر صاحب تین بجے تک آپ کے منتظر رہے"۔ پیر صاحب سے ملاقات ہوئی تو صرف اتنا کہا کہ بھئی، اگر نہیں آسکتے تھے تو فون کر دیا ہوتا۔

ملک کے اہم ترین سیاستدان کا یہی محبت آمیز رویہ ہے جو ان کے نیاز مندوں میں جوابی محبت کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ اپنے دوستوں کے بارے میں معمولی سے معمولی تفصیلات کا علم رکھنا اور ان کی پریشانیاں انہیں بتائے یا جتائے بغیر دور کرنا پیر صاحب کا شیوہ ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ ایک بار جسے دوست بنا لیا، بعد میں لوگ اس کے بارے میں ہزار باتیں کریں، پیر صاحب کے رویئے یا محبت میں کمی نہیں آئے گی۔ ایک زمانے میں جب انہوں نے جماعت اسلامی پر حملے کا آغاز کیا تو جماعت کی لاہوری شاخ نے حسب روایت ان کے بارے میں دون کی لینا شروع کی۔ کردار کشی کے ایسے ایسے گھناؤنے وار کئے گئے کہ الاماں! میں نے پیر صاحب سے کہا "فلاں گھر آپ آخر کس لئے جاتے ہیں؟ اس حوالے سے مختلف کہانیاں بن رہی ہیں"۔ پیر صاحب نے ہنستے ہوئے جواب دیا، "مجھے سب معلوم ہے، مگر وہ میرے ایک مرحوم دوست کے بچوں کا گھر ہے اور میں محض بے ہودہ افواہوں کے خوف سے اپنے خاندانی تعلقات نہیں تیاگ سکتا...... ویسے ایک بات ہے ہمارے بارے میں اس قسم کی بے بنیاد افواہیں اڑانے والے اس امر سے صرف نظر کر رہے ہیں کہ اس جھوٹ کے طوفان میں اگر کہیں ہم نے سچ مچ کوئی واردات کر دی تو بھی کسی کو یقین نہیں آئے گا"۔

انہی دنوں ایک افواہ یہ بھی اڑائی گئی کہ انگریزی حکومت مرحوم سید صبغت اللہ شاہ پگارا کے جن دو بچوں کو انگلستان لے گئی تھی انہیں وہیں کہیں ٹھکانے لگا کر ان کی جگہ کوئی اور بچے واپس بھجوا دیئے گئے۔ پیر صاحب سے اس بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "اس قسم کی جھوٹی

افواہوں کے بعد ان کی سچی بات بھی کوئی نہ سنے گا۔ ارے بھائی' علی گڑھ میں ہمارے ساتھ کے لوگ ابھی زندہ ہیں' فلاں' فلاں اور فلاں کراچی میں مقیم ہیں۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ کرتے او ر پھر یہ بھی کہ جو باتیں ہم کہہ دیتے ہیں۔ یہ ہمارے سوا اور کس میں کہنے کی ہمت ہے ؟"

پیر صاحب بنیادی طور پر ایک صحرائی آدمی ہیں اور ان میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو صحرائی زندگی کا لاینفک جزو ہوتی ہیں۔ وہ نہ دوستی بھلاتے ہیں نہ دشمنی۔ اور شتر مرغ کی طرح ریت میں سر دے کر' کڑی دھوپ یا برسات گذار دینا بھی انہیں آتا ہے۔ مگر جونہی کڑا دور گزرا' پیر صاحب نے اپنا کام دوبارہ وہیں سے شروع کر دیا جہاں سے اس کا سلسلہ منقطع ہوا تھا۔

جاگیردارانہ طرز سیاست میں وسیع دستر خوان کو ایک خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ پیر صاحب کا دستر خوان بھی وسیع ہے۔ مگر فرق صرف اتنا ہے کہ ہر مسلک اور مشرب کا آدمی ان کے دستر خوان پر موجود ہوتا ہے۔ ایم آر ڈی کی قیادت اور وفاقی وزراء کو ایک ہی میز پر کھانا کھاتے ہم نے انہی کے گھر میں دیکھا' خود پیر صاحب کا کہنا ہے کہ ہم کھلانا بھی جانتے ہیں اور کھانا بھی۔

کھانے کے حوالے سے ایک دلچسپ بات جناب عبدالحمید جتوئی نے بتائی' ان کے بقول پیر صاحب دوسروں کی دعوتیں قبول نہیں کرتے۔ اور عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ ان کے دوست احباب اور ساتھی خود تو ان کے گھر دعوت پر آجاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ پیر صاحب کی دعوت کرنا چاہیں تو طریقہ یہ ہے کہ کھانا گھر میں پکوا کر پورے اہتمام سے پیر صاحب کے گھر لے جایا جاتا ہے جس میں کھانا لانے والا بھی ان کے ساتھ شریک ہوتا ہے۔ جتوئی صاحب نے اس حوالے سے مختلف باتیں اس اہتمام اور اعتماد کے ساتھ بیان کیں کہ میں نے ایک روز محض **تکلفاً** پیر صاحب کو اپنے گھر کھانے کی دعوت دے ڈالی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ معذرت کر دیں گے' مگر انہوں نے یہ دعوت قبول کر کے مجھے حیران کر دیا۔ شاید پیر صاحب کا انکار ان لوگوں ہی کے لئے ہو جو خود کو بڑا سمجھنے کے زعم باطل میں مبتلا ہوتے ہیں۔ پیر صاحب اپنے دوستوں کو تحفے بھی دیتے ہیں مگر اس انداز سے کہ وہ خود کو زیر بار محسوس نہ کریں۔ میں ملک سے باہر جا رہا تھا۔ روانگی کی رات پیر صاحب سے ملنے گیا تو پوچھنے لگے "کف لنک استعمال کرتے ہو؟" پھر میرا جواب سننے سے پہلے ہی کہنے لگے " دراصل یہ کف لنک مجھے کوئی دے گیا ہے' میں چونکہ پہنتا نہیں' اس لئے ان سے جان چھڑانا چاہتا ہوں۔ مہربانی کر کے آپ لے لیں۔"

وہ مختلف دوستوں کے لئے سگاروں کے ڈبے' آم اور کافی ڈھیروں کے حساب سے لاتے اور ان میں تقسیم کر کے خوش ہوتے ہیں۔ اگر کوئی تحفہ دے تو چاہے کتنا معمولی ہی کیوں نہ ہو' اس اہتمام سے وصول کرتے ہیں جیسے یہ ان کی زندگی میں ملنے والا سب سے قیمتی تحفہ ہو۔

ریس اور ریس کے **گھوڑوں** سے پیر صاحب کا تعلق ایک انتہائی نازک موقع پر ان کے لئے طعنہ بھی بنا مگر پیر صاحب نے معذرت خواہانہ رویہ اپنانے کی بجائے ڈٹ کر بات کی اور معترضین کو مبہوت کر کے رکھ دیا۔ ہوا یوں کہ جس روز جونیجو مسلم لیگ کی تشکیل کے لئے قومی اسمبلی کے سرکاری پارلیمانی گروپ کا اجلاس

راولپنڈی کے سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں بلایا گیا' صدر ضیاءالحق' وزیر اعظم جونیجو اور پیر صاحب ایک ساتھ اندر آئے اور مسلم لیگ کے قیام کا اعلان کیا۔ اس موقع پر مختلف اراکین نے جو تقاریر کیں ان میں گوجرہ سے قومی اسمبلی کے رکن مسٹر حمزہ کی تقریر پیر صاحب پر تنقید سے بھرپور تھی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں ریس اور گھوڑوں کے حوالے سے بھی طعن توڑا' اور پیر صاحب کی اس دلچسپی کو ہدف بنایا۔ بعد میں جب پیر صاحب کو اختتامی تقریر کا موقع ملا تو انہوں نے کہا۔

"ہمارے ایک احراری ساتھی نے گھوڑوں اور ریس سے میرے شغف پر تنقید کی ہے۔ میرے نانا حضرت رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور میرے بزرگ حضرت علیؓ گھوڑوں سے محبت کرتے تھے۔ قرآن مجید میں بھی "فالموریات قدحا" کے حوالے سے گھوڑوں کی توصیف آئی ہے۔ ہم اپنے نانا کی سنت پر عمل کرتے ہوئے گھوڑوں سے محبت کرتے ہیں اور جسے سنت سے نفرت ہو' اس پر لعنت بھیجتے ہیں"۔

پیر صاحب کے اس خطاب سے محفل میں سناٹا چھا گیا اور کسی کو دوبارہ حرف زنی کی جرات نہیں ہوئی۔

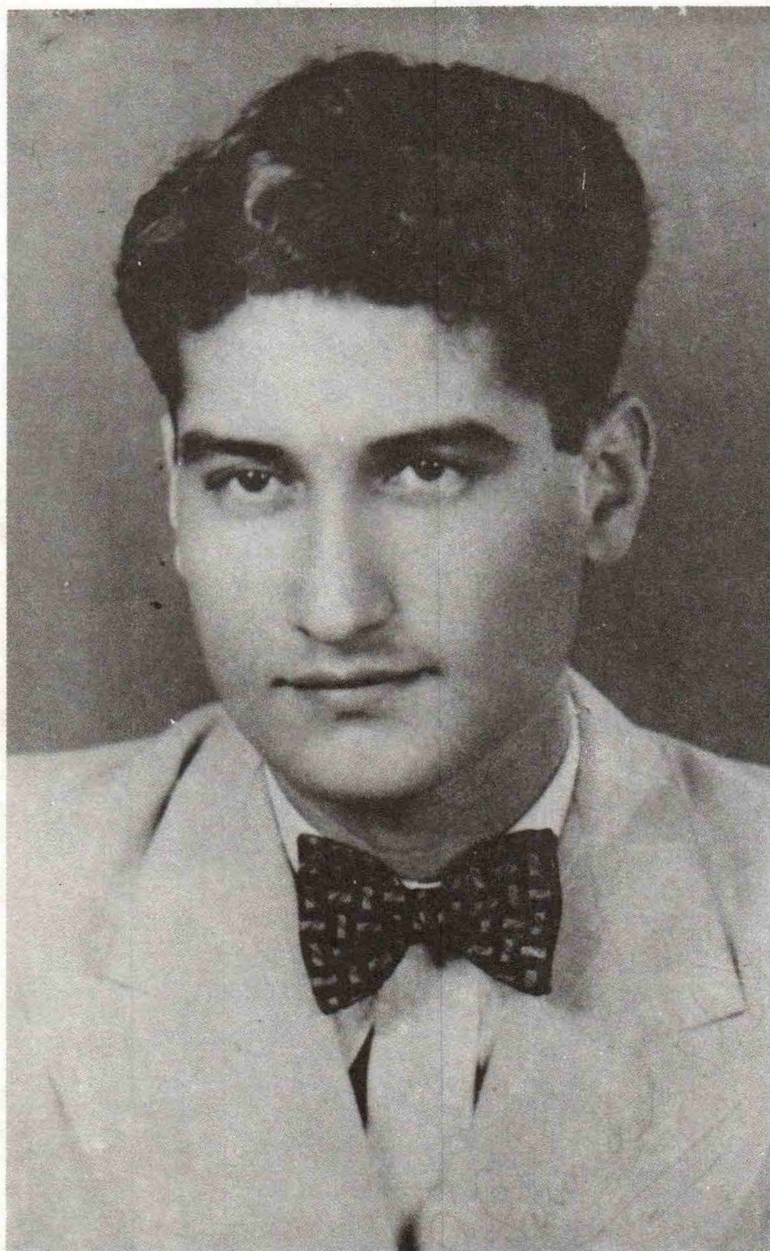
پیر صاحب کی سیاست پر سب سے زیادہ اعتراض خود ان کے اہل خانہ کو ہے۔ ایک بار کراچی والے گھر میں کھانے کی میز پر بیٹھے تھے۔ ان کے منجھلے بیٹے علی گوہر ایم این اے بھی ساتھ تھے۔ ادھر ادھر کی باتوں میں سیاسی مصروفیات کا تذکرہ آیا تو پیر صاحب نے بتایا کہ علی گوہر نے ایک بار ان کی مسلسل مصروفیات اور خود کو نظرانداز کئے جانے پر بھناتے ہوئے کہا تھا'

"ابا' کاش! میں آپ کی سیاست ہوتا کہ آپ مجھے توجہ تو دیتے"۔

ان کے گھر پر تمام دن غرض مندوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ وہ سب کی سنتے اور متعلقہ وزراء کے لئے سفارشی رقعے لکھ کر دیتے رہتے ہیں۔ البتہ اگر کوئی غرض مند کسی بیوروکریٹ کے نام رقعہ مانگے تو صاف انکار کر دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بیوروکریٹ حضرات سے میرا کیا تعلق؟ وزراء سے تو بہرحال سیاسی واسطہ داری ہوتی ہے۔ غرض مندوں کے علاوہ سیاسی دوستوں کا بھی ہجوم رہتا ہے اور اگر پیر صاحب مصروف ہوں تو ان کے منشی کا فریضہ ہے کہ غرض مندوں کی سفارش کریں۔

پراٹوکول کے حوالے سے بھی پیر صاحب کے ہاں ایک خاص التزام ہے۔ یہ بات واضح طور پر طے ہے کہ پیر صاحب کو کس سے ہاتھ ملانا ہے' کس سے معانقہ کرنا ہے' کسے دروازے تک چھوڑ کر آنا ہے' کسے گاڑی تک پہنچانا ہے۔ اور اس میں ملاقاتی کے مرتبے سے زیادہ خود پیر صاحب کے ساتھ اس کا تعلق اہم کردار ادا کرتا ہے اور تعلقات کے معاملے میں بھی بقول صدر ضیاءالحق "پیر صاحب بادشاہ آدمی ہیں"۔

صدر ضیاءالحق سے ان کی چھیڑ چھاڑ بہت پرانی ہے' اور واقعہ یہ ہے کہ گذشتہ دس برسوں کے دوران پیر صاحب ہی وہ واحد سیاست دان ہیں جنہوں نے صدر مملکت کے بارے میں سخت ترین باتیں بھی کہہ دیں۔ مگر



پیر پگارا کے بچپن کی ایک اور تصویر۔ لندن ۱۹۴۸ء

اس انداز سے کہ دلوں میں میل یا کدورت نہ آ سکی۔ دراصل پیر صاحب کا اسلوب ایک خالص مزاح نگار کا اسلوب ہے۔ وہ چٹکی لینے کے بعد پلٹ کر 'مسکراتے ہوئے' مزاج بھی پوچھ لیتے ہیں اور یوں چٹکی کی تلخی کافی حد تک کم ہو جاتی ہے۔ ان دس برسوں میں انہوں نے خود کو مسلسل جی ایچ کیو کا ساتھی قرار دیتے رہنے کے باوجود جی ایچ کیو سے اتنی چھیڑ چھاڑ کی کہ اگر کوئی دوسرا کرتا تو وہاں نہ ہوتا جہاں آج پیر صاحب ہیں اور یہاں پہنچنے کے بعد بھی انہوں نے خود پر بڑائی کا مالیخولیا طاری نہیں کیا۔ انہوں نے آیت اللہ خمینی بننے کی بجائے پیر پگارا ہی رہنا پسند کیا' پیر پگاڑا' جن کے دروازے پر کسی مسلح دربان کی ضرورت نہیں' جو اپنا فون خود اٹھاتے اور سب سے ہنس کر ملتے ہیں' جن کے دروازے آج بھی سیاسی کارکنوں پر اسی طرح کھلے ہیں جیسے جونیجو حکومت سے پہلے تھے۔

نکلتا ہوا قد' ہلکی پھلکی شخصیت' جثہ اس کے برعکس' ستواں ناک' رنگ شہابی' سوچتی ہوئی آنکھیں' گلابی نگاہیں عقابی' گفتگو میں تیزی' مشکل اور کشیدہ ترین لمحوں میں بھی مسکراتے رہنے والے یہ صاحب پیر پگارا ہیں پیر پگارا جو میر کے اس شعر کی زندہ تصویر ہیں کہ ؎

باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں نہ ایسی سنئے گا
پڑھتے کسو کو سنئے گا تو دیر تلک سر دھنئے گا



بھٹو پگارا تعلقات

پیر پگارا اور ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان ذاتی تعلقات کا آغاز ۱۹۵۲ء سے ہوا۔

نوجوان بھٹو اپنی تعلیم مکمل کر کے پاکستان آئے تو ان کا دل خواہشوں ' ولولوں اور امنگوں سے بھرپور تھا۔ وہ سیاست میں حصہ لینا چاہتے تھے اور چونکہ انہوں نے وکالت کا بڑا امتحان پاس کر رکھا تھا۔ اس لئے وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ ان کی وکالت ' سیاست کے میدان میں ان کی کارساز و دستگیر ہو گی۔

مگر کراچی آ کر انہیں پتا چلا کہ سیاست اور وکالت دونوں میں ذاتی قابلیت کے ساتھ ساتھ خاندانی تعلقات اور کسی با اثر شخصیت کا سہارا بھی ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں بھٹو کی نظر انتخاب پیر علی محمد راشدی پر پڑی۔ پیر علی محمد راشدی ان دنوں "ایسٹرن ایکسپریس" کے نام سے اپنا انگریزی اخبار نکال رہے تھے۔ اس اخبار کے لئے کچھ سرمایہ ذوالفقار علی بھٹو کے چچا اور سسر احمد خان بھٹو نے بھی دیا تھا۔ اسی سسرالی تعلق کے حوالے سے وہ ایک روز "ایسٹرن ایکسپریس" کے دفتر میں گئے اور اس اخبار کے مدیر مسٹر محمد اویس کو متاثر کرنے کے لئے سلسلہ کلام یوں شروع کیا جیسے بھٹو ہی اس اخبار کے اصل مالک ہوں۔ انہوں نے کہا آپ لوگ میرے چچا کا مال ہڑپ کر گئے ہیں میں یہ سب آپ سے اگلوا کر رہوں گا۔ اس پر مسٹر اویس نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ ان سے الجھنے کی بجائے براہ راست پیر علی محمد راشدی سے رابطہ قائم کریں۔

اگلے روز مسٹر بھٹو پیر علی محمد راشدی کے ہمراہ دفتر آئے تو اویس صاحب نے دیکھا کہ وہ راشدی صاحب کے لئے سراپا خوشامد بنے ہوئے تھے اور انہیں "انکل سائیں" کہتے ہوئے ان کی زبان نہیں تھک رہی تھی۔ پیر علی محمد راشدی نے اپنے مدیر سے ان کا تعارف کراتے ہوئے کہا 'اویس صاحب ذوالفقار ہمارے دوست احمد خان بھٹو کا بھتیجا ہے اور اسے کچھ لکھنے لکھانے کا شوق ہے۔ آپ ذرا دیکھ لیجئے گا" مسٹر اویس نے انہیں بتایا کہ گذشتہ روز ان کی مسٹر بھٹو سے ملاقات ہو چکی ہے اور یہ کہ کل تو ان کے تیور ہی دوسرے تھے۔ اس پر مسٹر بھٹو نے آئیں بائیں شائیں شروع کی اور پیر علی محمد راشدی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "نہیں نہیں یہ اپنا بچہ ہے۔" اس کے بعد مسٹر

بھٹو نے دو چار مضامین لکھ کر مسٹر اویس کو دیئے مگر وہ اپنے دل میں گرہ ڈال چکے تھے۔ انہوں نے انہیں روکے رکھا اور پیر علی محمد راشدی کے استفسار پر انہیں کہہ دیا کہ "مضامین قابل اشاعت نہیں ہیں" بھٹو نے دیکھا کہ فیصلہ بہرحال مسٹر اویس ہی کا چلے گا تو انہوں نے مسٹر اویس کی خوشامد شروع کر دی اور یوں ان کے مضامین ایسٹرن ایکسپریس میں شائع ہونا شروع ہوئے۔

پیر علی محمد راشدی اور ان کے مدیر مسٹر اویس دونوں کے پیر صاحب پگارا سے بھی انتہائی قریبی تعلقات تھے۔ اور پیر علی محمد راشدی سندھ میں پیر صاحب کے اثر و نفوذ کے بل پر بہت سے "کارنامے" انجام دیتے رہتے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے جلد ہی اس صورت حال کو محسوس کر لیا اور انہیں اندازہ ہو گیا کہ پیر علی محمد راشدی کے پیچھے اصل طاقت پیر صاحب پگارا کی ہے۔ انہوں نے اویس صاحب کے ذریعہ پیر صاحب سے ملاقاتیں شروع کیں۔ انہی دنوں "ایسٹرن ایکسپریس" بند ہو گیا اور اویس صاحب نے پیر صاحب پگارا کو مشورہ دیا کہ وہ اپنا اخبار نکالیں۔ انہی دنوں جلد ہی سٹیٹس مین کے نام سے پیر صاحب پگارا کا اخبار کراچی سے نکلنا شروع ہوا جو آج تک ہفتہ وار نکل رہا ہے اور مسٹر اویس اس کے "لائف ایڈیٹر" ہیں۔

اویس صاحب کے ذریعے پیر صاحب پگارا تک پہنچنے کے بعد بھٹو نے پیر صاحب کے ہاں مستقل آنا جانا شروع کر دیا انہوں نے پیر صاحب کو بتایا کہ وہ وکالت کی ڈگری لے کر بڑی امیدوں سے پاکستان آئے تھے۔ مگر یہاں نہ وکالت چل رہی ہے اور نہ سیاست میں انہیں کوئی موقع مل رہا ہے۔ پیر صاحب نے ایک پڑھے لکھے نوجوان کو "فرسٹریشن" کا شکار ہوتے دیکھا تو اپنے مریدوں کے مقدمات ان کے حوالے کر دیئے جن سے بھٹو کو اچھی خاصی یافت ہونے لگی۔ اور یوں بھٹو پیر صاحب کے قانونی مشیر بن گئے۔ انہی دنوں پاکستان سے ایک وفد اقوام متحدہ جا رہا تھا۔ نوجوان اور Ambitious بھٹو نے پیر صاحب سے درخواست کی کہ وہ انہیں اس وفد میں شامل کروا دیں۔ پیر صاحب نے حسن محمود مرحوم کو ساتھ لے کر سکندر مرزا سے بات کی اور یوں بھٹو پہلی بار اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی کرنے کے لئے پہنچے تو ان کی مسرتوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ انہوں نے بار بار پیر صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ وہاں سے بھی انہیں فون کرتے رہے۔ مسٹر اویس کو بھی ایک "پکچر کارڈ" ارسال کیا جس سے ان کی مسرتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

لیکن اقوام متحدہ سے واپسی پر بھٹو کی پیر صاحب سے ملاقاتیں نسبتاً کم ہو گئیں۔ اب وہ اکثر و بیشتر سکندر مرزا کے دفتر کی غلام گردش میں دکھائی دیتے اور سکندر مرزا کے ایک قریبی دوست کے مطابق، کبھی کبھی تو سکندر مرزا بھی نوجوان بھٹو کی بار بار کی دفتر یاترا سے تنگ آ جاتے۔ مگر بھٹو نے اپنا "کام" جاری رکھا اور آخر کار سکندر مرزا کے ذریعہ وہ ایوب خان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، جنہوں نے اپنے عہد اقتدار میں اس سب سے "کم عمر وزیر" کو سیاسی طور پر پھلنے پھولنے کا پورا موقع فراہم کیا۔

ایوب خان گئے اور یحییٰ خان آئے تو ایک بار پھر سیاسی قوتوں کو سامنے آنے کا موقع ملا اور بھٹو کو اندازہ ہوا کہ اپنے تمام تر کروفر کے باوجود وہ ابھی تک سیاسی طور پر اتنے طاقتور نہیں ہوئے کہ پیر پگارا کے مقابل کھڑے ہو

سکیں۔ اس موقع پر انہوں نے اپنی روایتی حکمت عملی کا دوبارہ آغاز کیا اور سندھ میں اپنے مقابل کھڑی ہونے والی واحد سیاسی طاقت یعنی پیر پگارا کو ختم کرنے کے لئے ایوب خان کی طرح یحییٰ خان کے بھی کان بھرنا شروع کئے۔ پیر صاحب پگارا کو بھی بھٹو کی ان "کارروائیوں" کی اطلاع ملتی رہی اور یوں دونوں طرف دلوں میں گرہیں پڑنا شروع ہوئیں۔ بھٹو سانگھڑ میں جلسہ کرنے گئے اور ان پر قاتلانہ حملہ ہوا تو بھٹو کے دل میں چھپے ہوئے چور نے اسے پیر صاحب کی "جوابی کارروائی" سمجھا' جام صادق علی نے جو اس وقت پیر صاحب کے نفس ناطقہ تھے' اس حملہ سے پیر صاحب کی برات کا اظہار کرنے کے لئے پریس کانفرنس بھی کی' مگر بھٹو اس بات کو کبھی نہ بھول سکے۔ انہوں نے اقتدار میں آتے ہی پیر صاحب کو فون کیا اور دھمکی آمیز لہجہ میں یہ چتاونی دی کہ اب وہ ان سے نمٹ لیں گے۔ پیر صاحب نے جواباً صرف اتنا کہا کہ "بابا ہم تم سے پہلوں کو دیکھ چکے' تمہیں بھی دیکھ لیں گے"

اس کے بعد بھٹو کی طرف سے پیر صاحب پر مختلف النوع حملوں کا آغاز ہوا مقدمات' نظر بندی اور اس طرح کی دیگر کارروائیوں کے ذریعے پیر صاحب کو ڈرا دھمکا کر زیر دام لانے کی ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیر صاحب نے بھی جواباً سخت رویہ اختیار کر لیا اور عدالت میں بھٹو کے خلاف مقدمہ داغ دیا۔

سیاسی میدان میں بھٹو کا مقابلہ کرنے کے لئے پیر صاحب نے متحدہ جمہوری محاذ کی داغ بیل ڈالی اور دانندگان راز کو بخوبی علم ہے کہ متحدہ جمہوری محاذ کے قیام کا منصوبہ اول اول پیر صاحب ہی کے گھر پر بنایا گیا تھا۔ اس کے بعد پیر صاحب مسلم لیگ کے صدر بنے تو گویا باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ بھٹو نے ہر ممکن حربہ سے پیر صاحب پر دباؤ بڑھایا اور انہیں بھی مخدوم طالب المولیٰ بنانے کی پوری کوشش کی مگر پیر صاحب کا عالم وہی تھا' جس کی طرف حالی نے اپنے ایک شعر میں اشارہ کیا ہے یعنی ۔

تعزیر جرم عشق ہے بے صرفہ محتسب
بڑھتا ہے ذوق جرم یہاں ہر سزا کے بعد

انہی دنوں پاکستان قومی اتحاد بن گیا' بھٹو کے خلاف تحریک چلی اور وہی بھٹو جو پیر صاحب کو فون پر نمٹ لینے کی دھمکی دے چکے تھے اس امر پر مجبور ہو گئے کہ خود چل کر پیر صاحب کے پاس جائیں۔ ۳۰ اپریل ۱۹۷۷ء کو راولپنڈی کے انٹر کانٹی نینٹل میں ہونے والی اس ملاقات میں بھٹو نے پیر صاحب کو تمام پرانی باتیں یاد کرائیں یہاں تک کہا کہ

"آپ ہی مجھے اس میدان میں لائے تھے مگر میں بھٹک گیا' اب مجھے راستہ دکھایئے"

پیر صاحب نے جواب دیا۔ "راستے تو سارے آپ نے خود بند کر دیئے۔ اب صرف ایک ہی راستہ ہے۔ پی این اے والوں سے مذاکرات کیجئے ورنہ آپ کی حکومت نہیں رہے گی"۔

بھٹو نے اگلے ہی روز پی این اے والوں کو خط لکھا کہ پیر صاحب کے کہنے پر میں آپ سے مذاکرات پر آمادہ ہوں۔ مذاکرات ہوئے بھی مگر بیل منڈھے نہ چڑھ سکی اور مارشل لا آ گیا۔

اقتدار سے نکلنے کے بعد بھٹو نے جب لاہور میں اپنا استقبال دیکھا تو ایک بار پھر انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ

وہ زیادہ سے زیادہ تین ماہ بعد دوبارہ وزیر اعظم بننے والے ہیں۔ اناولا غیری کے اس دوسرے دورے میں انہوں نے ایک بار پھر پیر صاحب کے بارے میں اناپ شناپ باتیں شروع کر دیں۔ پیر صاحب نے لاڑکانہ کی نشست سے بھٹو کامقابلہ کرنے کا اعلان کیاتو بھٹو نے اپنے جوابی بیان میں کہا' "میرے خلاف الیکشن لڑنے والا سندھی کا بچہ نہیں ہو سکتا۔" اس موقع پر سندھو دیش کے "بابا" جی ایم سید نے کہا کہ بھٹو نے ہمیشہ سندھیوں کے مفاد سے روگردانی کی ہے اور وہ خود سندھی کی اولاد نہیں۔

جنرل ضیاء الحق نے انتخابات ملتوی کر دیئے اور انتخاب سے پہلے احتساب کا عمل شروع کیاتو بھٹو کے حصے میں پھانسی کا پھندا آیا اور پیر پگارا کے ایک مرد حر محمد خان جونیجو ملک کے وزیر اعظم بن گئے۔ اس دوران میں پیر صاحب کا جو رویہ رہا' وہ چونکہ خود ان کے انٹرویو میں تفصیل سے موجود ہے' اس لئے اس باب میں اس کا دہرانا تحصیل حاصل ہو گا۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ پیر صاحب نے بھٹو کے معاملے میں یہ بات ثابت کر دی کہ وہ جہاں دوستوں کے دوست ہیں' وہاں دشمنوں کے دشمن بھی ہیں' اور یہ کہ درمیان کا راستہ ان کے یہاں ہے ہی نہیں...... بھٹو نے ان کے ساتھ "دشمنی" کی جو طرح ڈالی تھی' پیر صاحب نے اس کی مقتضیات کو تمام تر جزئیات کے ساتھ بکمال و تمام پورا کیا اور جب پی این اے کے لیڈر بھی بھٹو کے لئے رحم کی اپیلوں تک آ چکے تھے۔ پیر صاحب نے یہی کہا کہ "بھیڑیئے پر رحم کرنا' بھیڑوں پر ظلم کے مترادف ہے۔ اس سے جتنی جلد نجات پالی جائے' بہتر ہے"



غداری کاالزام

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ خیرپور کانوٹس

از دفتر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ خیرپور نمبر ۲۷۶/۷۲ پی اے
۱۲ستمبر دسٹرکٹ مجسٹریٹ خیرپور
بنام...... سید شاہ مردان شاہ پیرپگارا پیرجوگوٹھ ضلع خیرپور

زیر دستخطی کے پاس اس بات کا یقین کرنے کے لئے قابل اعتماد اطلاعات موجود ہیں کہ آپ نے اپنے نمائندے ' ساتھی اور مرید مسٹر سید ظفر شاہ ایم پی اے ضلع نواب شاہ کو نام نہاد بنگلہ دیش کے وزیراعظم شیخ مجیب الرحمٰن سے ملاقات کے لئے لندن اور جنیوا بھیجا تاکہ وہ آپ کی طرف سے اسے (شیخ مجیب الرحمٰن کو) پاکستان توڑنے کے مستقبل کے منصوبوں کے بارے میں مکمل تعاون کا یقین دلاسکے۔ آپ کے ایماء پر سید ظفر شاہ کی یہ غدارانہ سرگرمیاں جن کے لئے سرمایہ آپ نے فراہم کیا اور پشت پناہی کی تاکہ مستقبل میں پاکستان کو توڑنے کا منصوبہ بنایا جاسکے اس بات کی واضح نشاندہی کرتی ہیں کہ آپ پاکستان کی سالمیت اور استحکام کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ یہ پاکستان کی سلامتی ' عوامی تحفظ اور دفاع کے لئے ایک واضح اور کھلا چیلنج ہے۔ اور لندن پلان کی تیاری میں آپ نے جو حصہ لیا ہے اور جس طرح اس کی پوری اور مکمل حمایت کی ہے تاکہ ایک آئینی اور جمہوری حکومت کو دہشت زدہ کیا جاسکے وہ قومی مفاد ' تحفظ اور پاکستان کی سلامتی کے لئے ضرر رساں ہے۔

پاکستان کے دفاع ' عوامی تحفظ اور سلامتی کے لئے آپ کو حکم دیا جاتا ہے کہ آپ وجہ بیان کریں کہ کیوں نہ آپ کے خلاف ڈیفنس آف پاکستان رُولز مجریہ ۱۹۷۱ء کی دفعہ ۳۲ ' جسے ڈیفنس آف پاکستان آرڈیننس ۱۹۷۱ء کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے اور تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۱۲۴ الف کے تحت کارروائی کی جائے۔ آپ اس نوٹس کی وصولی کے ۷ دن کے اندر اپنے جواب سے آگاہ کریں۔

(فتح محمد اے میمن) پی سی ایس
ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ' خیرپور

(انگریزی نوٹس کی نقل ضمیمہ جات میں ملاحظہ فرمائیں)

پیر صاحب کا جواب

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ خیرپور کے نام

بطرف مسٹر فتح محمد پی سی ایس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ خیرپور

بحوالہ آپ کے مراسلہ نمبر پی اے ۷۶/۴ /۲/ ۷۷ مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۷۲ء جو مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۷۶ء کو موصول ہوا

آپ کے مراسلہ کے جواب میں جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے اور جس میں مجھ پر نام نہاد لندن پلان میں ملوث ہونے کا الزام عائد کیا گیا ہے۔

آپ کی اطلاعات مکمل طور پر غلط اور گمراہ کن ہیں۔ آپ کا تعلق نواب شاہ کے ایک گاؤں سے ہے جو "دار بیلو" سے کچھ ہی فاصلے پر ہے جہاں مسٹر ظفر شاہ ایم پی اے رہائش پذیر ہے اور آپ کو لازماً اس حقیقت کا علم ہو گا کہ ظفر شاہ ایم پی اے یا اس کے آباء نہ تو کبھی پہلے اور نہ ہی اب اس خانقاہ کے مرید رہے ہیں جس کا میں نمائندہ ہوں۔ ضلع نواب شاہ کے سید تقسیم ہند سے بھی پہلے سے جی ایم سید گروپ سے تعلق رکھتے ہیں اور مسٹر ظفر شاہ بھی صرف جی ایم سید ہی کا ساتھی ہو سکتا ہے، جو "داہرازم" اور بھارت کے آشیرواد سے ———— "سندھو دیش" پر یقین رکھتا ہے، یہ بات سب جانتے ہیں کہ حال ہی میں اس نے انگلستان روانہ ہونے سے قبل جی ایم سید کے ہمراہ سندھ کے مختلف حصوں کا دورہ کیا تھا۔ ایسا شخص کس طرح میرا ساتھی ہو سکتا ہے۔ جبکہ میں اسے کہیں بھی اپنی نمائندگی کے لئے مناسب آدمی نہیں سمجھتا۔ اندریں حالات میری طرف سے اس کی مالی امداد یا پشت پناہی یا میرے ایماء پر شیخ مجیب الرحمٰن سے بات چیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

میں اس منصوبہ کا مصنف کس طرح ہو سکتا ہوں جسے میں جانتا تک نہیں۔ میں ایسے کسی منصوبے سے تعلق نہیں رکھ سکتا جس کا کسی بھی طرح پاکستان توڑنے سے تعلق ہو۔ سندھ صرف ایک صوبہ ہے اور میں اسے پاکستان کے ساتھ رکھنے کو ترجیح دوں گا۔

جہاں تک پاکستان کی سالمیت، استحکام، عوامی تحفظ، سلامتی اور دفاع پاکستان سے متعلق الزامات کا تعلق ہے پاکستان کے لوگوں نے جو نظریہ پاکستان اور تمام مسلمانوں کے باہمی بقا پر یقین رکھتے ہیں خطوط، ٹیلی گراموں اور پریس کالموں کے ذریعے پاک بھارت جنگ اور لسانی فسادات کے دوران میرا شکریہ ادا کیا۔ اگر پبلک لائبریری تک جا کر یہ ریکارڈ نہ دیکھیں تو بھی آپ کے لئے یہی کافی ہے کہ حکومت کے محکمہ اطلاعات نے کبھی اس کی تردید نہیں کی۔ اس لئے اس سلسلہ میں آپ کی تمام اطلاعات غلط، خود ساختہ اور میرے اوپر کیچڑ اچھالنے کے سوا کچھ نہیں۔ یہ صرف موجودہ حکومت ہی ہے جس کی آپ نمائندگی کر رہے ہیں اور جس نے میری خدمات پر

مجھے شکریئے کاایک خط تک نہیں لکھااور اب آپ کے مذکورہ مراسلے کے ذریعے گویامیری ان تمام خدمات کا شکریہ اداکیاجارہاہے۔ ڈیفنس آف پاکستان رولز مجریہ ۱۹۷۱ء کی دفعہ ۳۲ اور تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۱۲۴اے کے تحت کارروائی پر مجھے اس کے علاوہ کچھ نہیں کہنا کہ آپ جناب صدر کوان کی میرے ساتھ ٹیلی فون پر ہونے والی بات چیت یاد کرادیجئے جو کچھ عرصہ پہلے ہوئی اور انہوں نے مجھے کہاتھا "میں ایوب یایحییٰ نہیں ہوں بلکہ میں زیڈاے بھٹوہوں اور مجھے علم ہے کہ مارشل لاکس طرح استعمال کیاجاتاہے اور آپ کے خلاف مارشل لاپوری قوت سے استعمال کیاجائے گا"

میں اسی وقت سے اس بات کاانتظار کر رہاہوں اور اسے خداکی منشاسمجھتاہوں جس پر مجھے کوئی افسوس نہیں ہماری ملاقات احاطہ عدالت میں ہوگی

شاہ مردان شاہ ثانی
پیرپگارا ہفتم ہلال پاکستان

مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۷۲ء

پیرصاحب کے جواب کی رسید

سید شاہ مردان شاہ ثانی پیرپگارا ہفتم کی طرف سے فتح محمد میمن پی سی ایس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ خیرپور کے نام دیا گیاجواب وصول پایا

مُہر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ خیرپور

(اصل انگریزی خط ضمیمہ جات میں ملاحظہ فرمائیں)

ذوالفقار علی بھٹو کا خط



پرائم منسٹر ہاؤس راولپنڈی

۲ مئی ۱۹۷۷ء

ڈیر مفتی صاحب

۷ مارچ کو قومی اسمبلی کے انتخابات کے بعد سے سیاسی تعطل کو ختم کرنے کے لئے میں وقتاً فوقتاً مختلف تجاویز پیش کرتا رہا ہوں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اب وقت آ گیا ہے کہ پاکستان قومی اتحاد میری حکومت اور جماعت کے سامنے اپنی تجاویز پیش کرے تاکہ ہم اپنے سیاسی مسائل کے حل کے لئے مذاکرات شروع کر سکیں۔

۳۰ اپریل کو پیر صاحب پگارا نے مجھ سے کہا تھا کہ پاکستانی قومی اتحاد کو مشورے کے لئے کچھ سرکردہ وکلاء یا سابق ججوں کی خدمات فراہم کی جائیں ہماری رائے میں درپیش مسائل سیاسی ہیں۔ تاہم اس درخواست کے پیش نظر میں نے اس معاملے پر مزید غور کیا اور آپ کو اپنا تعاون پیش کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے لئے بہتر ہوگا کہ آپ اپنی پسند کے وکلاء یا سابق ججوں کے ناموں سے آگاہ کریں تاکہ آپ سے ان کی ملاقات کا بندوبست کیا جا سکے۔

آپ کا مخلص
ذوالفقار علی بھٹو

مولانا مفتی محمود صاحب صدر پاکستان قومی اتحاد سہالہ
نقل برائے پیر صاحب پگارا
قائمقام صدر پاکستان قومی اتحاد راولپنڈی

ضیاء پگارا معاملات

صدر ضیاء الحق اور پیر صاحب پگارا کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ ملکی سیاست میں ایک دوسرے کے لئے "نہلے پر دہلا" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس طرح صدر صاحب کی مسکراہٹ کو ان کی حتمی پالیسی قرار نہیں دیا جا سکتا' اسی طرح پیر صاحب کی ملاقاتوں سے بھی یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ وہ اپنی اصل پالیسی پر کہاں تک سمجھوتہ کے لئے آمادہ ہیں۔ پیر صاحب کا کہنا ہے کہ صدر صاحب کی مسکراہٹ محض اخلاقی ہے' باقی ہوتا وہی ہے جو "میٹر آف پالیسی" ہو' اور صدر صاحب بھی پیر صاحب سے بار بار ملنے کے بعد شروع شروع میں یہی سمجھتے رہے کہ ان ملاقاتوں کے نتیجے میں پیر صاحب ان کے ساتھ ان کی مرضی کے مطابق چل سکتے ہیں۔ یہ سلسلہ ۱۹۷۹ء تک چلتا رہا۔ تا آنکہ پیر صاحب نے ۹ جون ۱۹۸۰ء کو صدر صاحب کے نام اپنا وہ تاریخی خط لکھا جسے بعد میں مسلم لیگ اور پی این اے نے بھی اپنالیا۔

دراصل پیر صاحب کا معاملہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی شخصیت کے جو مختلف خانے بنا رکھے ہیں' ان میں ذاتی تعلقات کو سیاسی معلات سے بہت دور رکھا ہے۔ اپریل ۱۹۷۷ء میں جب بھٹو ان سے ملنے آئے تو انہیں بھی یہی غلط فہمی تھی کہ وہ ذاتی تعلقات کی تجدید سے پیر صاحب کا سیاسی موقف تبدیل کرلیں گے۔ ۱۹۸۰ء تک صدر مملکت بھی اسی مغالطے میں رہے۔ اس کے بعد پیر صاحب کے ساتھ ان کے تعلقات' "بزنس لائک" ہو گئے۔ اب وہ جب بھی ملتے ہیں' پیر صاحب ہی کے بقول' محض "کام کی بات" ہوتی ہے۔ اور "کام" کی انہی باتوں کا نتیجہ ہے کہ پیر صاحب کی پارٹی جسے ۱۹۷۸ء میں پیر صاحب کے خلاف تحریک عدم اعتماد کے ذریعے کمزور کرنے کی اپنی سی کوشش کی گئی تھی' اب ایوان اقتدار میں بیٹھی ہے۔

۲۔ نومبر ۱۹۷۸ء کو جب لاہور کی ڈیوس روڈ پر واقع مسلم لیگ کا دفتر پارٹی کے متحارب دھڑوں کی جنگاہ بنا ہوا تھا' غلام دستگیر خان اور چودھری ظہور الٰہی مرحوم کے باڈی گارڈوں نے کراچی کے ایک کونسلر کی پٹائی کر دی۔ اس روز پیر صاحب کے ساتھیوں نے انہیں پہلی بار شدید غصہ کے عالم میں دیکھا۔ انہوں نے باہر لان میں کھڑے ایک فوجی عہدیدار کو اپنے پاس بلا کر کہا' "اُس" سے کہو' ان کو کیوں مروانا چاہتا ہے۔ آنا ہے تو خود سامنے آئے"۔ پیر صاحب کی یہ بات سنتے ہی وہ فوجی عہدیدار اپنی جیپ میں بیٹھ کر یہ جاوہ جا۔ تھوڑی دیر بعد ڈیوس روڈ کے فون کی گھنٹی بجی' مرحوم چودھری ظہور الٰہی کے لئے کال تھی۔

انہوں نے فون سنا اور جواب دیا۔

"ٹھیک ہے سر' ٹھیک ہے.......... آپ فکر نہ کریں..... نہیں نہیں' ایسی کوئی بات نہیں..... جناب آپ موقع تو دیں..... تعمیل ہوگی..... ٹھیک ہو جائے گا..... میں ٹھیک کر لوں گا"۔

اس کے بعد "انقلابی گروپ" نے علیٰحدہ ہو کر صلاح مشورے شروع کر دئے اور اگلی صبح پیر صاحب کے خلاف تحریک عدم اعتماد واپس لے لی گئی۔

پیر صاحب نے اس کتاب کے لئے اپنے انٹرویو میں کہا ہے' "جنرل صاحب میرے ساتھ ڈھکی چھپی واردات کرتے ہیں' جبکہ میں زبانی جمع خرچ کرتا ہوں" مگر اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ "جنرل صاحب نے مجھے بہت برداشت کیا اور یہ بڑے حوصلے کی بات ہے"۔

ایک بار پیر صاحب نے کہا کہ جنرل صاحب کو کوئی انشورنس کمپنی انشور کرنے کے لئے تیار نہیں" اس بیان کی اشاعت سے کچھ روز بعد پیر صاحب کی چھپن ویں سالگرہ تھی۔ اسلام آباد ائیرپورٹ پر قومی اسمبلی کے ایک رکن کنور قطب الدین' جو پیر صاحب کی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے' صدر مملکت سے ملے صدر صاحب نے مسکراتے ہوئے پوچھا'

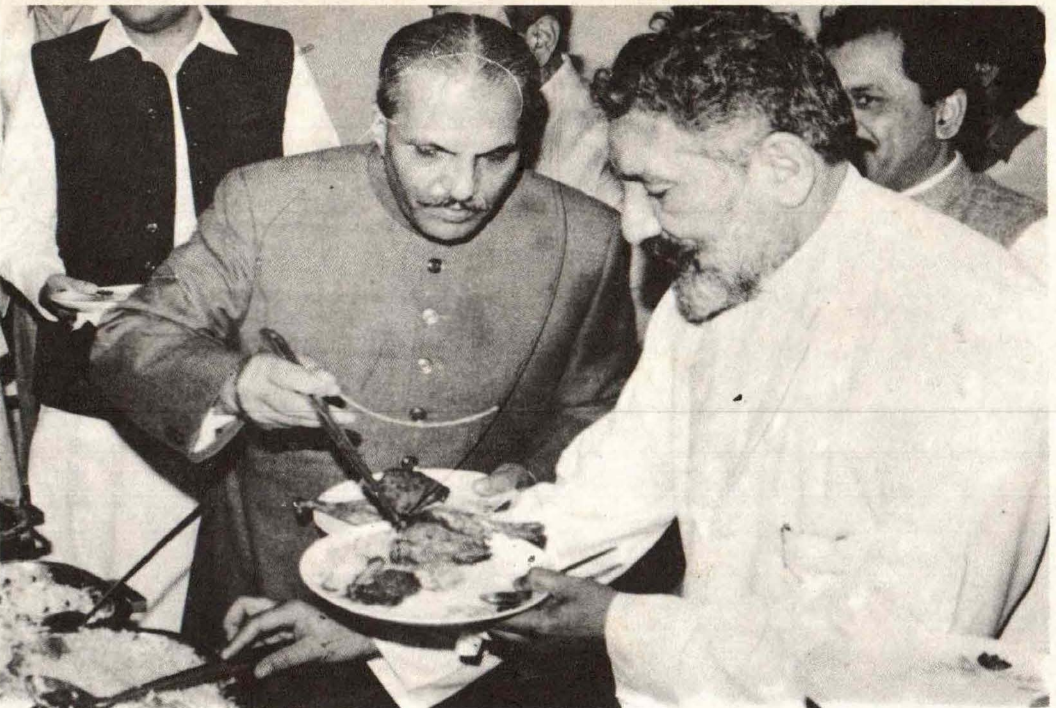
" آپ پیر صاحب کی سالگرہ پر جائیں گے؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو صدر صاحب نے استفسار کیا کہ اس موقع پر کیک کتنے پاؤنڈ کا ہوگا؟" کنور صاحب نے بتایا کہ یہ کیک چھپن کلو کا ہوگا۔ صدر صاحب نے ہنستے ہوئے کہا" آپ ایسا کریں کہ اب کی بار چار کلو میری طرف سے ڈال کر ساٹھ کلو پورے کر لیں"۔

کنور قطب الدین صدر صاحب کا اشارہ سمجھ گئے' مسکراتے ہوئے کہنے لگے' "گویا آپ ہمارے پیر صاحب کو ریٹائر کرنا چاہتے ہیں؟" صدر صاحب نے قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا' "وہ بھی تو میرے بارے میں انشورنس کمپنی والی بات کر چکے ہیں" شروع میں تو ان دونوں زعماء کے درمیان قدر مشترک وہی تھی' جس کا ذکر ایک شاعر نے کیا ہے کہ

اپنے اپنے بے وفاؤں نے ہمیں یکجا کیا
ورنہ میں تیرا نہیں تھا اور تو میرا نہ تھا

مگر بھٹو کی پھانسی کے بعد بھی شاید پورے ملکی منظر نامے میں انہی دونوں شخصیات کا اتحاد نسبتاً زیادہ فطری تھا۔ پھر جی ایچ کیو کے حوالے سے پیر صاحب جو بات کرتے ہیں (اور جس کا ایک علیٰحدہ باب میں تجزیہ کیا جا رہا ہے) وہ بھی ایک اہم حیثیت کی حامل تھی۔ غرض پیر صاحب اور صدر مملکت ایک دوسرے کے ساتھ جتنی بھی چھیڑ چھاڑ کریں' یہ حقیقت اپنی جگہ پر قائم ہے کہ ہر مشکل مرحلہ پر انہی دونوں کا آپس میں "فطری اتحاد" بھی بنتا ہے اور شدید تناؤ کے دنوں میں بھی جانبین میں سے کسی نہ کسی کا کوئی دوست یا بقول پیر صاحب واسطہ دار ڈیڈلاک کی کیفیت ختم کر کے ان دونوں شخصیات کو ایک ہی میز پر لا بٹھاتا ہے۔

⊙•⊙•⊙•⊙•⊙•⊙•⊙•⊙



"شیئر آف پاور" ایک تقریب میں صدر ضیاء الحق مرغے کی ایک ٹانگ پیر صاحب کی پلیٹ میں ڈال رہے ہیں

پیر صاحب کا خط

جنرل ضیاءالحق کے نام



"کنگری"

اے ون کے ڈی اے سکیم نمبر ا

ڈرگ روڈ ایریا

کراچی

۹ جون ۱۹۸۰ء

ڈیئر مسٹر پریذیڈنٹ

آپ کو اقتدار میں آئے اب تقریباً تین سال ہو چکے ہیں۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو اقتدار سنبھالتے وقت آپ نے آئینی اور جمہوری حکومت کی بحالی کو اپنے اہم ترین مقاصد میں سے ایک قرار دیا تھا۔ لیکن یہ مقصد ایک کے بعد دوسری وجوہ کی بنا پر پس منظر میں جاتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ آپ نے آخر کار تمام سیاسی سرگرمیوں اور سیاسی جماعتوں پر پابندی لگانے کے بعد مارشل لا کے سہارے حکومت کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپ نے یہ بھی مناسب جانا کہ پریس پر سنسر شپ عائد کر دی جائے۔ تب آپ نے بھی ایک ایسے ہی خود مختارانہ اور چونکا دینے والے اقدام کے ذریعے جس کا مظاہرہ ایک رومن شہنشاہ نے اپنے گھوڑے کو سینیٹر مقرر کر کے کیا تھا پینل کوڈ میں ترمیم کر دی۔ اور ازالہ

حیثیت عرفی کے حوالے سے ایک ایسا قانون نافذ کر دیا جس سے عوامی رائے بے وقعت ہو کر رہ گئی۔

مزید براں آپ نے آئین میں دفعہ ۲۱۲/اے کا اضافہ کر کے ترمیم کی تاکہ عدالتوں کے اختیارات سلب کئے جاسکیں اور آخر کار آپ نے آئینی ترمیمی حکم ۱۹۸۰ء نافذ کر کے اعلیٰ عدالتوں کے اختیارات کم کر دیئے۔ ان تمام اقدامات کے عوام پر جو اثرات مرتب ہوئے انہیں کسی بھی طرح آپ کی انتظامیہ کے حق میں قرار نہیں دیا جاسکتا۔

پریس پر سنسر شپ عائد کرنے سے موجودہ اعتماد میں مزید شگاف پیدا ہوا۔ مسلم لیگ سمیت، سیاسی جماعتوں اور سرگرمیوں پر پابندی، اس کے ساتھ ہتک عزت کے مقدمات کے بارے میں اوپر مذکورہ پینل کوڈ میں ترمیم کی انوکھی جدت، اور عدالتوں کے اختیارات کو محدود کرنا، ایسے اقدامات ہیں جن سے وسیع پیمانے پر خوف و ہراس پھیلا ہے۔ یہ تمام اقدامات جو اہم طریقوں سے کئے گئے ہیں ان سے شہریوں کے بنیادی حقوق متاثر ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ سیاسی جماعتوں پر پابندی اور پریس پر سنسر شپ نے حکمرانوں اور عوام میں رابطے کو تباہ کر دیا ہے۔ عوامی مشکلات اور احساسات حکومت اور پالیسی بنانے والوں تک نہیں پہنچ پاتے جبکہ حکومت کا نقطہ نظر سرکاری بیانات کا مرہون منت رہ جاتا ہے جو کہ شاید ہی کسی کو اپنی جانب متوجہ کر پاتا ہو اور شاید ہی کوئی اس پر اعتبار کرتا ہو۔ اس طرح لاوا اندر ہی اندر ابل رہا ہے۔ افواہوں کی گرم بازاری ہے۔ جہاں کھلے عام بحث و مباحثہ نہ ہو وہاں زیر زمین سرگرمیاں بڑھتی ہیں اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ صرف پاکستان مخالف نظریات اور ملک دشمن عناصر ہی موجودہ صورت حال سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ لوگوں میں یہ تاثر بھی پھیل رہا ہے کہ آپ صوبائی کونسلوں کے موجودہ انتظام کو، جن میں بعد ازاں وفاقی کونسل کا اضافہ بھی شامل ہے، سیاسی جماعتوں، پارلیمینٹ، صوبائی اسمبلیوں اور پارلیمانی جمہوریت کے دوسرے اجزا کا متبادل بنانا چاہتے ہیں اور اپنے ذاتی خیالات پر مبنی جمہوریت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ تمام کام صرف قوم کے استحکام بلکہ بقا کے لئے خطرہ نہیں؟

لوگوں کا مورال پست تر اور بے اطمینانی عروج پر ہے۔ عوامی شکایات جائز طریقے سے حل ہونے کے راستے بند ہونے کی وجہ سے لوگوں کی جھنجلاہٹ بڑھ رہی ہے اور وہ اپنی بے اطمینانی کے کھلے اظہار کے لئے، جواب دینے سے محروم ہونے کے باوصف سفاک، غیر ہمدرد اہلکاروں پر مبنی انتظامی مشینری کو ملزم قرار دے رہے ہیں۔

موجودہ غیر یقینی صورت حال نے تجارت، حرفت اور تاجر طبقے کے اعتماد کو بری طرح متاثر کیا ہے، بدعنوانی کی شکایات عام ہیں۔ ہر شعبہ میں نا اہلی عام ہے۔ سب سے بڑھ کر، پیچھے کی طرف لے جانے والے اقدامات ہیں جن کی مثال سیاسی جماعتوں اور سرگرمیوں پر پابندی، پریس سنسر شپ اور پینل کوڈ میں ترمیم وغیرہ سے دی جا سکتی ہے آخری دو اقدامات کا مطلب عام طور پر یہ لیا جارہا ہے کہ یہ اقدامات انتظامیہ میں موجود بااثر اور اعلیٰ مقامات پر فائز افراد کے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کے لئے کئے گئے ہیں) آئینی ترامیم کے ذریعے عدالتوں کے دائرہ کار کو

محدود کرنا بھی انہی اقدامات میں شامل ہے جنہوں نے ہمیں پوری جمہوری دنیا کے سامنے ایک مضحکہ خیز چیز بنا کر رکھ دیا ہے۔ اور ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ ہم اس چیز کے حق دار نہیں ہیں کہ ہمیں ایک مہذب قوم کہا جائے۔ جس چیز نے معاملات کو مزید خراب کیا ہے وہ یہ ہے کہ پیچھے کی طرف لے جانے والے ان اقدامات نے آپ کی انتظامیہ کو خوش فہمی میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس تمام صورت حال میں آپ کے گرد جمع بیورو کریٹس اس بات کی بہت کم تدبیر کر سکتے ہیں کہ آپ قومی حالات کا معروضی جائزہ لے سکیں کیونکہ ان میں کسی کی جڑیں یا رابطہ عوام میں نہیں ان حقائق کی روشنی میں آپ پر زور دینا چاہتا ہوں کہ مندرجہ ذیل اقدامات کی فوری ضرورت ہے تاکہ قومی انحطاط کی تیزی سے بڑھتی ہوئی صورتحال کو روکا جاسکے اور جمہوریت واپس لائی جاسکے۔

(۱) عدالتوں کے اختیارات بحال کئے جائیں اور ان ترامیم کو واپس لیا جائے جن کے تحت یہ اختیارات محدود کئے گئے ہیں۔

(۲) پریس پر سے سنسر شپ ختم کیا جائے۔

(۳) سیاسی جماعتیں بحال کی جائیں۔

(۴) چار دیواری کے اندر سیاسی سرگرمیوں کی اجازت دی جائے۔

(۵) سیاسی جماعتوں کے اراکین پر مشتمل صوبائی اور وفاقی کابینہ کی تشکیل کی جائے جسے صورت حال سے نپٹنے کا اختیار ہو اس کے علاوہ عوام کو ان کی اپنی پسند کے مطابق حکومت بنانے کا حق دینے کے لئے انتخابات کے وقت اور ان کے منصفانہ ہونے کے بارے میں ضمانتوں کا اعلان کیا جائے۔

آپ کا مخلص

شاہ مردان شاہ دوم

پیر پگارا ہفتم

برائے

جنرل محمد ضیاء الحق

صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان

اسلام آباد

(اصل انگریزی خط ضمیمہ جات میں ملاحظہ فرمائیں)

صدر جنرل محمد ضیاء الحق کا جواب

پیر پگارا کے نام



اسلامی جمہوریہ پاکستان

اسلام آباد /۲/ ۵۷

۱۲/ شعبان ۱۴۰۰ ھ

۲۶جون ۱۹۸۰ء

مائی ڈیئر پیر صاحب

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

آپ کے ۹ جون ۱۹۸۰ء کے خط کا شکریہ۔ میں کسی متنازعہ معاملہ میں الجھنا نہیں چاہتا لیکن دیانت داری سے دیکھا جائے تو آپ کے مندرجات اس بات کے متقاضی ہیں کہ ان پر بات کی جائے۔

آپ ۱۹۷۹ء کے انتخابات کے التوا کے فیصلے کو یاد کریں جو بہت ہچکچاہٹ کے بعد کیا گیا تھا اس التوا کی ذمہ داری بہر حال انہی پر ہے جو اس وقت تیار نہ تھے' درحقیقت وہ قوم کا سامنا نہیں کرنا چاہتے تھے جس کی وجوہات ناقابل فہم نہیں اور جن کے بارے میں آپ بھی آگاہ ہیں۔

جہاں تک آئین میں ترمیم کا تعلق ہے ان کی معقولیت کے بارے میں وضاحت میں قوم سے اپنے خطاب میں کر چکا ہوں آپ نے ان ترامیم پر جو اظہار رائے کیا ہے وہ ان لوگوں کے ردعمل سے میل نہیں کھاتا جنہوں نے ان ترامیم کو عوامی اور قومی مفاد میں سمجھا ہے اور حال ہی میں سندھ ہائی کورٹ کے ایک فل بنچ نے انہیں جائز قرار دیا ہے

آپ کے دعوے کے مطابق تجارت اور حرفت بری طرح متاثر ہوئی ہیں اور تاجر طبقے کا اعتماد مجروح ہوا ہے لیکن حقائق اور اعداد و شمار کے مطابق معیشت نے تمام شعبوں میں ترقی کی ہے اور اس امر کو بین الاقوامی اداروں نے بھی تسلیم کیا ہے شاید یہ بات آپ کی نظر سے نہیں گذری۔

عوام اور لوگوں کے درمیان رابطہ کا فقدان جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے نظام میں موروثی طور پر موجود ہے لیکن ۴۰ ہزار کونسلروں کی موجودگی میں جو کہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر منتخب ہوئے ہیں اور جنہیں اپنے حلقوں کے مسائل سے نمٹنے اور اپنے علاقے کی ترقی و بہتری کے لئے کام کرنے کے لئے مناسب اختیارات دیئے گئے ہیں، ایسا محسوس نہیں ہونا چاہئے۔

میں نے ۳ جون کو قوم سے خطاب کے دوران وفاقی کابینہ میں توسیع کی طرف اشارہ دیا تھا۔ میں آپ کی اس تجویز کو سراہتا ہوں کہ وفاقی اور صوبائی کابینہ میں کالعدم سیاسی جماعتوں کے اراکین کو شامل کیا جائے۔ میں نے اس سلسلے میں غور بند نہیں کیا اور عوام اور ملک کی بہتری کے لئے ہر نظریئے کو خوش آمدید کہتا ہوں — میں اس موقع پر آپ کی طرف سے اپنے خیالات اور تجاویز پیش کرنے پر آپ کا شکر گزار ہوں جو کہ میرے خیال میں آپ نے اعلیٰ تر قومی مفاد میں پیش کی ہیں۔

آپ کا مخلص
جنرل ایم ضیاء الحق

پس نوشت (اپنے قلم سے)

ہم بہت عرصہ سے نہیں ملے میں آپ کا ممنون ہوں گا اگر آئندہ قیام پنڈی کے دوران کچھ وقت نکال سکیں تا کہ ہم تبادلہ خیالات کر سکیں۔

(اصل خط انگریزی ضمیمہ جات میں ملاحظہ فرمائیں)

جی ایچ کیو سے واسطہ داری

پیر پگارا جب سے قومی سیاست کے منظر نامے پر چھائے ہیں' خاص طور سے ۱۹۷۷ء کے مارشل لا کے بعد' وہ مسلسل یہی کہتے رہے ہیں کہ میں جی ایچ کیو کے ساتھ ہوں۔ اس اجمال کی تفصیل جب بھی پوچھی گئی' پیر صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں یہی کہا کہ 'مسلم لیگ ملک کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کرتی ہے جبکہ جی ایچ کیو ملک کی جغرافیائی سرحدات کا محافظ ہے۔ اس لئے ہمارا اتحاد فطری ہے اور ہم ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہی رہتے ہیں۔

واقفان حال کا کہنا ہے کہ بات صرف اتنی نہیں بلکہ معاملہ اس سے یکسر مختلف بھی ہے اور نسبتاً آگے کا بھی اور اس کے لئے ہمیں تھوڑا سا پیچھے جانا ہوگا۔ اس دور میں جب پی این اے نیا نیا بنا تھا اور پیر صاحب کے گھر پر اس کے اجلاس ہوا کرتے تھے' انہی دنوں بعض انتہائی خفیہ معاملات کی رپورٹیں بھی حکومت کو پہنچنا شروع ہوئیں اور ایک بار یہ بھی ہوا کہ ایک اہم مسودہ کی نقل غائب ہو کر "اوپر" پہنچ گئی' حالانکہ اس کی کل چھ نقول تھیں اور یہ صرف اتحاد کے چھ بڑے بڑے لیڈروں کو دی گئی تھیں تو پیر صاحب نے معاملہ کی ٹوہ لگانا شروع کی اور انہیں یہ جان کر حیرت ہوئی کہ ان کے ساتھیوں میں سے بعض کے درمیان بھٹو کو پہلے معلومات پہنچانے کی دوڑ لگی رہتی تھی۔

پھر جب مارشل لا لگا اور بعض بڑے سیاستدانوں کے بارے میں پیر صاحب کو یہ علم ہوا کہ وہ براہ راست فوج کے سراغ رساں ادارے کے مخبر ہیں تو پیر صاحب نے ان لوگوں کو چھیڑنے کے لئے تعریضی انداز میں یہ کہنا شروع کیا کہ "ہم تو جی ایچ کیو کے واسطہ دار ہیں"۔ پیر صاحب کا یہ طنزیہ جملہ آہستہ آہستہ سنجیدہ رخ اختیار کرتا گیا اور یار لوگوں نے اسے مختلف معانی پہنانا شروع کر دیئے۔

اس سلسلے میں نسبتاً قرین قیاس توضیح یہی تھی کہ پیر صاحب کے مرید چونکہ باقاعدہ طور پر پاک فوج کی معاونت کرتے اور ان کی حر رضا کار فورس کے علاوہ حر کمانڈروں نے مختلف مقامات پر فوج کی بھرپور امداد بھی کی ہے اس لئے پیر صاحب خود کو جی ایچ کیو کا آدمی قرار دیتے ہیں' پیر صاحب کی توجہ جب اس جانب مبذول کروائی گئی تو انہوں نے اپنے روایتی قہقہہ کے ساتھ کہا اچھا ہے 'لوگوں کو کسی نہ کسی قیاس آرائی میں مشغول رہنا چاہئے۔ آخر انہیں بھی تو کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہے۔ پھر نسبتاً دھیمے لہجے میں بتایا کہ حر کمانڈر اور رضا کار فورس باقاعدہ طور پر فوج کا حصہ ہیں اور یہ سلسلہ شروع ہی سے چل رہا ہے 'مگر اس کا میرے اس بیان سے کوئی تعلق نہیں۔ پیر صاحب کے بقول 'ان کے حر مجاہدین ملک کی سلامتی اور اس کے تحفظ کی خاطر جو قربانیاں دے رہے ہیں' وہ تاریخ اور ریکارڈ کا حصہ ہیں جو کبھی نہ کبھی خود بخود ظاہر ہو گا۔ اور لوگوں کو تفصیلات کا علم ہو جائے گا۔

بہرحال پیر صاحب کے ایک انتہائی قریبی دوست کے بقول۔

"اس بات کا فیصلہ تاریخ کرے گی کہ جی ایچ کیو کی مخبری کرنے والوں کو کیا ملا اور جی ایچ کیو کے ساتھ اقتدار میں شراکت کرنے والے کیا کچھ حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے"۔

رہے پیر صاحب' تو وہ یہی کہتے ہیں کہ بھئی ہم سے تو جی ایچ کیو کی واسطہ داری ہے اس لئے کہ مسلم لیگ اور جی ایچ کیو کا اتحاد ایک فطری اتحاد ہے۔



باپ' بیٹا' روح القدس

انجام کیا ہو گا؟

جونیجو حکومت کے قیام اور اپنے استحکام کے لئے اس حکومت کی در پردہ وظاہر کوششوں کے حوالے سے ملک میں جن تین افراد کو خصوصی اہمیت حاصل ہوئی اور اس تثلیث نے ملک کے اہم ترین فیصلوں میں جو کردار ادا کیا' وہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں...... یہ "تثلیث" صدر ضیاء الحق' وزیر اعظم جونیجو اور پیر صاحب پگارا پر مشتمل ہے۔

صدر ضیاء الحق اور وزیر اعظم جونیجو کے درمیان تعلقات کے حوالے سے مختلف مواقع پر جو کہانیاں بنتی اور ہوا میں تحلیل ہوتی رہی ہیں' ان میں پیر صاحب پگارا کا کردار "مقیاس تعلقات" کا ہے۔ انہوں نے شروع دن ہی سے سویلین وزیر اعظم اور ان کے ساتھ قائم ہونے والے جمہوری نظام کے لئے ایک مضبوط و مستحکم اور مشکل مواقع پر تحفظ فراہم کرنے والی چھتری کا کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا' اور واقعہ یہ ہے کہ ہر کڑے اور اڑے موسم میں اس چھتری نے وزیر اعظم اور ان کے سویلین رفقا کو حالات کی سختیوں سے بچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ جب بھی وزیر اعظم یا ان کے ساتھ قائم ہونے والے جمہوری نظام کو ناکام بنانے کی کوئی کوشش کی گئی' پیر صاحب پگارا نے اپنے مخصوص' ہلکے پھلکے انداز میں درست مقام پر' درست طریقے سے' ایسا نشانہ لگایا کہ سازش کے غبارے سے ہوا نکلتی چلی گئی۔ اس حوالے سے انہوں نے ہر اس شخص یا ادارے کو ہدف بنایا جس نے جمہوری نظام کو بوجوہ ناکام بنانے یا اس کی راہ میں آنے کی کوشش کی۔ صدر مملکت سے ان کی چھیڑ چھاڑ ہو یا بیورو کریسی پر ان کی تنقید' پنجاب کے وزیر اعلیٰ پر ترک تازی ہو یا شریعت بل کا شاخسانہ' پیر صاحب کے تمام اقدامات اور بیانات کا واحد مقصد موجودہ سویلین نظام کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنانا تھا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے روایتی دیومالائی بزرگوں کی طرح اس جمہوری نظام کی بہت سی بلائیں خود اپنے سر لے کر اس نظام کو ہر قسم کی ممکنہ گزند سے بچائے رکھا۔

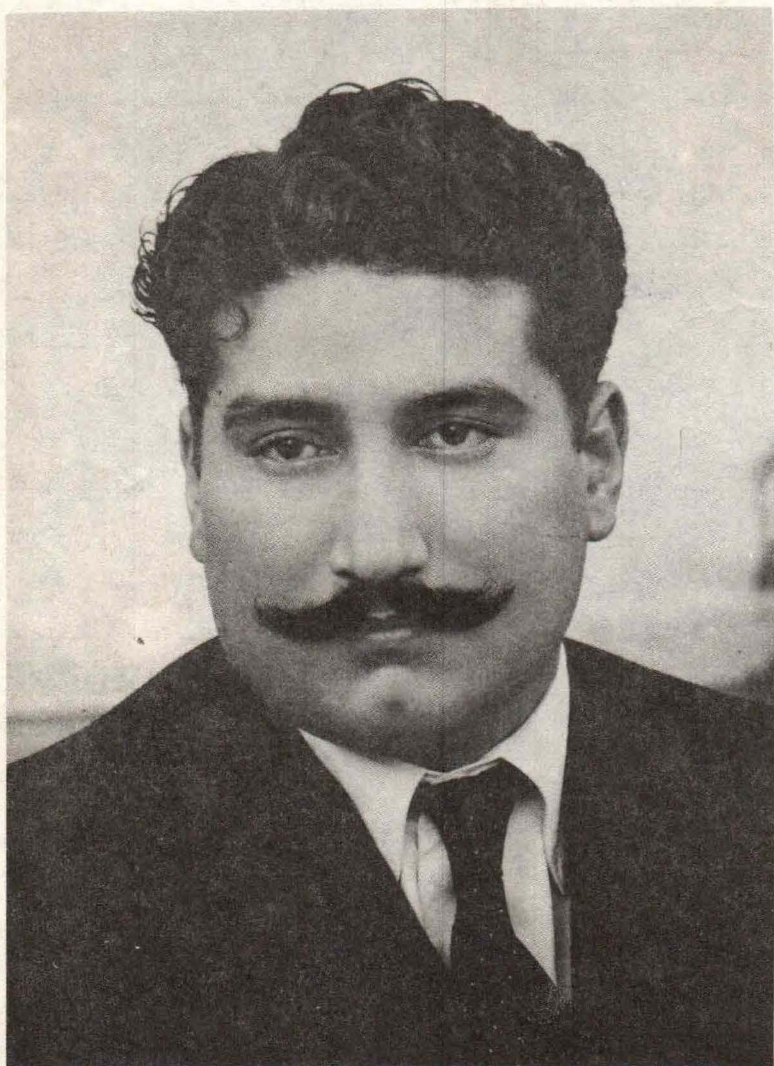
سویلین حکومت کے خلاف ہونے والی سازشوں کے حوالے سے پیر صاحب نے ایک نئی سیاسی ترکیب وضع کی اور وہ تھی' "بلے چوہے کا کھیل"۔

یہ ترکیب انہوں نے پہلے پہل اس وقت استعمال کی جب وزیر اعظم اور ان کے بعض رفقا کے حوالے سے قومی اسمبلی میں یہ آئینی سوال اٹھایا گیا کہ وہ ایک غیر رجسٹرڈ سیاسی جماعت کے رکن بن کر قومی اسمبلی کی رکنیت سے محروم ہو چکے ہیں۔ تب پیر صاحب نے اس معاملے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ملک میں بلے اور چوہے کا کھیل شروع ہو چکا ہے۔ اس کے بعد وہ مختلف مواقع پر اس کھیل کے ادوار (راؤنڈز) کا تذکرہ و تعین کرتے رہے' اور

جب اس وقت کے سپیکر سید فخر امام نے وزیر اعظم کے خلاف نا اہلی کا ریفرنس الیکشن کمیشن کو ارسال کیا تو پیر صاحب نے اسے بھی "بلے کی میاؤں" قرار دیا۔ ان دنوں عامتہ الناس خاص طور سے اخبار نویسوں کی ہمدردیاں سپیکر سید فخر امام کے ساتھ تھیں۔ پیر صاحب سے گفتگو ہوئی تو میں نے ان سے بھی یہی عرض کیا کہ سپیکر کے خلاف عدم اعتماد پیش کرنے کا فیصلہ اصولاً غلط ہے' اور وزیر اعظم کو اس سے کوئی نیک نامی حاصل نہیں ہو گی۔

پیر صاحب کا کہنا تھا کہ وزیر اعظم کو اس فیصلے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں ان کی طرف سے سید فخر امام کو یہ پیغام دوں کہ ایک تو تحریک عدم اعتماد وزیر اعظم جونیجو کی مرضی سے نہیں بلکہ صدر مملکت کے ایما پر پیش کی جا رہی ہے' دوسرے یہ کہ سید فخر امام کو پیپلز پارٹی میں شامل ہونے سے گریز کرنا چاہئے' ورنہ ان پر محض پھول ہی چڑھائے جا سکیں گے۔ پیر صاحب نے یہ بھی کہا کہ سید فخر امام کو بیگم کے مشوروں پر چلنے کی بجائے اپنے فیصلے خود کرنے چاہئیں۔

میرے اور پیر صاحب کے درمیان یہ گفتگو ۱۶۔ مئی ۱۹۸۶ء کی دوپہر کو ہوئی' جس کے بعد پیر صاحب دو بجے کے جہاز سے لاہور چلے گئے اور میں نے سید فخر امام کے گھر جا کر انہیں پیر صاحب کے پیغام سے آگاہ کر دیا۔ میری اور سید فخر امام دونوں کی رائے یہ تھی کہ پیر صاحب کا پیغام گویا اس امر کا ایک ملفوف اشارہ ہے کہ اگر سید فخر امام وزیر اعظم جونیجو سے بات کر لیں تو معاملات درست ہو سکتے ہیں۔ (یہاں یہ امر یاد رہے کہ اس وقت تک سید فخر امام کی برطرفی کا فیصلہ مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے سامنے توثیق کے لئے پیش نہیں کیا گیا تھا) میں نے سید فخر امام سے کہا کہ وہ اس پیغام اور اس کے مضمرات پر مزید غور کر لیں اور اگر ان کی حتمی رائے کے مطابق پیغام کا مفہوم یہی بنتا ہو تو پھر یہ طے کر لیں کہ کیا وہ وزیر اعظم کے ساتھ بات چیت کے لئے تیار ہیں اور یہ بھی کہ اس بات چیت کے لئے راہ ہموار کیونکر کی جائے گی۔ سید فخر امام نے اس موقع پر سامنے کمرے میں بیٹھی ہوئی اپنی بیگم سیدہ عابدہ حسین کو بھی بلا لیا اور ان سے رائے طلب کی کہ کیا ہونا چاہئے۔ دونوں اس بات پر متفق تھے کہ وہ وزیر اعظم کے ساتھ بات چیت کے لئے تیار ہیں۔ تاہم ان کا اصرار تھا کہ وزیر اعظم اور سپیکر کی ملاقات کسی تیسری جگہ ہونی چاہئے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ڈپٹی سپیکر مسٹر وزیر احمد جوگیزئی کے گھر کو موزوں قرار دیا کیونکہ وہاں اسی نوعیت کی ایک ملاقات پہلے بھی ہو چکی تھی۔ تب بھی سید فخر امام اسی نوعیت کے بحران سے دوچار تھے جو اس ملاقات کے بعد ٹل گیا۔ سید فخر امام نے مجھے کہا کہ میں پیر صاحب سے اس سلسلے میں بات کر کے راہ ہموار کروں۔ میں نے پوچھا کہ اگر وزیر اعظم مسٹر جوگیزئی کے گھر آنے پر آمادہ نہ ہوں تو کیا سید فخر امام کے لئے یہ ممکن ہو گا کہ وہ خود وزیر اعظم ہاؤس جا کر ان سے مل لیں۔ تھوڑے سے غور و خوض کے بعد سید فخر امام اس پر بھی آمادہ ہو گئے تاہم سیدہ عابدہ حسین کا اصرار تھا کہ اس صورت میں سید فخر امام کو تنہا' اپنی کار خود چلاتے ہوئے' وزیر اعظم ہاؤس جانا چاہئے' جہاں خود وزیر اعظم انہیں خاموشی سے Receive کر کے اپنے کمرے میں لے جائیں اور یوں دونوں زعما کی ملاقات ہو جائے۔ انہوں نے اصولاً اس بات سے اتفاق کر لیا کہ سید فخر امام وزیر اعظم کو آئندہ کے لئے "مثبت تعاون" کی یقین دہانی کرا دیں گے۔



پیر پگارا کی ایک سٹوڈیو تصویر۔ کراچی ۱۹۵۲ء

سید فخر امام کے گھر سے نکلا تو میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے۔ میں ذہنی اس بات کا فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ اس معاملے میں مجھے درمیان داری کرنا چاہئے یا نہیں' خاص طور سے اس صورت میں کہ پیر صاحب لاہور جا چکے تھے۔ اس موقع پر میں نے اپنے دیرینہ دوست اور وفاقی وزیر مسٹر انور عزیز چودھری سے مشورہ کرنا مناسب سمجھا اور پوری تفصیل انہیں بتانے کے بعد رائے طلب کی۔ چودھری صاحب نے ذرا سے تامل کے بعد جواب دیا کہ واحد راستہ صرف یہی ہے کہ میں پیر صاحب سے بات کروں کیونکہ وہی اس بات میں کوئی فیصلہ کن کردار ادا کر سکتے ہیں۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ مجھے پہلے پیر صاحب سے فون پر بات کر لینے کے بعد صرف اسی صورت میں لاہور جانا چاہئے' اگر پیر صاحب مداخلت کی ہامی بھر لیں۔ بصورت دیگر خاموشی کے ساتھ اس معاملے سے الگ ہو جانا چاہئے۔ چودھری صاحب کی اس صائب رائے کے بعد میں نے فون پر پیر صاحب کو بتایا کہ جس آدمی کے لئے آپ مجھے پیغام دے گئے تھے' وہ وزیر اعظم سے ملاقات کے لئے تیار ہے۔

لیکن مجھے سخت حیرت ہوئی جب پیر صاحب نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ اب معاملہ دور جا چکا ہے جسے سنبھالنا ممکن نہیں ہو گا۔ پیر صاحب کے اس جواب پر ظاہر ہے کہ یہ معالمہ جہاں کا تہاں ختم ہو گیا اور اگلے روز یعنی ۱۷ر مئی ۱۹۸۶ء کو مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی نے سپیکر کی برطرفی کے فیصلے کی توثیق کر دی' جس کے نتیجے میں ۲۶ر مئی کی شام کو سید فخر امام "سابق" سپیکر بنا دیئے گئے۔

بعد میں ایک موقع پر میں نے پیر صاحب سے استفسار کیا کہ آخر آپ کے اس پیغام کا مقصد کیا تھا؟ پیر صاحب نے مسکراتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا "دیکھو بھئی' آپ ضد کر رہے تھے کہ فخر امام کا موقف اصولی ہے اور اسے محض اس بات کی سزا دی جا رہی ہے کہ وہ اصولوں پر سمجھوتے کے لئے تیار نہیں میں آپ کو بتانا چاہتا تھا کہ اصل معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے"۔

پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں نواز شریف نے شروع ہی سے قومی اسمبلی میں اپنے حامیوں کا ایک گروپ تشکیل دے رکھا تھا' جو موقع بہ موقع وزیر اعظم جونیجو کے سامنے طاقت کا اظہار کرتے اور پارٹی کے کمزور ڈھانچے کی وجہ سے وزیر اعظم اس گروپ کے ساتھ سختی سے نمٹنے کی بجائے ہمیشہ مصلحت اور مصالحت سے کام چلاتے رہے۔ اس گروپ کے حوصلے اتنے بڑھ چکے تھے کہ اکتوبر ۱۹۸۶ء کے اجلاس میں قومی اسمبلی کے اندر فلور کراسنگ پر پابندی کی شق کو چیلنج کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا' اور اس سلسلے میں کاغذی تیاریوں کے ساتھ وسیع پیمانے پر جوڑ توڑ بھی شروع ہو گیا۔ قومی اسمبلی کے ایک رکن کے گھر پر نواز شریف گروپ سے تعلق رکھنے والے اراکین کا اجلاس ہوا جس میں کلام مجید پر حلف لئے گئے کہ اس شق کو ختم کرانے کی پوری کوشش کی جائے گی۔ اس شق کے خاتمے کا عملی مطلب خود وزیر اعظم جونیجو کی حکومت کا خاتمہ تھا' کیونکہ پارٹی ڈسپلن کے بغیر ان کی وزارت عظمیٰ کو چیلنج کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ یہ اراکین کھلے بندوں کہہ رہے تھے کہ اب محمد خان جونیجو کی وزارت عظمیٰ محض چند دنوں کی مہمان ہے۔ تناؤ کے ان دنوں وزیر اعظم کی پوزیشن عملی طور پر یہ ہو چکی تھی کہ اگر وہ فلور کراسنگ کی شق ختم

کرنے کی مخالفت کرتے تو عام طور پر یہی سمجھا جاتا کہ وہ محض اپنی کرسی بچانا چاہتے ہیں۔

اس وقت پیر صاحب پگارا نے ایک بار پھر اپنا کردار ادا کیا۔ انہوں نے اپنے اخباری انٹرویو میں براہ راست میاں نواز شریف کو للکارا' اور کچھ اس انداز سے کہ دو ہی دنوں میں حالات یکسر تبدیل ہوتے دکھائی دینے لگے۔ اس انٹرویو کے نتیجے میں نواز شریف گروپ کی حالت یہ ہو گئی کہ جو لوگ کل تک وزیر اعظم کو نکال باہر پھینکنے کی بات کر رہے تھے' اب انہیں خود یہاں نواز شریف کا سنگھاسن ڈولتا دکھائی دینے لگا۔ اور میاں نواز شریف' جنہوں نے پیر صاحب کے انٹرویو پر "تندئی باد مخالف" کا تبصرہ کیا تھا' اس امر پر مجبور ہو گئے کہ وزیر اعظم جونیجو سے مداخلت کی درخواست کر کے اپنی کرسی بچائیں۔ وزیر اعظم نے ان کی یہ درخواست قبول کر لی اور لاہور جا کر اراکین صوبائی اسمبلی کو سمجھایا۔ لیکن اس کے باوجود معاملات اپنی فطری ڈگر پر چلتے رہے اور میاں نواز شریف کے خلاف خود ان کی صوبائی اسمبلی میں ایک مضبوط گروپ تشکیل پا گیا' جب کہ قومی اسمبلی میں میاں صاحب کے حامی اکثر و بیشتر وزیر اعظم کی طرف راجع ہونا شروع ہو گئے۔

شریعت بل کا معاملہ بھی تقریباً ایسا ہی تھا۔ جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے بعض اراکین پارلیمنٹ کھلم کھلا یہ کہتے پھر رہے تھے کہ اس بل کے حوالے سے انہیں صدر مملکت کی مکمل حمایت حاصل ہے۔ خود صدر مملکت نے بھی ایک تقریر میں نفاذ شریعت کے لیے اراکین اسمبلی کے گھیراؤ کی بات کر دی' جس کے بعد وزیر اعظم یا ان کی کابینہ کے کسی رکن کو کھل کر بل کی مخالفت کرنے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ مگر پیر صاحب نے اس موقع پر ایک ایسا تیز و تند بیان دیا کہ شریعت بل کے غبارے سے ہوا نکل گئی اور جو لوگ پارلیمنٹ کے سامنے وزیر اعظم جونیجو کا پتلا جلانے کی تیاری کر کے آئے تھے' وہ برستی برکھا میں پیر صاحب کا پتلا جلانے کی ناکام کوشش کے بعد واپس چلے گئے۔ اس شام پارلیمنٹ کے کیفے ٹیریا میں اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے پیر صاحب نے پہلی بار انتہائی سخت لہجہ اختیار کیا اور صدر مملکت کو براہ راست تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے انہیں اس تمام کھٹ راگ کا ذمے دار قرار دیا۔

لیکن صدر مملکت' وزیر اعظم اور پیر صاحب پگارا کے معاملات ہمیشہ یوں ہی نہیں رہتے۔ اس قسم کے تمام تر عملی اختلافات کے باوجود جب پورے نظام کو خطرہ لاحق ہو جائے تو یہ تینوں ایک ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے سید فخر امام کی مثال بھی دی جا سکتی ہے کہ ان کے خلاف تحریک عدم اعتماد اگرچہ منظور وزیر اعظم ہی نے کروائی مگر اس کا مشورہ بہرحال صدر صاحب ہی نے دیا تھا۔ ۷ر مئی ۱۹۸۶ء کی رات جب وزیر اعظم جونیجو اور اس وقت کے وزیر قانون مسٹر اقبال احمد خان صدر مملکت کے پاس اس آرڈی ننس پر دستخط کروانے گئے جو بعد میں صدر مملکت ہی کے بقول وزیر اعظم کا "نجات دہندہ" بن گیا تو جناب صدر نے وزیر اعظم کو یہی مشورہ دیا کہ' "بہتر ہے آپ فخر امام سے نجات حاصل کر لیں ورنہ وہ اس سسٹم کے لئے مستقل خطرہ بنے رہیں گے"۔

اسی طرح آٹھویں آئینی ترمیم کی منظوری والی شام (۱۶ر اکتوبر ۱۹۸۵ء) کو بھی صدر مملکت اور وزیر اعظم کے درمیان مکمل ہم آہنگی کا ثبوت میسر آ گیا' جب صدر مملکت بہ نفس نفیس پارلیمنٹ ہاؤس میں واقع وزیر اعظم کے

چیمبر میں آئے' وفاقی کابینہ کے اجلاس میں شرکت کی اور اس کے بعد مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے اجلاس میں شریک ہو کر گویا وزیر اعظم کے ساتھ اپنی مکمل ہم آہنگی کو ثابت کر دیا۔ لیکن بہت کم لوگوں کو علم ہو گا کہ اس شام سے قبل اسی روز کی دوپہر' صدر مملکت اس قدر برہم تھے کہ انہوں نے وزیر اعظم اور وزیر قانون کو اپنے صدارتی چیمبر میں طلب کیا اور پوچھا کہ ترمیمی بل کا کیا ہو رہا ہے۔ وزیر اعظم نے بتایا کہ کچھ معمولی Cosmetic ترامیم کرنا پڑیں گی۔ اس پر صدر مملکت نے اشتعال کے عالم میں ترمیمی بل کی فائل اٹھا کر پرے پھینکتے ہوئے کہا' ''جہنم میں جائے سب کچھ...... میں اب خود فیصلہ کروں گا کہ مجھے کیا کرنا ہے''۔

اس سلسلے میں اصل بات یہی ہے کہ ملک کے ان تین بڑوں کے درمیان ہم آہنگی حالات کا تقاضا ہے۔ مگر جب اختلافات ہوتے ہیں تو وہ بھی حالات ہی کی پیداوار ہوتے ہیں۔ پیر صاحب اور صدر مملکت کے درمیان شراکت اقتدار کا جو فارمولا طے ہوا تھا' اس میں ظاہر ہے کہ پورے دور حکومت کے ہر ہر لمحے کی تفصیل طے نہیں ہوئی تھی۔ یہ محض ایک عام ساخاکہ یا فریم ورک تھا' جسے اشتراک کی بنیاد تسلیم کیا گیا اور جسے اس وقت بھی کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ معاملات کو عملی طور پر چلاتے ہوئے کہیں صدر مملکت کی رائے وزیر اعظم سے اختلاف کی حامل ہوتی ہے تو کہیں وزیر اعظم صدر کے برعکس سوچ رہے ہوتے ہیں۔ ایسے مواقع پر دونوں کو غصہ بھی آتا ہو گا۔ مگر ایک تو دونوں حضرات کی افتاد طبع' دوسرے حالات کے تقاضے' انہیں آپس میں اکھٹا رکھے ہوئے ہیں۔ اور تقریباً ہر رات یا تو وزیر اعظم صدر مملکت سے مل کر تازہ ترین امور پر صلاح مشورہ کرتے ہیں یا پھر صدر مملکت ان کے پاس چلے آتے ہیں اور رات گئے تک مستقبل کی منصوبہ سازی ہوتی رہتی ہے۔

رہے پیر صاحب تو بطور سیاستدان ان کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ موجودہ مخلوط و مشترک حکومت جلد از جلد مکمل سیاسی' عوامی' اور جمہوری حکومت میں تبدیل ہو جائے اور اس کیلئے وہ اپنے طریقے سے راہ بھی ہموار کرتے رہتے ہیں۔ مگر پیر صاحب ہی کے بقول ''صدر اور ان کے وزیر اعظم'' اس حوالے سے کسی جلدی کے لئے تیار نہیں۔ اور قرائن یہی بتا رہے ہیں کہ فی الحال مکمل جمہوری حکومت کا قیام محض ایک خواب ہی ہے اور آئندہ عام انتخابات' چاہے ۱۹۸۸ء میں ہوں یا ۱۹۹۰ء میں' ان کے بعد بھی ملک مکمل جمہوریت کی شکل نہیں دیکھ سکے گا۔ ابھی شاید بہت دنوں تک ''اشتراک اقتدار'' ہی سے کام چلایا جائے۔ کیونکہ ''مکمل اقتدار'' کی خواہش یا کوشش میں ''مکمل محرومی'' کا خطرہ مول لینے کے لئے کوئی بھی تیار دکھائی نہیں دیتا

اندریں حالات یہ تجزیہ نسبتاً زیادہ قرین قیاس ہے کہ آئندہ انتخابات بہر حال ۱۹۹۰ء سے قبل ہوں گے اور ان انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونے والی اسمبلی بھی موجودہ صدر کی میعاد صدارت میں مزید پانچ سال کا اضافہ کر کے خود انہی کو انکی مرضی کے وزیر اعظم کے ساتھ 'اشتراک اقتدار کا موقع بہم پہنچانے سے سے گریز نہیں کرے گی۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙⊙⊙

پیر صاحب کی کہانی ' ان کی اپنی زبانی

فردِ عمل

اس کتاب کے لئے پیر صاحب کا خصوصی سوانحی انٹرویو

جو دو قسطوں میں ریکارڈ کیا گیا۔

کھیر اور مکھیاں

اس کتاب کے لئے پیر صاحب کے خصوصی انٹرویو کا پہلا حصہ

سوال..... اپنے بچپن اور والد گرامی کے بارے میں آپ کو کیا کچھ یاد ہے؟۔

پیر صاحب..... جس وقت ہمارے والد کو پھانسی ہوئی اس وقت ہم اتنے چھوٹے بھی نہیں تھے کہ کچھ یاد نہ ہو اور اتنے بڑے بھی نہیں تھے کہ معاملات کی سنگینی سے پورے طور پر عہدہ بر آ ہو سکتے..... لیکن یہ باتیں مجھ سے سننے کی بجائے تاریخ میں پڑھیئے کیونکہ میرے نزدیک یہ تاریخ ہی کا سرمایہ ہے۔

سوال..... پہلے علی گڑھ اور پھر لندن میں قیام اور تعلیم و تربیت کا دور تو آپ کو یاد ہو گا؟۔

پیر صاحب..... یاد تو ہے مگر اس میں عام لوگوں کے لئے دلچسپی کی کیا باعث ہو سکتی ہے۔

سوال..... چلئے آپ کی گدی بحال ہونے کے وقت سے آغاز کرتے ہیں؟۔

پیر صاحب..... ہماری گدی چار فروری ۱۹۵۲ء کو بحال ہوئی' اس سے پہلے لیاقت علی خان نے اپنے دورہ لندن میں ہمارے ساتھ ملاقات کی' جس کے نتیجے میں ہم پاکستان آ گئے۔

سوال..... آپ نے محض روحانی انداز کا پیر رہنے کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی حصہ لینے کا فیصلہ کیوں کیا؟۔

پیر صاحب..... میں اسے اپنا خاندانی ورثہ سمجھتا ہوں' میرے والد نے جو روایات چھوڑی تھیں میں ان سے گریزاں کیسے رہ سکتا تھا۔

سوال..... ملک کی انتخابی سیاست میں آپ نے براہ راست کب سے حصہ لینا شروع کیا؟۔

پیر صاحب..... خود تو میں نے پہلی بار ۱۹۸۵ء میں سینٹ کا انتخاب لڑا لیکن اس سے پہلے ۱۹۵۳ء ہی سے ہمارے نمائندے اسمبلی میں آتے رہے اور منتخب اداروں میں ہمارا باقاعدہ ایک گروپ ہمیشہ موجود رہا۔

سوال..... سکندر مرزا وغیرہ سے آپ کی ملاقاتیں ہوتی رہی ہوں گی' ان کے حوالے سے آپ کچھ بتانا پسند کریں گے؟۔

پیر صاحب..... ان ملاقاتوں میں کوئی خاص قابل ذکر بات نہیں ہوئی۔ لیکن ملاقاتیں ضرور ہوتی رہیں۔ کبھی وہ ہمیں بلاتے اور کبھی ہم ملنے چلے جاتے۔

سوال..... ایوب خان کے دور میں آپ نے مادر ملت کی بجائے ایوب خان کا ساتھ دینا کیوں پسند کیا؟۔

پیر صاحب...... اس لئے کہ میرے نزدیک یہ قابل عمل نہیں تھا۔ میرے نزدیک ان کی حکومت اگر بن جاتی بھی تو وہ مادر ملت کی نہ ہوتی بلکہ ایک پوراگینگ حکمران بن بیٹھتا' جوانہیں ساتھ لے کر چل رہا تھا۔ اس صورت میں وہ حکومت گویا "نوبا ڈیز گورنمنٹ" ہوتی۔

سوال...... ۱۹۶۵ء کی جنگ میں آپ نے کیا کردار ادا کیا؟۔

پیر صاحب...... دیکھو بھئی یہ سب کچھ حکومت اور قوم کے ریکارڈ پر موجود ہے' وہاں کے لوکل کمانڈر نے ہمیں فون کیا اور مدد کی استدعا کی' پھر ہم نے نواب آف کالاباغ سے اس کی تصدیق بھی کی۔ جس کے بعد ہمارے حر مجاہدین نے اپنی قومی اور ملی ذمہ داریاں پوری کیں مگر اس تذکرے کو رہنے ہی دیں تو بہتر ہے۔

سوال...... نواب کالاباغ سے آپ کے ذاتی مراسم تھے؟۔

پیر صاحب...... وہ اور ہم ایک ہی گروپ کے لوگ تھے اس لئے سیاسی واسطے داری تھی لیکن نہ وہ کبھی ہمارے گاؤں آئے اور نہ ہم کبھی ان کے گاؤں گئے۔

سوال...... کیا یہ درست ہے کہ ایوب حکومت میں بھٹو کی شمولیت آپ کی رضامندی سے ہوئی تھی؟۔

پیر صاحب...... ایوب حکومت میں بھٹو کی شمولیت سکندر مرزا کی وجہ سے ہوئی تھی' ہاں البتہ سکندر مرزا کے پاس انہیں میں لے کر گیا تھا اور بھٹو کو اقوام متحدہ میرے ہی کہنے پر بھجوایا گیا۔ میری یہ سفارش ایسی تھی جسے مخدوم زادہ حسن محمود مرحوم نے کبھی معاف نہیں کیا' وہ ہمیشہ یہی کہا کرتے تھے کہ بھٹو کو سامنے لانے والے آپ ہیں اور ان کا یہ طعنہ آخر وقت تک جاری رہا۔

سوال...... گویا مخدوم زادہ حسن محمود شروع ہی سے بھٹو کے مخالف تھے؟۔

پیر صاحب...... نہیں مخالف تو نہیں تھے' کراچی میں اکٹھے اٹھتے بیٹھتے رہے لیکن بعد میں ہمیشہ انہوں نے یہی کہا کہ بھٹو کے سب سے پہلے سفارشی آپ ہیں۔

سوال...... گویا شروع میں بھٹو کو آپ کی آشیرواد حاصل تھی؟۔

پیر صاحب...... اس زمانے میں وہ ہمارے گروپ کا آدمی تھا اور بہت دنوں اس میں شامل رہا۔

سوال...... یہاں ضمناً اتنا بتا دیجئے کہ ون یونٹ بننے سے ملکی سیاست پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟۔

پیر صاحب...... میں سمجھتا ہوں کہ ون یونٹ بننے سے نفرتیں بڑھیں۔ اس سے قبل حالات اتنے خراب نہیں تھے' خاص طور سے سندھ کے اندر نفرتوں نے ون یونٹ ہی کے باعث جنم لیا۔

سوال...... ہاں تو ذکر ہو رہا تھا بھٹو صاحب کا' وہ شروع میں آپ کے گروپ سے متعلق رہے اور پھر......؟

پیر صاحب...... (بات کاٹتے ہوئے) دیکھو بھئی بھٹو ہمارے گروپ میں تھا لیکن سکندر مرزا کی مہربانی سے وزارت میں آتے ہی اس نے ہماری مخالفت شروع کر دی۔

سوال...... ایوب خان کا دور حکومت حتیٰ کہ ان کے خلاف چلنے والی تحریک کا عرصہ بھی آپ نے خاموش تماشائی کے طور پر گزار دیا' پھر جب یحییٰ خان کا مارشل لا آیا تو آپ نے شیخ مجیب الرحمٰن سے ایک ملاقات کی جسے

بوجوہ بہت اہمیت حاصل ہو گئی............

پیر صاحب...... یہ محض ٹیکنیکی بات تھی' سندھ متحدہ محاذ والوں نے شیخ مجیب الرحمٰن کو شیشے میں اتارنا چاہا' وہ عوامی لیگ میں شامل ہو رہے تھے' ادھر ہمارا یہ حال تھا کہ ہم کنونشن لیگ میں شامل تھے مگر ستون طاقت کے طور پر ایوب کھوڑو کو سامنے لایا جا رہا تھا' اب اگر کھوڑو مرد آہن تھے تو پیر پگارا کی حیثیت کیا تھی؟ اس سے قبل کھوڑو صاحب کا کنونشن لیگ سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔ لیکن حالات ایسے بن رہے تھے کہ ہم نے اپنی اپوزیشن کو کمزور کرنے کے لئے جام صادق علی کو شیخ مجیب الرحمٰن کے پاس بھیجا' اس نے مجیب سے بات چیت کی اور یہ جام صادق علی کا کمال تھا یا کرشمہ کہ مجیب الرحمٰن جب کراچی آیا تو اس نے اپنے استقبال کے لئے ایئرپورٹ پر آنے والے سندھ متحدہ محاذ کے رہنماؤں پر ایک نگاہ غلط انداز بھی نہ ڈالی' جی ایم سید سمیت اس محاذ کے سارے لیڈر ہار لئے کھڑے رہ گئے' مجیب الرحمٰن عملی طور پر بھاگ کر جام صادق کی گاڑی میں سوار ہو گیا اور سیدھا میرے گھر آ پہنچا۔ میرے ساتھ ملاقات کے بعد اس نے ان لوگوں سے رابطہ قائم کیا۔ دراصل میری رائے اس وقت بھی یہی تھی کہ مجھے سندھ کی سطح پر کوئی چھوٹی پارٹی بنانے کی بجائے ملک گیر اہمیت کی حامل کسی پارٹی کی حمایت کرنی چاہئے' کیونکہ پورے پاکستان کی سیاست ہی میرے نزدیک اصل سیاست تھی۔ میری کوشش یہ بھی تھی کہ مجیب الرحمٰن سے مل کر یہ لوگ ایک تو اس کا مال کھائیں گے دوسرے اسے بھی صوبائیت کی راہ پر لگا لیں گے۔ پھر جب انتخابات کا وقت آیا تو ہم نے انتخابی عمل سے کوئی چھ ماہ قبل مجیب سے قطع تعلق کر کے قیوم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔ یہ الگ بات کہ انتخابات کی تاریخ بڑھا دی گئی اور میرے خلاف اکٹھے ہونے والے سندھ متحدہ محاذ کے رہنماؤں نے ایک بار پھر مجیب سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی مگر تب بہت دیر ہو چکی تھی۔

سوال...... شیخ مجیب الرحمٰن کو آپ نے کیسا آدمی پایا؟۔

پیر صاحب...... اس زمانے میں بھی وہ پنجاب کے خلاف اپنے تعصبات کا اظہار کیا کرتا تھا مگر میں یہاں یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مشرقی پاکستان کو ہم مغربی پاکستان والوں نے خدا حافظ کہا' ان لوگوں نے ہمیں خدا حافظ کبھی نہیں کہا تھا' چھ نکات مجیب کو ڈھاکہ سے نہیں لاہور سے ملے تھے اور لاہور ہی میں ان کی تخلیق ہوئی۔

سوال...... آپ کے خیال میں چھ نکات کا خالق کون تھا؟۔

پیر صاحب...... مختلف افواہیں تھیں' لوگ کھلم کھلا الطاف گوہر اور نواب کالاباغ کا نام لیتے تھے۔

سوال...... سنا ہے اس زمانے میں پیر علی محمد راشدی کو پیر پگارا بنانے کی کوشش بھی کی گئی تھی۔

پیر صاحب...... میں اس ضمن میں کچھ نہیں کہنا چاہتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ جب برطانوی دور میں بھی راشدی یا کسی اور کو پیر پگارا بنانے کی کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں تو قیام پاکستان کے بعد کیا ہوتیں۔

سوال...... آپ کے نزدیک مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی درست تھی یا نہیں؟۔

پیر صاحب...... فوجی کارروائی درست تھی یا غلط' اس کا فیصلہ تو مورخ کرے گا لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ جس

شخص نے پولینڈ کی قرارداد پھاڑ دی اور ملکی مفاد سے روگردانی کی' اس پر غداری کا مقدمہ نہ چلا کر اور اسے نفع بخش ملکی عہدوں پر فائز کر کے یہ بات ثابت کر دی گئی کہ مشرقی پاکستان کی فوجی کارروائی بھی محض اشک شوئی تھی' جبکہ بھٹو نے یہ بات بھی پہلے ہی کہہ دی تھی کہ جو لوگ مشرقی پاکستان جا رہے ہیں وہ لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات تو نہیں تھی اور یہ بات پوری ذمہ داری سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ سارا منصوبہ محض پاکستان کو توڑنے کے لئے تھا اور دیگر تمام کارروائیاں اسی کا حصہ تھیں۔ اس منصوبے میں کچھ بڑے جرنیل بھی ملوث تھے' کہ انہوں نے ایک غدار کے خلاف مقدمہ چلانے کی بجائے اسے سول چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر بنا دیا۔ یہ گویا اس بات کا ثبوت تھا کہ اس وقت کی آرمی اور بھٹو صاحب کی ملی بھگت پاکستان کو توڑنے کا باعث بن گئی اور یہ بھی کہ اصل میں دونوں ایک تھے۔

سوال...... آپ کے سیاسی اختلافات بہت سی شخصیات کے ساتھ رہے' آپ ان کے بارے میں فقرے بھی چست کرتے رہے' ان کی جانب سے بھی جوابی کارروائی ہوتی رہی مگر سیاسی اختلافات نے ذاتی عناد کی صورت صرف بھٹو کے معاملے میں اختیار کی' سانگھڑ میں بھٹو پر قاتلانہ حملہ گویا حرف آغاز تھا اس کے بعد نوبت یہاں تک پہنچی کہ بھٹو نے ملک کی قیادت سنبھالتے ہی آپ کو ٹیلیفون کیا اور نمٹ لینے کی دھمکی دی آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟۔

پیر صاحب...... ہمارا بھٹو کے ساتھ کوئی ذاتی عناد نہیں تھا البتہ اس نے ہمارے ساتھ ذاتی عناد بنا لیا تھا' جسے وہ حسب توفیق ہوا بھی دیتا رہا۔

سوال...... اصل معاملہ کیا تھا؟ آپ سے انہیں کیا شکایت تھی؟۔

پیر صاحب...... یہ بات تو اس سے پوچھی جانی چاہئے تھی' دراصل وہ ایک ایسا آدمی تھا کہ جس کسی نے بھی اس پر یا اس کے خاندان پر کوئی احسان کیا' اس نے اسے ضرور تنگ کیا اور اس کی توہین میں مسرت محسوس کی۔ وہ طبعاً ایک محسن دشمن آدمی تھا۔

سوال...... آپ نے ان پر کون سا احسان کیا تھا؟۔

پیر صاحب...... ہم نے اسے کبھی کبھی کی خدمت گزاری سے بڑھا کر اقوام متحدہ تک پہنچایا۔ یہ مہربانی کیا کم تھی؟۔

سوال...... آپ بھٹو کو کب سے جانتے تھے؟۔

پیر صاحب...... میں اسے ۱۹۵۲ء سے جانتا تھا۔

سوال...... وزیراعظم بننے کے فوراً بعد انہوں نے آپ کو کوئی فون کیا تھا' یہ کیا کہانی تھی؟۔

پیر صاحب...... وزیراعظم بننے کے کچھ روز بعد اس نے مجھے فون کیا تھا' جس کا ذکر میں نے خیرپور کے ڈپٹی کمشنر کی طرف سے دیئے جانے والے نوٹس کے جواب میں بھی کیا تھا۔ اس کے لئے آپ ۱۹۷۳ء میں چلنے والے ہائیکورٹ کے ایک مقدمہ "پیر پگارا بنام بھٹو" کی تفصیلات عدالت کے ریکارڈ سے دیکھ سکتے ہیں۔

سوال...... آپ سیاست کے عملی میدان میں بھی بھٹو کی مخالفت ہی کے سبب آئے اور متحدہ جمہوری محاذ کی قیادت سنبھالی' آپ کو اس بات پر کس نے آمادہ کیا تھا؟۔

پیر صاحب...... آمادہ کرنے کی اس میں کیا بات تھی' ہم نے نوابزادہ نصر اللہ خان اور مولانا عبدالحق وغیرہ سے کہا تھا کہ بھٹو کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنایا جانا چاہئے۔ شروع میں وہ گریز کرتے رہے لیکن آخر کار انہیں ہماری یہ بات ماننا پڑی اور یوں بھٹو کے خلاف پہلا جمہوری محاذ وجود میں آیا۔ دراصل ۱۹۷۲ء میں بھٹو نے سندھ میں جو لسانی فسادات کروائے تھے' ان کے سلسلے میں نوابزادہ نصر اللہ خان اور مولانا عبدالحق سندھ کے دورے پر آئے تو ایک رات کا کھانا ہمارے ساتھ بھی کھایا۔ میں نے نوابزادہ صاحب سے کہا کہ ہمیں ایک مشترکہ پلیٹ فارم بنانا چاہئے' اس کے بغیر کام نہیں چلے گا۔ نوابزادہ صاحب کی رائے یہ تھی کہ "ملک کے وسیع تر مفاد" کی خاطر ایسے اقدامات سے گریز کرتے ہوئے بھٹو کے خلاف کوئی مشترکہ محاذ نہیں بنانا چاہئے مگر میں نے اصرار کیا کہ اگر متحدہ محاذ نہ بنایا گیا تو بھٹو کی بے لگام آمریت ایک ایک کر کے سب کو نگل جائے گی اور ہم سب ایک ایک کر کے مارے جائیں گے۔

سوال...... آپ یہ کیسے کہتے ہیں کہ سندھ کے لسانی فسادات بھٹو نے کروائے تھے؟۔

پیر صاحب...... کیونکہ انہی کے آدمیوں نے ان فسادات کی داغ بیل ڈالی۔ سندھ کے تعلیمی نصاب میں اردو زبان شامل نہیں تھی۔ اسے شامل کرانے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ دراصل بھٹو صاحب سندھی زبان کو پہلے سے حاصل شدہ تحفظ ختم کرنا چاہتے تھے۔ یہاں میں یہ بات بھی بتاتا چلوں کہ فیلڈ مارشل کے دور میں حیدر آباد میں مہاجروں کے ساتھ جو ہنگامہ کرایا گیا' وہ بھی بھٹو نے کروایا تھا۔ اس ہنگامے کی رات اتفاق سے میں بھی حیدر آباد میں تھا اور جاموٹ صاحب کے بنگلے پر بھٹو نے خود مجھے ہنس ہنس کر بتایا کہ یہ ہنگامہ انہوں نے کرایا ہے۔

سوال...... متحدہ جمہوری محاذ کے بعد آپ نے مسلم لیگ کی صدارت سنبھالی یہ معاملہ کیسے ہوا؟۔

پیر صاحب...... معاملہ کچھ بھی نہیں تھا' شروع میں حسن اے شیخ میرے پاس آئے۔ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ مسلم لیگ کی صدارت ہرگز نہ چھوڑیں اور اگر کبھی پریشانی کی کوئی بات ہو تو مجھے بتائیں' لیکن میرے اس مشورے کے باوجود وہ مجھے بتائے بغیر مسلم لیگ کی صدارت سے دستبردار ہو گئے۔

سوال...... کیا آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت کوئی مسلم لیگی بھٹو کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار نہیں تھا؟۔

پیر صاحب...... مجھے اس سلسلے میں کچھ معلوم نہیں اور نہ میں اس معاملے پر تبصرہ کرنا چاہتا ہوں۔

سوال...... آپ کے پاس صدارت کی دعوت دینے کون آیا تھا؟۔

پیر صاحب...... میرے پاس شروع میں کافی لوگ آئے تھے' جن میں مخدوم زادہ حسن محمود' پردیسی صاحب اور چودھری ظہور الٰہی وغیرہ بھی شامل تھے مگر میں نے مسلم لیگ کی صدارت سے انکار کر دیا۔ حسن اے شیخ کی

دستبرداری کے بعد ان لوگوں نے جب بہت اصرار کیا تو میں نے بھی سوچا کہ صرف سندھ کی سطح پر بھٹو کا مقابلہ کرنے کی بجائے ملکی سطح پر اس کا سامنا کرنا چاہئے میں نے یہ بھی سوچا کہ بعض مسلم لیگی ساتھیوں کے مفادات کی نگرانی بھی اسی صورت میں بہتر طور پر ہو سکتی ہے کہ میں مسلم لیگ کی صدارت سنبھال لوں اور بعد میں یہی ہوا کہ بہت سے تو مسلم لیگ ہی کو چھوڑ کر چلے گئے اور آج میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر فیصلہ کرنا کسی اور کے ہاتھ میں ہوتا تو شاید وہ بھٹو کا سامنا ہی نہ کر سکتا' کیونکہ جو لوگ چھوڑ کر نہیں گئے' انہیں بھی کم سے کم غیر جانبدار ضرور بنا دیا گیا' یعنی وہ بھی کھل کر بھٹو کی مخالفت میں سامنے آنے سے گریز کرتے رہے۔

سوال...... یہ تو آپ کی رائے تھی مگر ان لوگوں نے بھی تو کوئی دلیل دی ہوگی' وہ کیا تھی؟۔

پیر صاحب...... ان کی دلیل یہی تھی کہ اور کوئی موزوں آدمی موجود نہیں ہے' جس کا قومی سطح پر اتنی احترام ہو' جو مجھے حاصل ہے۔

سوال...... اس کے بعد آپ نے بطور صدر مسلم لیگ۔ بھٹو کو چیلنج کرنا شروع کیا؟۔

پیر صاحب...... چیلنج کی بات نہیں' ہم نے تو محض مسلم لیگ کے حقوق کا تحفظ اور دفاع کرنے کی کوشش کی۔

سوال...... یہاں چلتے چلتے یہ بھی بتا دیجئے کہ متحدہ جمہوری محاذ کیسے ٹوٹا؟۔

پیر صاحب...... نورانی میاں اس میں سے نکل گئے اور ایئر مارشل اصغر خان نے شمولیت کے لئے یہ شرط رکھی کہ متحدہ جمہوری محاذ کا نام تبدیل کر دیا جائے بعد میں میری عدم موجودگی میں یہ نام تبدیل کر دیا گیا۔ یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ ایئر مارشل کا جو حصہ نئے اتحاد میں طے ہوا' میں نے اسے قبول نہیں کیا بلکہ کراچی میں نورانی میاں کے گھر سردار شیرباز مزاری کی موجودگی میں اسے مسترد کر دیا یہ الگ بات ہے کہ بعد میں راولپنڈی میں منعقد ہونے والے اجلاس کے دوران بعض دوسرے مسلم لیگی لیڈروں نے یہ بات تسلیم کر لی اور جب اس کے منفی نتائج سامنے آنے لگے تو مسلم لیگیوں نے لاہور میں میرا گھیراؤ کیا کہ آپ نے ٹکٹوں کی تقسیم کا یہ تناسب کیوں قبول کیا' میں نے انہیں واضح طور پر بتا دیا کہ میں نے یہ تناسب قبول نہیں کیا بلکہ میں تو اسے کراچی میں مسترد کر کے آگیا تھا' لیکن آپ کے چار مسلم لیگی زعما نے راولپنڈی میں یہ تناسب قبول کر لیا۔ مجھ سے ان زعما کے نام پوچھے گئے تو میں نے مسلم لیگی حضرات کو ان چاروں کے نام بھی بتا دیئے' یہ خواجہ صفدر' ملک قاسم' چودھری ظہور الٰہی اور سائینٹفک سیاستداں میاں زاہد سرفراز تھے۔

سوال...... سنا ہے ایئر مارشل اصغر خان کو آپ کی قیادت پر اعتراض تھا؟

پیر صاحب...... اصغر خان سے ہماری متحدہ جمہوری محاذ کے زمانے میں بات چیت ہوئی تھی' وہ اتحاد و اشتراک کے لئے بعض ایسے مطالبات کر رہے تھے جو ہمارے لئے قابل قبول نہیں تھے' ان کی خواہش تھی کہ میں مسلم لیگ کی مرکزی مجلس عاملہ سے منظوری حاصل کئے بغیر ان کے مطالبات قبول کر لوں۔ میں نے ان کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ میں تنہا اس قسم کا کوئی فیصلہ کرنے کا مجاز ہی نہیں تھا۔

سوال...... پاکستان قومی اتحاد کے قیام کا اعلان اچانک کیا گیا' اس کے پس پردہ محرکات کیا تھے؟

پیر صاحب...... دراصل پاکستان قومی اتحاد محض ایک انتخابی اتحاد تھا' جس میں اصغر خان اور نورانی میاں کی شمولیت بھی انتخابی نقطہ نظر ہی کی حامل تھی ہم نے اس کی سربراہی کے لئے مولانا مفتی محمود کو منتخب کروایا اور پارلیمانی بورڈ کی سربراہی میرے حصے میں آئی۔

سوال...... کہا جاتا ہے کہ مفتی محمود کو سربراہ بنانے کے لئے آپ لوگوں نے باقاعدہ ایک سازش کی تھی' کیونکہ اصغر خان بھی سربراہی کے امیدوار تھے؟

پیر صاحب...... یہ سازش کچھ اور دوستوں نے کی' جس میں میں شریک نہیں تھا' کچھ لوگ یہ چاہتے تھے کہ اتحاد کا سربراہ میں بن جاؤں' مگر میں اس سے گریزاں تھا' میں سمجھتا تھا کہ قومی اتحاد کے سربراہ کو بہت سے دورے کرنا پڑیں گے اور تقاریر بھی کرنا ہوں گی جب کہ میں کبھی بھی اچھا مقرر نہیں رہا' پھر ملک بھر کے تفصیلی دورں کے لئے میرے پاس وقت بھی نہیں تھا۔ بہرحال ہوا یوں کہ کچھ لوگوں نے اصغر خان کا نام تجویز کیا' ایک صاحب نے میرا نام پیش کیا جبکہ دوسرے صاحب نے مولانا کا نام تجویز کیا' اس موقع پر میں نے بھی مفتی صاحب کے تجویز کنندہ کی تائید کی اور یوں ہم مفتی صاحب کو منتخب کرا۔ نے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد سیکرٹری جنرل کے انتخاب کے لئے ہنگامہ ہوا' اور ہم نے یہ عہدہ نورانی میاں کے حوالے کر دیا کہ اپنی پارٹی سے جسے چاہیں بنالیں۔ جب نورانی میاں کا آدمی کچھ نیچے اوپر ہو گیا تو ہم نے ملک قاسم کی بجائے پروفیسر غفور احمد کو سیکرٹری جنرل بنوایا۔

سوال...... یہ بتائیے کہ پاکستان قومی اتحاد کو یکجا کیسے رکھا گیا کیونکہ آخر کار جو اختلافات سامنے آئے ان سے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ صرف آپ اور نوابزادہ نصراللہ خان ہی اس اتحاد کو قائم رکھے ہوئے تھے؟۔

پیر صاحب...... اختلافات تو شروع دن ہی سے تھے۔ ایئر مارشل کا رویہ کراہت انگیز (Obnoxious) تھا۔ نورانی میاں کا رویہ بھی کچھ اور طرح کا تھا۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ کوئی زیادہ وقت اکٹھے نہیں رہنا بلکہ یہ محض انتخابی اتحاد ہے اور سہالہ میں تو ایئر مارشل نے کھل کر کہہ دیا کہ میں تو محض انتخابی اتحاد کی حد تک پاکستان قومی اتحاد کے ساتھ تھا' اس سے زیادہ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔

سوال...... یہ بتائیے کہ قومی اتحاد قائم کرتے وقت آپ لوگوں کو اس بات کی کوئی ہلکی سی امید بھی تھی کہ آپ بھٹو کو اس انداز میں نکال باہر کریں گے؟۔

پیر صاحب...... دوسروں کے بارے میں کہا نہیں جا سکتا مگر میرے ذاتی حساب میں تو بھٹو بھی سنجیدہ نہیں تھے' ہم نے بہت کوشش کی کہ کوئی اور کھڑا ہو جائے مگر ہمارے گلے میں زبردستی دو سیٹیں پڑ گئیں۔ ایک سانگھڑ کی اور دوسری خیرپور میں غوث علی شاہ والی۔ ہم تو الیکشن لڑنا ہی نہیں چاہتے تھے' اسی لئے ہر جگہ کسی مولوی یا اسی قسم کے کسی دوسرے امیدوار کے لئے ہاں کرتے جا رہے تھے۔ ہمارا کوئی امیدوار ہی نہیں تھا کیونکہ ہمیں معلوم تھا کہ نتیجہ کیا ہونا ہے اور اگر کوئی مولانا کھڑے ہو جاتے تو ہم ان دونوں نشستوں پر بھی اصرار نہ کرتے' کیونکہ ہمیں پہلے سے صرف نتیجہ ہی نہیں بلکہ بھٹو کی "تیاریوں" کا بھی پورا علم تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سمجھتے تھے کہ جو شخص پوری قوم سے ٹکرانا چاہتا ہے' اسے اس کا پورا موقع ملنا چاہئے اور ہمارے دو امیدوار بھی اگر راہ میں حائل نہ ہوں تو

بہتر ہے' تاکہ قوم کا بھٹو سے ٹکراؤ براہ راست ہو سکے۔

سوال...... گویا بھٹو صاحب نے ایک سال پہلے الیکشن کا اعلان کر کے آپ لوگوں کو بغیر تیاری کے پکڑ لیا تھا؟۔

پیر صاحب...... ہمارے لئے اس میں کوئی سرپرائز یا حیرت کی بات نہیں تھی۔ ایک سال پہلے سے پولنگ بوتھوں پر دھاندلی کے لئے ریہرسل ہو رہی تھی اور ہمیں اس کی پوری تفصیلات کا علم تھا اور ہمیں یہ بھی اندازہ تھا کہ اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔ اگرچہ ہمارے دیگر ساتھیوں کو اس کا اس طرح اندازہ نہیں تھا' جس طرح ہمیں تھا۔

سوال...... آپ کو کیا اندازہ تھا؟۔

پیر صاحب...... وہی جو کچھ ہوا۔

سوال...... یعنی تحریک............؟

پیر صاحب...... تحریک کی بات اور ہے۔ ہمیں تو دھاندلی اور نتائج کا اندازہ تھا۔ ہم دو آدمی تھے جو تحریک چلانے کے خلاف تھے۔ ایک میں اور دوسرے نورانی میاں' ان کا کہنا یہ تھا کہ جمعیت العلمائے پاکستان کے امیدوار جیت چکے ہیں۔ ہمارا کہنا یہ تھا کہ مسلم لیگ نے امیدوار کھڑے ہی نہیں کئے اور جو دو نشستیں ہمارے گلے میں پڑ گئیں ان میں سے ایک پر غوث علی شاہ کے ہارنے کا بھی ہمیں کوئی افسوس نہیں۔ اس لئے جب صوبائی اسمبلیوں کے بائیکاٹ کی بات ہوئی تو ہم نے یہی کہا کہ ہمارے لئے تو بائیکاٹ کا ہونا نہ ہونا برابر ہے کیونکہ ہم نے تو سرے سے امیدوار کھڑے ہی نہیں کئے اور میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ صوبائی انتخابات کے بائیکاٹ کا فیصلہ پنجاب کے سیاستدانوں کا تھا' جسے غم اور غصے کی فضا میں قبول کیا گیا اور نیم دلی سے اس کا استقبال کیا گیا۔ مجھے آج تک اس بات کا معقول جواب نہیں مل سکا کہ آخر کار یہاں صوبائی انتخابات کے بائیکاٹ کا فیصلہ کس نے کروایا اور اس فیصلہ کا مصنف کون تھا۔

سوال...... خیر اس کے بعد بھٹو کے خلاف تحریک شروع ہوئی............

پیر صاحب...... لیکن ایک بات یاد رکھیں کہ یہ تحریک نظام مصطفیٰؐ کے لئے نہیں بلکہ انتخابی دھاندلیوں کے خلاف تھی۔

سوال...... شروع میں تو آپ لوگوں نے نئے سرے سے انتخابات کی بجائے "صرف ری پولنگ" کی بات کی تھی گویا آپ صرف انہی نشستوں پر انتخابات مانگ رہے تھے جن پر بعض افراد کو بلامقابلہ منتخب کروایا گیا تھا؟۔

پیر صاحب...... دیکھو بھئی ہم کچھ نہیں مانگ رہے تھے' ہم تو محض "سلیپنگ پارٹنر" تھے باقی جو کچھ کرتے تھے وہ مفتی صاحب وغیرہ آپس میں مشورہ کر کے کرتے تھے اور ان فیصلوں کے دوران میں وہاں موجود نہیں تھا۔

سوال...... تحریک شروع ہوئی جس کے بعد لانگ مارچ کا فیصلہ کیا گیا............

پیر صاحب...... میں ان لوگوں کے ساتھ آ کر اس روز ملا ہوں جب لانگ مارچ کا فیصلہ کیا گیا۔ اسی روز میں

قائم مقام صدر بنا۔ میں جب پہنچا تو یہ لوگ لانگ مارچ کا فیصلہ کر چکے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے یہ فیصلہ تو کر لیا ہے مگر کہیں پڑھا بھی ہے کہ لانگ مارچ ہوتا کیا ہے؟۔

سوال..... لانگ مارچ کے حوالے سے آپ کے کردار پر خاص طور سے جماعت اسلامی کے حلقوں سے تنقید کی جاتی رہی ہے' آپ کیا کہتے ہیں؟۔

پیر صاحب..... لانگ مارچ کا فیصلہ ہم نے نہیں جماعت اسلامی نے کیا تھا اور ہم تو اس کا دفاع ہی کرتے رہے۔ اب یہ الگ بات کہ اس وقت تین چوتھائی مسلم لیگی جیلوں میں بند تھے اور زیادہ سے زیادہ ایک چوتھائی باہر تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھٹو صاحب تھے جنہوں نے لانگ مارچ کو کامیاب کرایا اور یہی بات میں نے غیر ملکی اخباری نمائندوں کو اسی روز بھی کہہ دی تھی۔

سوال..... کہا جاتا ہے کہ آپ نے سندھ سے آنے والے اپنے عقیدت مندوں کو لانگ مارچ میں شمولیت سے روک دیا تھا؟۔

پیر صاحب..... جو لوگ سندھ سے یہاں آئے انہوں نے جیلیں بھی کاٹیں اور ان کی خوب پٹائی بھی ہوئی۔

سوال..... کیا یہ درست ہے کہ آپ ہمیشہ سے پر تشدد تحریک کے مخالف رہے ہیں؟۔

پیر صاحب..... میری رائے یہ ہے کہ پر تشدد تحریک ہمیشہ خود تحریک چلانے والوں ہی کے خلاف جاتی ہے اور اپنے ملک میں اپنی حکومت کے خلاف پر تشدد تحریک تو چلائی ہی نہیں جانی چاہئے بلکہ آئینی اور منطقی طریقے سے حکومت کا مقابلہ کیا جانا چاہئے اور ہم نے ہمیشہ یہی کیا ہے کہ نہ کبھی کسی کو گولی ماری ہے' نہ گالی دی ہے اور نہ دھمکی دی ہے۔ مگر بعض ایسے "جیالے" تھے جو ہمیشہ اپنی پشت کو خطرے میں ڈالنے کے لئے تیار ہوتے تھے اور یہ فطری بات ہے کہ وہی بھگتتے بھی تھے۔

سوال..... ۳۰ اپریل ۷۷ء کو آپ کے ساتھ ملاقات سے قبل بھٹو نے آپ کو فون بھی کیا تھا.....؟

پیر صاحب..... نہیں' انہوں نے مجھے ایسا کوئی فون نہیں کیا تھا۔ ان سے میری دو دفعہ بات ہوئی ایک بار جب انہوں نے اقتدار میں آنے کے بعد میرے گاؤں میں مجھے فون کیا اور دوسرے ۳۰ اپریل کو جب وہ انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں مجھے ملنے آئے۔

سوال..... مگر اس ملاقات سے پہلے جب آپ نے قومی اتحاد کے قائم مقام صدر کی حیثیت سے راولپنڈی میں اپنی کارروائیوں کا آغاز کیا تو بھٹو صاحب نے آپ کو کچھ پیغامات بھی تو بھجوائے تھے' جن میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ آپ پیر جو گوٹھ واپس چلے جائیں' پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بھٹو نے آپ کو گرفتار نہیں کیا.....؟

پیر صاحب..... (طنزیہ ہنسی کے ساتھ) وہ ہمیں اس لائق ہی نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ انہیں کے دور میں ہمیں "مسخرے" کا خطاب بھی ملا تھا مگر آہستہ آہستہ انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ "مسخرہ" کسی اور طرح کی "مسخری" کرتا ہے۔ دراصل بھٹو صاحب نے ہمیں صرف بطور دوست ہی دیکھا تھا اور ہمارا دوسرا پہلو دیکھنے کا انہیں کبھی موقع ہی نہیں ملا تھا۔ انہوں نے ہمارا ایک ہی رخ دیکھا تھا اور وہ یہ کہ ہم امن سے محبت کرنے والے لوگ ہیں۔

سوال...... کیا یہ درست ہے کہ جام صادق علی وغیرہ نے بھٹو صاحب کو یہ یقین دلایا تھا کہ اگر آپ پر سختی کی جائے تو آپ میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟۔

پیر صاحب...... میں سمجھتا ہوں کہ بھٹو خود بھی اسی بات پر یقین رکھتا تھا اور ہر آدمی کو ڈرا دھمکا کر قابو میں رکھنا اس کا شیوہ بن چکا تھا لیکن ہمارے معاملے میں اس کو دوسری قسم کا تجربہ ہوا۔ اس نے دھمکی بھی دی مگر اس کا نتیجہ اس کی توقعات کے برعکس نکلا۔

سوال...... راولپنڈی میں قیام کے دوران ملاقات سے پہلے بھٹو نے آپ کو جو پیغامات بھجوائے تھے' ان کی کچھ تفصیل......؟

پیر صاحب...... ایک تو عطا محمد مری کے ذریعے یہ پیغام بھجوایا گیا کہ ڈیڑھ کروڑ روپیہ نقد' ایک وفاقی وزارت' ایک وزارت برائے مملکت اور ایک پارلیمانی سیکرٹری آپ کو دیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ سندھ میں بھی ایک وزارت اور ایک پارلیمانی سیکرٹری ہمارے گروپ کو دینے کی پیشکش موجود تھی۔ یہ بھی کہا گیا کہ ڈیڑھ کروڑ روپے کی رقم محض بیعانہ ہے۔ اس کے بعد پورے ملکی ذرائع کا سمندر آپ کے سامنے ہو گا کہ جہاں چاہیں جال ڈالیں اور گوہر مقصود حاصل کر لیں۔

سوال...... آپ نے کیا جواب دیا؟۔

پیر صاحب...... ہم نے کیا جواب دینا تھا۔ ان ساری "نوازشات" کے بدلے میں وہ یہ چاہتے تھے کہ میں تحریک کی قیادت چھوڑ کر واپس پیر جو گوٹھ چلا جاؤں' ظاہر ہے کہ میں نے انکار کر دیا اور کہا کہ آپ نوابزادہ نصر اللہ خان کو باہر نکال دیں تو میں ان تمام پیش کشوں کے بغیر بھی واپس چلا جاؤں گا کیونکہ میں تو پی این اے کا نواں ستارہ ہوں جو آٹھ ستاروں کے قید ہو جانے کے بعد منظر عام پر آیا ہے اب اگر آپ آٹھویں ستارے کو رہا کر دیں تو میں واپس چلا جاؤں گا۔ میں نے انہیں بتا دیا کہ نوابزادہ صاحب تو اپنی نوابی پالیسی چلا کر جیل چلے گئے مگر میں ذرا مختلف قسم کا آدمی ہوں اور جب تک موجود ہوں اس وقت تک اپنی مرضی کرتا رہوں گا۔

سوال...... انہی دنوں اخبارات میں ایک خبر یہ چھپ گئی کہ آپ کی ایک انگلی کٹ گئی ہے۔ سنا ہے کہ اس پر آپ کے لاتعداد حر مریدوں نے اپنے پورے ہاتھ کی انگلیاں کاٹ لیں؟۔

پیر صاحب...... ہاں جب وزیر آباد میں ہماری گاڑی پر بم پھینکا گیا تو یہ بات ہوئی تھی۔

سوال...... ایک قصہ یہ بھی ہے کہ آپ کے بعض ساتھیوں نے یہ پروگرام بنایا کہ کسی استقبالی ہجوم میں آپ کو خود ہی زخمی کر دیا جائے تاکہ آپ کے حلقہ ارادت میں اضطراب کی لہر دوڑ جائے اور حالات بے قابو ہو جائیں؟۔

پیر صاحب...... (ہنستے ہوئے) مجھے ایسے کسی پروگرام کا علم نہیں' ہو سکتا ہے کہ اگر مجھے زخمی کرنے کی کوشش کی جاتی تو الٹا میں انہیں کو زخمی کر دیتا اور انہیں لینے کے دینے پڑ جاتے۔

سوال...... کہا جاتا ہے کہ اس روز آپ محض اتفاق سے لاہور نہیں آئے' نتیجتاً یہ پروگرام جس میں مبینہ طور پر

مخدوم زادہ حسن محمود اور غلام مصطفیٰ کھر شامل تھے ادھورا رہ گیا؟۔

پیر صاحب...... (قہقہہ لگاتے ہوئے) دیکھو بھئی یہ تو خود ان کے لئے بھی اتفاق ہو سکتا ہے ورنہ عین ممکن ہے کہ وہ مجھ سے زیادہ خود زخمی ہو جاتے۔

سوال...... یہاں بر سبیل تذکرہ یہ بھی بتاتے چلیئے کہ غلام مصطفیٰ کھر اور حنیف رامے کی مسلم لیگ میں شمولیت کیسے ہوئی؟۔

پیر صاحب...... میری غیر موجودگی میں ان لوگوں کو شامل کیا گیا چودھری ظہور الٰہی اور چھٹہ صاحب غلام مصطفیٰ کھر اور حنیف رامے کو مسلم لیگ میں لے آئے جبکہ میں نے اپنی رائے اس کے برعکس دی تھی اور ٹیلیفون پر انہیں منع کیا تھا' بعد میں جب میں نے استفسار کیا تو یہ لوگ آئیں بائیں شائیں کر کے رہ گئے اور یوں کھر اور رامے کو پارٹی میں شامل کر لیا گیا لیکن لاہور کے حلقہ نمبر چھ کے انتخابی تماشے پر میں نے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ شکست بھی بھٹو صاحب کی تھی اور فتح بھی انہیں کی ہے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم نے کھر اور رامے کو کبھی بھی اپنا پکا آدمی نہیں سمجھا۔ بعد میں جب بھٹو انٹر کانٹی نینٹل میں مجھے ملنے آئے تو انہوں نے مجھے کہا کہ آپ تو کھر کو میری جگہ بٹھانا چاہتے تھے' میں نے انہیں جواب دیا کہ ایسا نہیں ہے' ہم آپ ہی کے آدمی کو آپ کی جگہ پر بھلا کیوں بٹھائیں گے؟۔

سوال...... ۳۰ اپریل ۷۷ء کو وہ راولپنڈی کے انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں آپ سے ملنے آئے تو کیا بات چیت ہوئی تھی؟۔

پیر صاحب...... تاریخ تو مجھے یاد نہیں مگر ایک روز وہ آئے ضرور تھے' میں نے اس سے ایک روز قبل بعض غیر ملکی نمائندوں کو ملاقات کے لئے انٹر کانٹی نینٹل میں بلایا ہوا تھا۔ جب میں بریفنگ سے فارغ ہوا تو پتہ چلا کہ میرے ہوٹل چھوڑنے پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ اگلی صبح معلوم ہوا کہ بھٹو صاحب مجھ سے ملنے کے لئے آنا چاہتے ہیں۔ جس پر میں نے قمیص پہن لی (قہقہہ)۔

سوال...... بات چیت کیا ہوئی' یہ بھی تو بتایئے؟

پیر صاحب...... انہوں نے ریس پر پابندی کے حوالے سے بات شروع کی جس پر میں نے کہا کہ اس پابندی کے نتیجے میں ہمارے ہاں بہتر نسل کے گھوڑے پالنے کا رواج ختم ہو جائے گا۔ پھر میں نے کہا کہ آپ نے شراب پر جو پابندی عائد کی ہے اس کے نتیجے میں صرف اتنا ہوا ہے کہ شراب مہنگی ہو گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں شراب تو ملتی رہتی ہے اور ملتی رہے گی۔ پھر انہوں نے کھر صاحب کی بات کی جس کا میں نے انہیں جواب دے دیا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھ سے اس بدتمیزی کی معافی مانگی جو وہ میرے ساتھ ٹیلی فون پر کر چکے تھے۔ اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے گیارہ بجے رات کے بعد میں سطح زمین سے کافی بلندی پر ہوتا ہوں اور خمار کی اس کیفیت میں کی جانے والی باتوں کو سنجیدگی سے نہیں لیا جانا چاہیئے۔ میں نے کہا کہ جو گزر گیا سو گزر گیا' اب آپ آگے کی بات کریں بھٹو نے استفسار کیا کہ کیا اب بھی کچھ ہو سکتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ آپ پی این اے کے لیڈروں کو رہا کر دیں

اوران کے ساتھ مذاکرات کا آغاز کریں ' کیونکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا۔ بھٹو نے جواب میں کہا کہ میں نے اپنے دوست (سردار عبدالقیوم خان) کو آپ لوگوں کے پاس بھیجا ہے ' اس کا خیال رکھئے گا۔ اس کے بعد وہ واپس چلے گئے اور اگلے روز قومی اتحاد کے سربراہ مولانا مفتی محمود کو خط لکھا کہ میں پیر صاحب کے کہنے پر آپ لوگوں کے ساتھ مذاکرات کا آغاز کر رہا ہوں۔ اس خط کی کاپی بھٹو نے مجھے بھی بھیجی۔ ہاں یاد آیا کہ بھٹو نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ راولپنڈی صدر میں عوام کے ایک اجتماع سے خطاب کر کے آ رہے ہیں ' جس میں انہوں نے امریکی انتظامیہ کا ایک خط بھی پڑھ کر سنایا ہے اور اس حوالے سے وہ کافی اونچی ہواؤں میں اڑ رہے تھے یہ خط انہوں نے مجھے بھی سنایا۔ ان کا خیال تھا کہ اس مجمع سے خطاب کر کے انہوں نے تحریک کا منہ موڑ دیا ہے مگر اسی شام ان کی یہ غلط فہمی دور ہو گئی اور وہ پاکستان قومی اتحاد کو مذاکرات کی دعوت دینے پر مجبور ہو گئے۔

سوال...... یہاں اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خود بھٹو صاحب آپ سے کیا امیدیں لے کر آئے تھے اور کیا ان کی یہ امیدیں پوری ہوئیں؟۔

پیر صاحب...... دراصل بھٹو صاحب اس بات کو جانتے تھے کہ میں نے جو کچھ کرنا ہے ' وہ کر گزرنا ہے۔ انہیں شاید یہ امید تھی کہ اس طرح کی ملاقات کے نتیجے میں وہ میرے موقف میں لچک پیدا کر لیں گے۔ یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ میں ان کے پورے دور حکومت میں ان سے ملا نہیں ' بلکہ ملنے سے انکار کرتا رہا تھا۔ انٹر کانٹی نینٹل والی اس ملاقات سے محض چند ہی روز قبل ایک اور ملاقات کی کوشش بھی کی گئی۔ اسلام آباد کلب میں ایک دعوت کے دوران یہ ملاقات ہونا تھی۔ مجھے عین وقت پر پتا چلا کہ دعوت کے پس منظر میں اصل بات بھٹو سے ملاقات ہے۔ اور یہ کہ دعوت کے اختتام پر اچانک کسی طرف سے بھٹو صاحب نکل کر سامنے آ جائیں گے یا یہ کہ مجھے آنے بہانے کلب ہی کے کسی کمرے میں لے جایا جائے گا جہاں بھٹو موجود ہوں گے۔ مجھے علم ہوا تو میں نے فوری طور پر یہ کیا کہ خواجہ صفدر اور پروفیسر غفور کو ہمراہ لیا اور کلب پہنچ گیا۔ بھٹو چونکہ مجھ سے اکیلے میں ملنا چاہتا تھا اس لئے ان دونوں حضرات کی موجودگی کے باعث یہ ملاقات نہ ہو سکی۔ اور بھٹو کو مجھ سے ملے بغیر واپس جانا پڑا............وہ سعید احمد خان ابھی زندہ ہے ' یا مر گیا؟۔

سوال...... کون سا سعید احمد خان؟ وہ جو بھٹو کا سکیورٹی چیف تھا؟۔

پیر صاحب...... ہاں ' اسے اس ملاقات کے منصوبے کا علم تھا۔ آپ پوری تفصیل اس سے مل کر پوچھ لیں؟ اس کے پاس تاریخ بھی لکھی ہو گی ۔

سوال...... بھٹو نے جو خط مفتی محمود کو لکھا ' وہ سہالہ میں آپ نے پہنچایا تھا ۔

پیر صاحب...... نہیں ' مجھے تو اس خط کی محض نقل دی گئی۔ خط بھٹو نے خود اپنے ذرائع سے بھجوایا تھا ۔

سوال...... اچھا یہ بتایئے کہ ان دنوں سہالہ کے نظر بندوں کا احوال کیا تھا ' اور ہاں ' انہی دنوں اصغر خان نے فوج کے نام ایک خط بھی تو لکھا تھا؟۔

پیر صاحب...... ان کا کیا حال ہونا تھا ' وہ تو سہالہ میں نظر بند تھے رہا اصغر خان کا خط تو اس کے بارے میں انہی

سے پوچھئے۔

سوال...... بھٹو سے آپ کی ملاقات پر ان لوگوں کا ردعمل کیا تھا؟۔

پیر صاحب...... اس ملاقات سے قبل کیفیت یہ تھی کہ یہ لوگ بھٹو سے بات چیت کرنا چاہتے تھے، مگر وہ مان کر نہیں دے رہا تھا۔ میں نے بھٹو کو واضح طور پر بتا دیا کہ اب مذاکرات کے سوا کوئی چارہ کار نہیں اور یہ کہ مذاکرات میں جتنی دیر کی جائے گی، اتنا ہی اس کا دور حکومت کم ہوتا چلا جائے گا۔ گویا یہ میں ہی تھا جس نے بھٹو کو مذاکرات پر آمادہ کیا اور بھٹو نے مفتی محمود کے نام اپنے خط میں لکھا بھی کہ وہ یہ مذاکرات میرے کہنے پر کر رہا ہے۔

سوال...... اسیران سہالہ کی رہائی تک آپ کیا کرتے رہے؟۔

پیر صاحب...... کرنا کیا تھا۔ ان کی عدم موجودگی میں معاملات کو چلاتے رہے۔ انہی دنوں کراچی سے میری بیٹی نے فون کیا کہ بابا، آپ واپس کب آئیں گے۔ میں نے کہا کہ بیٹی اب تو جب بھٹو جائے گا اسی وقت آؤں گا۔

سوال...... انہی دنوں کوئی جنرل بھی آپ سے ملنے آئے؟۔

پیر صاحب...... ہاں ایک جنرل آیا تھا۔ ایک بریگیڈیئر کے ساتھ، وہیں اسلام آباد میں ہل روڈ والی کوٹھی پر۔ انہوں نے مجھ سے تازہ حالات کے بارے میں بات شروع کی تو میں نے انہیں بتایا کہ ۱۹۷۲ء میں جنرل اقبال اور جنرل جیلانی کراچی میں مجھ سے ملنے آئے تھے، ان سے میں نے جو بات کہی تھی، اب اس کے پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

سوال...... جنرل جیلانی اور جنرل اقبال سے آپ نے کیا بات کہی تھی؟۔

پیر صاحب...... ہم نے اس وقت یعنی ۱۹۷۲ء میں انہیں یہ کہا تھا کہ آپ لوگ کچھ عرصہ کے بعد پھر واپس آ جائیں گے۔

سوال...... ۱۹۷۷ء میں ہل روڈ پر ملنے والے جنرل اور بریگیڈیئر کے نام آپ کو یاد ہیں؟۔

پیر صاحب...... کوئی جنرل سعید یا سید تھے اور بریگیڈیئر ذوالفقار، ہم نے جب انہیں کہا کہ بھٹو کے جانے کا وقت آن پہنچا ہے تو وہ ہنستے ہوئے چلے گئے۔

سوال...... یہ کہاں تک درست ہے کہ آپ کا فوجی جرنیلوں کے ساتھ پہلے ہی رابطہ تھا اور جنرل جیلانی کے ذریعے آپ کو ہدایات دی جاتی تھیں؟۔

پیر صاحب...... جنرل جیلانی سے میرا کیا واسطہ، میری ان سے ایک ملاقات تو ہی ہوئی تھی ۱۹۷۲ء میں۔ جس کا ذکر میں کر چکا ہوں، دوسری مارشل لا لگنے کے بعد راولپنڈی میں ہوئی۔ ان دونوں ملاقاتوں کے درمیان میں میں نے ان کی شکل کبھی نہیں دیکھی۔

سوال...... اور صدر ضیاء الحق؟ ان سے تو آپ کی ملاقاتیں تھیں؟؟

پیر صاحب...... میں انہیں باضابطہ طور پر مارشل لا کے بعد ہی ملا۔ تب وہ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر تھے اور مختلف سیاستدانوں سے ملاقاتیں کر رہے تھے۔ سو میں بھی ان سے ملا۔ اس سے قبل ان سے ایک ملاقات اس وقت

ہوئی' جب وہ ملتان میں کمانڈنگ افسر تھے اور میرا بیٹا وہاں پولو کھیلنے گیا تھا اور جنرل ضیاء الحق نے اسے شیلڈ دی تھی۔ گویا ان سے میرے بیٹے کی واقفیت تھی' میری نہیں تھی۔

سوال...... یہ جو آپ جی ایچ کیو سے اپنے تعلقات کی بات کرتے ہیں' اس کی اصلیت کیا ہے؟۔

پیر صاحب...... دیکھو بھئی پاکستان کی فوج اور پاکستان مسلم لیگ دراصل ایک ہی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ ایک ملکی سرحدوں پر مامور ہے تو دوسرے کے ذمے نظریاتی سرحدوں کی حفاظت ہے۔

سوال...... آپ کے حر مجاہدین نے بھی تو مختلف مواقع پر فوج کا ساتھ دیا۔

پیر صاحب...... یہ ہمارا ملک ہے' ہم اس میں رہتے ہیں تو اس کی حفاظت بھی ہمارا ذمہ ہے ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں ہم سے جو کچھ بن پڑا ہم نے کیا اور یہ کسی پر احسان نہیں تھا۔ یہ تو ہمارا فرض تھا' قومی فرض!!

سوال...... ان جنگوں کے علاوہ بھی آپ کے حروں نے فوج کا ساتھ دیا' مثلاً ۱۹۸۳ء کی ایم آر ڈی تحریک کے دوران حر مجاہدین کی ڈیوٹی پلوں پر لگائی گئی؟۔

پیر صاحب...... مجاہد فورس باقاعدہ طور پر فوج کا حصہ ہے۔ اسی طرح جیسے گوجر یا خٹک اگر فوج میں شامل ہیں تو انہیں ان کے قبیلوں کے حوالے سے نہیں دیکھا جاتا۔

سوال...... صدر ضیاء الحق سے آپ پہلی مرتبہ کہاں ملے؟

پیر صاحب...... کراچی میں' ۱۹۷۷ء میں۔

سوال...... وہاں کیا بات چیت ہوئی؟۔

پیر صاحب...... ان کے پاس ٹیپ موجود ہیں' اور کبھی نہ کبھی شائع ہو جائیں گے تو عوام کو پتا چل جائے گا کہ ہم نے ان سے کیا کہا تھا؟۔

سوال...... وہ تو "اُدھر" کے ٹیپ شائع ہوں گے' کچھ آپ بھی تو بتائیے؟۔

پیر صاحب...... ٹیپ ادھر کے چھپیں' یا ادھر کے' بات تو ایک ہی ہے' جہاں تک میرا تعلق ہے تو (ہنستے ہوئے) اس وقت مجھے کچھ یاد نہیں۔

سوال...... آخر ان کے ساتھ آپ کا معاملہ کیا طے ہوا تھا؟۔

پیر صاحب...... کچھ طے نہیں ہوا۔ یاد ہے پی این اے والوں نے کہا تھا کہ جنرل صاحب سے کوئی بات طے نہیں ہوتی اور جو کچھ ہو بھی جاتی ہے اسے پھر از سر نو کھولا (Open کیا) جاتا ہے۔

سوال...... مگر آپ نے اپنے چار آدمی حکومت میں بھیج دیئے۔

پیر صاحب...... بس ان کے نصیب میں سرکاری کھانا لکھا تھا (قہقہہ)

سوال...... ایسا تو نہیں کہ آپ نے بھٹو کی مخالفت میں جنرل صاحب کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ہو؟۔

پیر صاحب...... بھٹو کا معاملہ میرا یا مسلم لیگ کا دردِ سر نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے یہ جنرل صاحب کا دردِ سر ہو۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو ہم نے بھٹو کی زندگی ہی میں کہہ دیا تھا کہ "بھٹو میرا نہیں' قوم کا دردِ سر ہے"۔ وہ قوم یا

جنرل صاحب کا درد سر تھا جس سے انہیں نجات پانا ہی تھی۔ وہ میرا درد سر نہیں تھا۔

سوال...... جب بھٹو کو پھانسی دی جارہی تھی تو آپ کے بعض پی این اے کے ساتھیوں نے بھی ان کے لئے رحم کی اپیل کی تھی۔ مگر آپ کا رویہ اس کے برعکس رہا؟۔

پیر صاحب...... ہم سے پوچھا گیا تھا اور ہم نے کہا تھا کہ "ہم تو متاثرہ پارٹی ہیں اور ہم تو یہی کہیں گے کہ بھیڑیئے پر رحم کرنا بھیڑوں اور بکریوں پر ظلم کرنا ہے۔ جنرل ضیاءالحق جسے وہ ساتویں نمبر سے اٹھا کر پہلے نمبر پر لایا تھا اس سے پوچھو کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے" ۔ تو یہ تو جنرل صاحب کا معاملہ تھا' ہم تو متاثرہ فریق تھے۔

سوال...... ۵ اگست ۱۹۷۷ء کو لاہور میں سی آئی اے کے ایک ڈی ایس پی خالد بشیر نے بیان دیا تھا کہ بھٹو کے حکم پر عبدالحفیظ پیرزادہ نے اسے آپ کے قتل کی ہدایت کی تھی۔ اس ڈی ایس پی کے بقول ایک آئی جی صغیر حسین بھی اس معاملے میں ملوث تھا؟۔

پیر صاحب...... یہ آئی جی صغیر حسین والا معاملہ غلط تھا۔ وہ ہماری خانقاہ کا پیرو کار تھا اور ہمارے ہاں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی پیرو کار' اپنی خانقاہ کے پیر کو مروانے کی کوشش کرنے۔ اس کا ہمارے ہاں کوئی امکان ہی نہیں۔

سوال...... کیا آپ محسوس نہیں کرتے کہ آپ صدر ضیاءالحق کے ہاتھ میں استعمال ہوتے رہے اور انہوں نے بھٹو کو پھانسی لگانے کے بعد آپ کے آدمیوں کو وزارت سے بھی نکال باہر کیا؟۔

پیر صاحب...... نہیں' ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ اگر انہوں نے ہمیں استعمال کیا تو ہم نے بھی تو انہیں استعمال ہی کیا' اور حقیقت یہ ہے کہ انہیں جو فائدہ ہوا وہ بہت تھوڑے دنوں کا ہے' جبکہ ہمارا فائدہ دیر تک قائم رہنے والا ہے۔

سوال...... ان کا فائدہ کیا ہے اور آپ کا کیا؟۔

پیر صاحب...... یہ ان سے پوچھیں۔ ہمارا فائدہ تو یہی ہے یہی' جس دور میں سے آپ گزر رہے ہیں یہ ہمارا فائدہ ہی تو ہے۔ ہمارا فائدہ مسلم لیگ کا فائدہ۔ اور فائدہ ، مسلم لیگ ہی کا سوچا گیا تھا' پیر پگارا کو بھلا کسی نے کیا دینا ہے۔

سوال...... ۱۹۷۸ء میں مسلم لیگ کے بعض رہنماؤں نے آپ کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کی' جس پر آپ نے کہا کہ یہ سب کچھ جنرل صاحب کے ایماء پر ہو رہا ہے۔ یہ کیا کہانی تھی؟۔

پیر صاحب...... جی ہاں' ان دنوں جو کچھ بھی ہوا' جنرل صاحب کی آشیرواد سے شروع ہوا وہ مسلم لیگ کو جس طرح استعمال کرنا چاہتے تھے' مسلم لیگ اس طرح استعمال نہیں ہو رہی تھی۔ وہ مسلم لیگ کو صرف استعمال کرنا چاہتے تھے جبکہ ہم مسلم لیگ کو بنانا چاہتے تھے۔ استعمال کرنے اور بنانے میں فرق یہ ہے کہ استعمال کرنے میں صرف موقع پرستوں کو فائدہ ملتا ہے جبکہ بنانے میں کوشش یہ کی جاتی ہے کہ سب کو فائدہ ہو اور مسلم لیگ من حیث الجماعت ترقی کرے۔ سو ہم تو مسلم لیگ کی ترقی چاہتے تھے جبکہ جنرل صاحب اور مسلم لیگ میں ان کے

موقع پرست ساتھی مسلم لیگ کو محض استعمال کرنا چاہتے تھے۔

سوال.....ان دنوں جب تحریک عدم اعتماد کا معاملہ زوروں پر تھا' ۲ نومبر کی صبح لوگوں نے بڑی حیرت کے ساتھ یہ خبر پڑھی کہ آپ کے مخالفین نے اچانک مصالحت کرلی اور آپ کے خلاف تحریک واپس لے لی۔ حالانکہ اس سے ایک ہی روز قبل وہ کراچی سے تعلق رکھنے والے ایک کونسلر کی پٹائی بھی کر چکے تھے۔

پیر صاحب..... اصل میں انہیں جب یہ اندازہ ہوا کہ اکثریت میرے ساتھ ہے تو انہوں نے مصالحت کرلی۔ کراچی کے جس کونسلر کو انہوں نے مارا' وہ واحد کونسلر تھا جو اس سے قبل ہمیشہ میری مخالفت کیا کرتا تھا۔ مگر اس واقعہ کے بعد وہ میرا حامی بنا اور مرتے دم تک میرا ساتھ دیا۔

سوال.....سنا ہے آپ اس روز کافی اشتعال میں آ گئے تھے۔

پیر صاحب..... نہیں اشتعال میں تو خیر میں نہیں آیا' مگر اتنا ضرور کہا تھا کہ ان لوگوں کو کیوں مارتے ہو' ہمت ہے تو ہمیں کمیٹی روم سے نکال کر دیکھو اور یہ کام ایسا تھا کہ وہ کر ہی نہیں سکتے تھے۔

سوال.....پھر آپ نے مصالحت کے باوجود ان لوگوں کو پارٹی سے نکال دیا؟۔

پیر صاحب..... پارٹی سے نہیں' مجلس عاملہ سے نکالا۔ ہمارا موقف یہ تھا کہ جسے ہم پر بھروسا نہیں' اس پر ہم کیوں بھروسا کریں۔ مجلس عاملہ تو صدر کا استحقاق ہے۔ ہم نے جو کچھ کیا' مسلم لیگ کے آئین کے مطابق کیا۔ کسی کے ساتھ غیر آئینی حرکت نہیں کی گئی۔

سوال.....پھر آپ نے ایس ایم ظفر کو سیکرٹری جنرل بنایا مگر ان سے بھی آپ کے معاملات نہ چل سکے۔

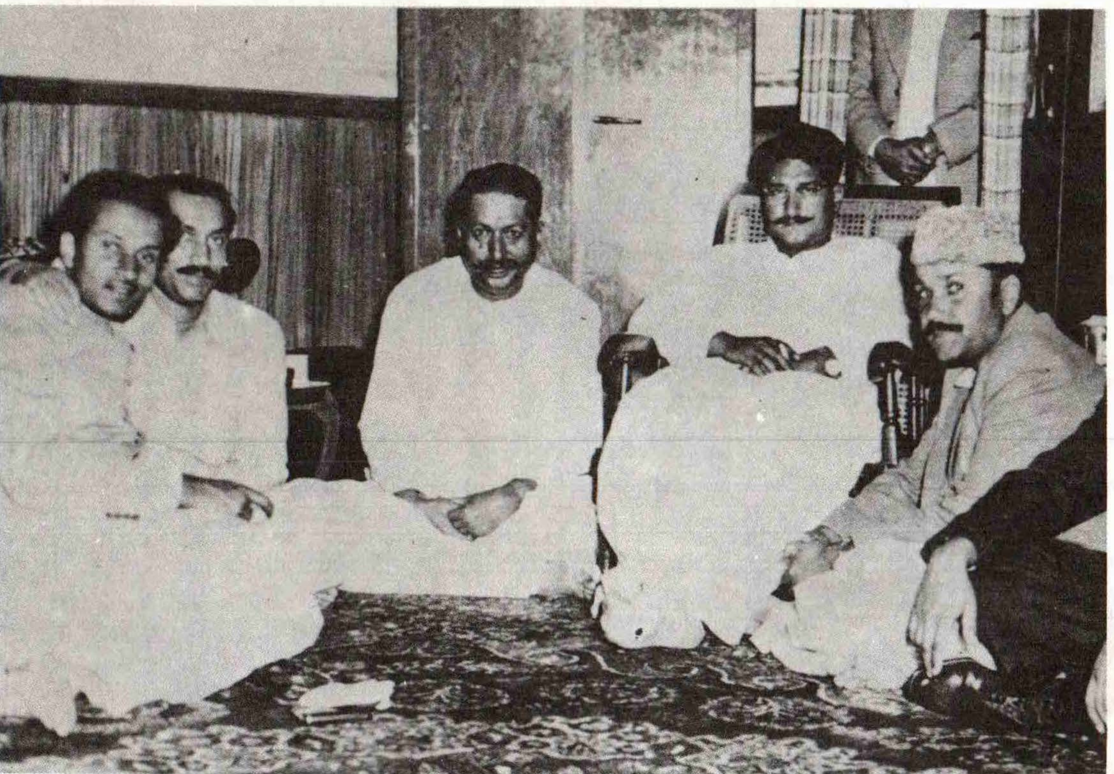
پیر صاحب..... ایس ایم ظفر سمجھتا تھا کہ وہ زیادہ قانون دان ہے اور میں اتنا زیادہ قانون دان نہیں ہوں۔ سو اس نے قانون کی توضیحات کرنا شروع کر دیں۔ مگر وقت نے ثابت کیا کہ اس کی توضیحات غلط تھیں۔ مسلم لیگ کے آئین کی رو سے صدر مطلق العنان ہوتا ہے۔ جس کی پالیسیاں لیکر آگے چلنا سیکرٹری کا فرض ہے۔ ایس ایم ظفر نے میری پالیسیوں پر عمل کرنے اور انہیں آگے بڑھانے کی بجائے ان پر تنقید کرنا شروع کر دی اور آخر کار مخالفین کی گود میں جا بیٹھا' جس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے۔

سوال.....۱۹۸۱ء میں آپ کے بعض مسلم لیگی ساتھی آپ کو چھوڑ کر شوریٰ میں چلے گئے۔ کیا وہ آپ کے ساتھ مفاہمت سے گئے تھے؟۔

پیر صاحب..... نہیں' وہ میرے ساتھ مفاہمت سے نہیں گئے۔ اس سلسلے میں صدر صاحب کے نام میرا ایک خط ریکارڈ پر موجود ہے جس کا علم پی این اے والوں کو بھی ہے اور ایم آر ڈی والوں کو بھی۔

سوال.....ایم آر ڈی میں آپ کیوں شامل نہیں ہوئے' جبکہ سارے پی این اے والے اکثر و بیشتر اس میں شامل تھے؟۔

پیر صاحب..... ایم آر ڈی کو تو ہم نے شروع ہی سے تسلیم نہیں کیا۔ یہاں کراچی میں ایک اجلاس ہوا تھا جس میں ہم نے کہا تھا کہ وہ سب جماعتیں جن کا تعلق جمہوری عمل سے ہے' انہیں ساتھ لے کر چلنا چاہئے۔ میں نے



پیرپگارا (دائیں سے دوسرے) جنرل شاہ، پیر سردار علی شاہ جاموٹ، انور علی شاہ جاموٹ اور فضل علی شاہ

کہا تھا کہ ہمیں پیپلز پارٹی سمیت ان سب جماعتوں کو ساتھ ملانا چاہئے جو جمہوریت کے قیام کی خاطر کوشش کرنا چاہتی ہیں۔ تب جماعت اسلامی اور نوابزادہ نصراللہ خان نے میری اس بات کی مخالفت کی۔ خاص طور سے نوابزادہ صاحب کا تو یہ کہنا تھا کہ پیپلز پارٹی سے بات بھی نہیں کی جانی چاہئے۔ مگر لطیفے کی بات یہ ہے کہ کچھ ہی دنوں بعد 'اسی جگہ 'اسی کمرے میں 'نوابزادہ نصراللہ خان اس بات پر زور دے رہے تھے کہ ایم آر ڈی کی تشکیل ہونی چاہئے۔ ہم نے نوابزادہ صاحب سے کہا کہ جناب ' آپ کے موقف کی یہ تبدیلی بھی دلچسپ ہے۔ ہم نے تو آپ سے یہ کہا تھا کہ پیپلز پارٹی والوں کو ساتھ لے کر چلنا ہے اور آپ جو قائم مقام صدر ہیں 'اسی عہدے پر فائز رہیں۔ ہم پی این اے کا الیکشن کبھی نہیں کرائیں گے۔ گویا آپ مستقل طور پر اس کے صدر ہوں گے اور پیپلز پارٹی ایک ایسوسی ایٹ رکن کے طور پر ہمارا ساتھ دے گی۔ مگر آپ نے ہماری بات تسلیم نہ کی اور اب آپ پی این اے کو چھوڑ کر ان کے ساتھ ملنے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے ان حالات میں ہم تو آپ کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ سو یوں ہم ایم آر ڈی میں شامل نہ ہوئے اور نوابزادہ صاحب اپنے بعض ساتھیوں سمیت پیپلز پارٹی سے جا ملے۔

سوال..... *بیگم بھٹو آپ کے گھر آئی تھیں؟۔*

پیر صاحب..... نہیں..... میرے گھر کبھی آیا کرتی تھیں' ..... پہلے............ مگر اب نہیں۔

سوال..... *پہلے؟ کب؟؟*

پیر صاحب..... ۱۹۵۳ء سے لے کر ۱۹۵۵ء تک 'اس کے بعد نہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اخبارات میں خبر آئی تھی کہ وہ میرے ہاں آئیں 'مگر یہ غلط خبر تھی۔ ہماری ملاقات میں جو باتیں ہوئیں وہ اکثر و بیشتر اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ جماعتی بنیاد پر فوری انتخابات ہونا چاہئیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ جنرل صاحب جماعتی نہیں' غیر جماعتی الیکشن کرانے پر آمادہ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ غیر جماعتی ہی کرائیں۔ ہم حصہ لیں گے۔ میں نے کہا کہ اس پر تو جنرل صاحب آمادہ ہیں 'پھر ان سے لڑائی کیسی؟ اور اگر غیر جماعتی الیکشن ہی کرانا ہیں تو پھر آپ کے ساتھ مل کر ' حکومت سے لڑ کر ' کیوں کروائے جائیں؟ ہم ان کے ساتھ مل کر ان انتخابات میں حصہ کیوں نہ لیں؟۔

سوال..... *گویا بیگم بھٹو غیر جماعتی انتخابات میں حصہ لینے پر آمادہ تھیں۔*

پیر صاحب..... بالکل' وہ غیر جماعتی انتخابات میں حصہ لینے پر تیار تھیں۔ جبکہ میں جماعتی انتخابات پر مصر تھا۔ ان سے ملنے کے بعد میں نے نورانی میاں کے یہاں دوپہر کے کھانے پر بطور احتجاج (Under Protest) غیر جماعتی انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا' حالانکہ میں ہمیشہ یہی کہتا رہا تھا کہ الیکشن جماعتی بنیادوں پر ہونا چاہئیں۔ نورانی میاں کے اس کھانے پر بہت سے لوگ موجود تھے۔ ایس ایم ظفر بھی تھے جو غیر جماعتی بنیادوں پر الیکشن کی حمایت کرتے تھے۔ اب لطیفہ یہ ہے کہ جب ہم نے ان سب لوگوں کے کہنے پر بطور احتجاج غیر جماعتی انتخابات کو تسلیم کر لیا تو ان سب نے کہنا شروع کر دیا کہ ہم تو صرف جماعتی انتخابات میں حصہ لیں گے۔ میرے لئے تو اس اعلان کے بعد واپسی کی کوئی گنجائش نہیں تھی کیونکہ بطور صدر مسلم لیگ میرا بیان مسلم لیگ کی پالیسی بن چکا تھا' جس سے انحراف ممکن نہیں تھا۔ ہم اسی پالیسی پر گامزن رہے اور ہم نے بغیر جوتے

کھائے' جس دن جنرل صاحب نے الیکشن دیا' اس میں حصہ لیا۔

سوال..... ایک مسودہ محمد خان جونیجو اور دریا خان کھوسو آپ کے پاس بھی تو لائے تھے؟۔

پیر صاحب..... ہاں' یہ وہی مسودہ تھا' ایم آر ڈی کے قیام کا۔ اصولاً یہ بات طے تھی کہ سب لوگ صلاح مشورے کے بعد اس پر اکٹھے دستخط کریں گے' مگر ہوا یہ کہ ان لوگوں نے اپنے دستخط ثبت کرنے کے بعد اسے میرے پاس بھیج دیا کہ دستخط کر دو۔ میں نے جواباً مسودہ جوں کا توں واپس بھیج دیا۔ پھر ان کی ٹیم میرے پاس مذاکرات کے لئے آئی۔ چھ بجے شام تک باتیں ہوتی رہیں' مگر میں نے دستخطوں سے انکار کر دیا۔ جاتے جاتے پیار علی الانہ نے کہا کہ آپ اپنے اس فیصلے پر تاسف (Regret) کریں گے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس کے فضل سے ہمیں آج تک کسی بھی بات پر تاسف نہیں ہوا۔ اور وقت نے ثابت کر دیا کہ جو مجھے تاسف کی نوید سنا رہے تھے' اب خود تاسف کرتے پھر رہے ہیں۔ ہمارا فیصلہ درست تھا اور اس کے نتائج سب کے سامنے ہیں۔

سوال..... صدر پاکستان کے ساتھ آپ کے معاملات ابھی تک لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکے۔ آپ ایک دوسرے کے ساتھ چھیڑ چھاڑ بھی کرتے رہتے ہیں..........بلکہ آپ ہی کرتے ہیں۔ وہ نہیں کرتے۔

پیر صاحب..... وہ ڈھکی چھپی کرتا ہے' ہم کھلم کھلا کرتے ہیں۔

سوال..... انہوں نے کیا ڈھکی چھپی کی؟۔

پیر صاحب..... دیکھو بھئی ڈھکی چھپی باتیں تو ریکارڈ پر ہیں' جو کسی نہ کسی روز شائع ہو گا۔ لیکن ایک بات یاد رکھیے۔ اور وہ یہ کہ میں جو کھلم کھلا چھیڑ چھاڑ کرتا ہوں' وہ اپنے مفاد کے لئے نہیں بلکہ قومی اور جماعتی مفاد کے لئے ہوتی ہے۔ میں یہ چھیڑ چھاڑ جنرل صاحب سے ذاتی مراعات حاصل کرنے کے لئے نہیں کرتا بلکہ قومی اور جماعتی مفاد کو سامنے رکھ کر کرتا ہوں۔

سوال..... پھر آپ کے درمیان دوبارہ رابطہ کیسے بحال ہو جاتا ہے؟ کیا درمیان میں کوئی تیسرا آدمی بھی ہوتا ہے؟۔

پیر صاحب..... وہ جانتا ہے کہ میں نے اس سے کبھی ذاتی فائدہ یا مراعات حاصل نہیں کیں۔ جب بھی کی' سیاسی بات کی۔ جماعتی مفادات' قومی مفادات اور جمہوری عمل کے مفادات کو ہمیشہ سامنے رکھا۔ اور جنرل ضیا کو یہ سب باتیں خوب معلوم ہیں' وہ دس سال تک ہمیں دیکھتا رہا ہے۔ یہ درست ہے کہ اس نے ہمیں بہت برداشت کیا۔ اور اس برداشت کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہمارے درمیان تصادم شخصیات کا نہیں' نظریات کا تھا۔ مختلف قومی معاملات پر اس کا اور ہمارا اختلاف تھا۔ نظریاتی اختلاف جسے ہم ختم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

سوال..... کیا یہ بات درست ہے کہ آپ کے درمیان پہلے ہی دن یہ بات طے ہو گئی تھی کہ حکومت مسلم لیگ کو دی جائے گی اور یہ کہ اس مقصد کے لئے مسلم لیگ کو منظم کیا جائے' اور اسی لئے آپ نے ریفرنڈم اور غیر جماعتی انتخابات کا ساتھ دیا؟۔

پیر صاحب..... نہیں' یوں نہیں۔ ہم نے کہا تھا کہ مسلم لیگ ایک اہم جماعت ہے جس نے برصغیر کی

سیاست میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اسے منظم کریں اور الیکشن میں حصہ لیں۔ یہ بات ہم نے پہلی ہی ملاقات میں کہہ دی تھی۔ رہا ریفرنڈم، تو ایسی کوئی بات اس وقت نہیں ہوئی تھی۔ اور نہ اس معاملے میں ہماری کوئی مفاہمت ہوئی تھی۔

سوال...... جماعت اسلامی سے بھی ان کا کچھ معاملہ تھا؟۔

پیر صاحب...... جماعت اسلامی کا تو وہ متفق ہے۔ اور یہ بات ہم نے ہمیشہ کھلے عام کہی کہ وہ جماعت اسلامی کے متفقین میں سے ہے؟۔

سوال...... متفق وہ ان کے ہیں۔ مگر اقتدار آپ کو دے دیا ۔

پیر صاحب...... اقتدار میں تو وہ ہمارے ساتھ حصہ بٹا رہا (Share کر رہا) ہے۔ حصہ دار ہے وہ ہمارا۔

سوال...... اس حصے داری کا فارمولا کیا ہے؟ وہ تو بتا دیجئے؟

پیر صاحب...... حصے داری کا فارمولا تو کبھی Share سے آگے زیر بحث آیا ہی نہ تھا بس یہی تھا کہ شیئر کریں گے۔ (قہقہہ) دیکھو بھئی، ایک تو وہ کھل کر بات کرتے بہت کم ہیں۔ ہم نے کہا تھا کہ کے فارمولے پر کھل کر بات (Discuss) کر لیں۔ انہوں نے کہا کہ صدارتی طرز حکومت ٹھیک ہے۔ ہم نے کہا کہ صدارتی طرز حکومت آزمایا جا چکا اور ناکام بھی ہو چکا ہے۔ اس کے فوائد بھی ہیں مگر نقصانات زیادہ ہیں بہرحال یہ مسترد ہو چکا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پارلیمانی نظام بھی ناکام ہو چکا ہے۔ ہم نے کہا نہیں یہ ناکام ہوا نہیں بلکہ اسے ناکام کیا گیا ہے۔ جنرل صاحب کی ان باتوں سے مَیں سمجھ گیا کہ وہ کدھر جانا چاہتے ہیں اور یہ کہ ان کی نیت کیا ہے۔ سو میں نے سیدھے سبھاؤ پوچھا کہ آپ یہ بتائیں آپ کتنے سال صدر رہنا چاہتے ہیں؟ پہلے آپ اس کا فیصلہ کریں کہ آپ پانچ سال رہنا چاہتے ہیں یا دس سال پھر اس کے مطابق آئین میں ترامیم کریں تاکہ آپ حسب دلخواہ صدر رہ سکیں۔ پھر جب مکمل پارلیمانی نظام آئے گا تو پارلیمنٹ ان ترامیم کو ختم کر دے گی اور ملک میں جمہوریت آجائے گی اصولی طور پر ہم نے ان کی اس بالا دستی کو بھی قبول کر لیا تاکہ ملک سے مارشل لا ختم ہو، اسمبلیاں وجود میں آئیں سیاسی جماعتوں کو کام کرنے کا موقع ملے، شہری آزادیاں بحال ہوں۔ جنرل صاحب نے بھی اس فارمولے کو تسلیم کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے ساتھ، عوام کے ساتھ، سیاسی جماعتوں کے ساتھ اقتدار میں شراکت (Share) کریں گے۔ لیکن اس موقع پر شراکت کا تناسب زیر بحث نہیں آیا کیونکہ یہ میرا کام نہیں تھا۔ یہ کام تو موجودہ منتخب اداروں کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ اپنا حصہ (Share) خود ہی طے کریں اور وصول بھی کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب یہی کام ہو بھی رہا ہے اور آہستہ آہستہ منتخب ادارے اپنے حصے کے لئے کوششیں کر رہے ہیں۔ یہ جو کبھی عدم اعتماد کی بات ہوتی ہے اور کبھی فلور کراسنگ کی شق ختم کرنے کا شوشہ چھوڑا جاتا ہے تو یہ سب حصہ (Share) بانٹنے اور اسے حاصل کرنے کی کوششوں کے شاخسانے ہیں۔ یہ ساری کوششیں اسی لئے ہیں کہ حصہ کم سے کم دینا پڑے۔ یہ ساری کدو کاوش منتخب ایوانوں اور صدر مملکت کے درمیان ہے اور انہی کو آپس میں فیصلہ بھی کرنا ہے ہم آپ تو باہر سے "موراوور" ہی کر سکتے ہیں۔

سوال...... آپ نے تو بہت پہلے ہی محمد خان کا نام دے دیا تھا اور کہا تھا کہ آپ انہیں کرائے پر دے دیں

گے۔

پیر صاحب...... (ہنستے ہوئے) دراصل میرے پاس ایک اخباری نمائندہ آیا تھا کہ آپ وزیر اعظم کے لئے مسلم لیگ کے امیدوار کا نام دیں۔ اس نے کہا کہ اگر آپ نام نہیں دیں گے تو ہم ایس ایم ظفر کا نام دے دیں گے۔ میں نے جواب دیا کہ ایس ایم ظفر تو ایم آر ڈی اور اس کی تحریک کا حامی رہا ہے۔ وہ بھلا مسلم لیگ کا امیدوار کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر ہم نے ادھار پر دینا ہی ہے تو محمد خان کو دیں گے۔

سوال...... سنا ہے آخر وقت پر میر ظفر اللہ جمالی اور الٰہی بخش سومرو کے نام بھی زیر غور آئے تھے۔

پیر صاحب...... مجھے نہیں معلوم کہ صدر صاحب کیا سوچ رہے تھے' مگر جب یہ باتیں میرے علم میں آئیں تو میں نے صدر صاحب سے کہا کہ جناب' سندھ میں چونکہ اکثریت ہماری ہے اس لئے وہاں کا وزیر اعلیٰ ہماری مرضی سے بنے گا۔ جہاں تک وزیر اعظم کا تعلق ہے تو ہم نے آپ سے کبھی نہیں کہا کہ اسے ضرور سندھ سے لیں۔ اگر آپ پنجاب یا کہیں اور سے لینا چاہتے ہیں تو جسے چاہیں لیتے رہیں۔ ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن اگر وزیر اعظم سندھ سے ہونا ہے تو وہ الٰہی بخش سومرو یا کوئی اور نہیں بلکہ محمد خان جونیجو ہو گا۔ میر ظفر اللہ خان جمالی پر ہم نے اعتراض نہیں کیا تھا کیونکہ اس کا تعلق سندھ سے نہیں' بلوچستان سے تھا۔

سوال...... پنجاب سے بھی کوئی نام تھا؟۔

پیر صاحب...... نہیں' پنجاب سے کوئی نام ہم نے نہیں سنا۔

سوال...... گویا آپ نے وزیر اعظم کے بارے میں یہ شرط عائد کر دی اور سندھ کی وزارت اعلیٰ بھی لے لی۔

پیر صاحب...... سندھ کا وزیر اعلیٰ صدر صاحب ہی کا آدمی تھا' جو ہمارے گروپ میں شامل رہا۔ دراصل الیکشن سے پہلے بلکہ ریفرنڈم سے بھی پہلے اس موضوع پر بات ہوئی تھی کہ سندھ کا وزیر اعلیٰ کون ہو گا۔ میں نے کہا کہ ابھی بھی کیا جلدی ہے۔ الیکشن ہونے دیجئے۔ جو لوگ منتخب ہو کر آئیں گے' انہی میں سے کوئی وزیر اعلیٰ بھی بن جائے گا۔ میں نے اسی وقت یہ کہہ دیا تھا کہ میرا بیٹا راجہ سائیں (پیر سید صبغت اللہ شاہ راشدی) ابھی نوجوان ہے اور اس کو اتنا تجربہ نہیں کہ صوبے کو چلا سکے۔ اس پر صدر صاحب نے کہا کہ غوث علی شاہ کو لے لیں' ہم نے کہا کہ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ بلوچستان کی بات ہوئی تو ہم نے کہا کہ وہاں کے حالات ایسے ہیں کہ جام صاحب کے سوا کوئی اور آدمی موزوں ہو ہی نہیں سکتا۔ رہے پنجاب اور سرحد تو اس سلسلے میں نہ ہم سے پوچھا گیا' نہ ہم نے بتایا۔ یہی طے ہوا کہ الیکشن کے بعد جو لوگ جیت کر آئیں' ان میں سے جو بھی امیدوار ہوں پہلے انہیں دیکھا جائے۔

سوال...... پھر آخر ان دونوں صوبوں کا فیصلہ ہوا کیسے؟۔

پیر صاحب...... یہ وزراء اعلیٰ مارشل لا کے دور کی پیداوار تھے' جنہیں مارشل لا کے گورنروں نے' صدر صاحب کے مشورے سے' وزیر اعلیٰ کی گدی پر بٹھا دیا۔ ہمیں بھی ظاہر ہے کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

سوال...... شراکت اقتدار کے اس فارمولے پر بحث کے دوران صدر صاحب اور آپ تنہا ہوتے تھے یا کوئی

اور لوگ بھی ساتھ بیٹھتے تھے؟۔

پیر صاحب...... ایک بار انہوں نے ٹیم بلوائی تو ہم بھی ٹیم کے ساتھ گئے تھے۔ اس ٹیم میں حسن اے شیخ، میاں محمد اقبال، ملتان کے انصاری صاحب اور میاں امان اللہ تھے۔ ان کی ٹیم میں غلام اسحاق خان اور راجہ ظفر الحق کے علاوہ دو اور حضرات بھی تھے جن کے نام اب یاد نہیں رہے۔ یہ ملاقاتیں ریفرنڈم سے پہلے ہوئیں۔

سوال...... الیکشن کے بعد جو پہلی وفاقی کابینہ بنائی گئی، اس میں وزراء کا انتخاب کیسے ہوا؟

پیر صاحب...... صدر صاحب نے اپنی مختلف ایجنسیوں کے ذریعے نام حاصل کئے اور ایک لسٹ بنا کر محمد خان کے حوالے کر دی۔ اس میں ایک آدھ آدمی محمد خان کے کہنے پر بھی شامل کر لیا گیا، مگر لسٹ بہرحال وہی تھی جو صدر صاحب نے بنائی۔ اور چونکہ اس وقت جماعتیں موجود نہیں تھیں، اس لئے مختلف گروپوں کی بنا پر صدر صاحب نے کابینہ بنادی۔ جن کے نصیب میں جو لکھا تھا، انہیں مل گیا۔

سوال...... آپ کا کیا کردار رہا؟۔

پیر صاحب...... ہم خاموش تماشائی بنے دیکھتے رہے۔

سوال...... آٹھویں آئینی ترمیم کے بارے میں کیا پہلے سے طے تھا کہ یہ آئے گی؟۔

پیر صاحب...... میں تو ایڈ یمنٹی کی بات کرتا رہا، کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ یہ بل ضرور آئے گا۔ ہر مارشل لا کے بعد اسے ویلیڈیشن دینا ہمارے ہاں کا پرانا دستور ہے۔

سوال...... آپ مسلم لیگ کو بطور پارٹی صدر صاحب سے تسلیم کروانے میں کیسے کامیاب ہوئے؟

پیر صاحب...... صدر صاحب تو شروع ہی سے سیاسی جماعتوں کے خلاف تھے، اور انہوں نے پوری کوشش کی کہ ایوان کے اندر کوئی جماعت بننے نہ پائے۔ مگر رفتہ رفتہ حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ اسمبلی کا روزمرہ کا کاروبار چلانا مشکل ہو گیا۔ پہلے سرکاری پارلیمانی گروپ بنا کر کام چلانے کی کوشش کی گئی، مگر اس میں دشواری پیش آئی تو خود اراکین کی اکثریت نے پارٹی کی ضرورت کو محسوس کیا۔ اس سلسلے میں کچھ کام ہم اور ہمارے دوستوں نے بھی کیا، اور لوگوں کو سمجھایا کہ نظریاتی مملکت میں غیر نظریاتی ایوان نہیں چل سکتا، اور مسلم لیگ ہی وہ واحد نظریاتی جماعت ہے جو چاروں صوبوں کو نظریئے کی بنیاد پر متحد رکھ سکتی ہے۔ اگر اسے چھوڑا گیا تو پھر اور کوئی رابطہ ڈھونڈنا مشکل ہو جائے گا۔ اراکین کی اکثریت نے ہماری اس بات کو تسلیم کیا اور آخر کار مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی وجود میں آگئی۔ جب کبھی مسلم لیگ کی تاریخ لکھی جائے گی تو لوگوں کو معلوم ہو گا کہ یہ جماعت جو اس وقت ملک پر حکومت کر رہی ہے، منتخب ایوانوں میں اس کی تشکیل کیسے ہوئی اور اسے کیسے تسلیم کروایا گیا۔

سوال...... آپ نے اس جماعت سے باہر نکلنا کیسے قبول کر لیا جسے آپ مارشل لا کے مشکل ترین حالات سے گزار کر ایوان اقتدار تک لے آئے تھے؟

پیر صاحب...... مجھے تو قانونی طور پر نکال باہر کیا گیا۔ ایک طریقہ یہ ہوتا ہے کہ گندی مچھلی اٹھا کر ٹوکری سے باہر پھینک دی جاتی ہے۔ مگر ایک دوسرا طریقہ یہ بھی ہے کہ گندی مچھلی کو ٹوکری سمیت باہر پھینک دیا جاتا ہے۔

ہم لوگ وہ ہیں جو ٹوکری سمیت پھینکے گئے ہیں۔ مارشل لا آرڈیننس میں ہمارے بارے میں لکھا تھا کہ They cease to exist (وہ کالعدم ہو چکے ہیں) ۔ اب جو لوگ منتخب ہو کر ایوانوں میں آئے' وہ چونکہ غیر سیاسی غیر جماعتی اور غیر نظریاتی لوگ تھے اس لئے انہوں نے اس آرڈیننس کو آٹھویں آئینی ترمیم کے ذریعے تحفظ دے دیا اور ہم پکے کالعدم ہو گئے۔

سوال..... مگر آپ دوبارہ رجسٹریشن بھی تو کروا سکتے تھے۔

پیر صاحب..... یہی تو وہ واحد کارڈ ہے جو ہمارے پاس موجود ہے۔ اپنی دوبارہ رجسٹریشن کا حق ہم نے محفوظ رکھا ہے۔

سوال..... اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جس روز راولپنڈی کے سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں مسلم لیگ کی تشکیل ہو رہی تھی' آپ صدر صاحب کے ساتھ وہاں گئے تھے۔

پیر صاحب..... دیکھو بھئی' وہ تو انہوں نے ہمیں بلایا تھا اور وہ جہاں بھی بلائیں ہم چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ سربراہ مملکت ہیں۔ دراصل انہوں نے پوری کوشش کی کہ میں "سابق" صدر بن جاؤں 'مگر ان کی کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ پریس والوں نے مجھ سے بھی پوچھنا شروع کیا اور میں نے بتا دیا کہ میں "سابق" نہیں "کالعدم" ہوں۔ جو کسی بھی وقت "دم" والا ہو سکتا ہے۔

سوال..... گویا آپ کی کالعدمی ختم ہونے کا چانس بھی ہے؟۔

پیر صاحب..... جتنا چانس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں اترنے کا ہے' اتنا ہی چانس کسی بھی کالعدم جماعت کے "دم والی" جماعت بن کر دوبارہ میدان میں آ جانے کا ہے۔ ہم بھی جب تک اللہ چاہے گا' کالعدم رہیں گے۔ جب اسے منظور ہو گا' دوبارہ رجسٹریشن کرا کے میدان میں آ جائیں گے۔

سوال..... وزارتوں کی تقسیم' خاص طور سے پنجاب میں سید حسن محمود کے حوالے سے' آپ نے کوئی واضح موقف اختیار نہیں کیا؟۔

پیر صاحب..... ہمارے درمیان ایسی کوئی مفاہمت تھی ہی نہیں کہ وزیر اعلیٰ کون ہو گا۔ ایک وزیر اعلیٰ انہوں نے مارشل لا کے دور میں تیار کیا تھا۔ جب جماعتی نظام آیا تو وہی وزیر اعلیٰ بنا دیا گیا۔ ہم نے حسن محمود کو مشورہ دیا تھا کہ مرکز میں آپ کا کوئی چانس نہیں' صوبے میں چلے جائیں۔ اس سلسلے میں نواز شریف اور محمد خان سے ہماری بات چیت بھی ہوئی۔ حسن محمود صاحب صوبے میں تو چلے گئے' مگر ہمارے مشورے کے بالکل برعکس عمل کیا۔ انہوں نے اس مسلم لیگ ہی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا جو اقتدار میں موجود تھی۔ اگر وہ مسلم لیگ میں ہوتے تو کسی وقت ان کے بارے میں بھی غور کیا جا سکتا تھا۔ اب اگر آپ مسلم لیگ ہی کو تسلیم نہ کریں تو اقتدار کی بات کیسے ہو سکتی ہے۔

سوال..... یہ غلطی تو آپ نے بھی کی۔ آپ بھی مسلم لیگ میں شامل نہیں ہوئے۔

پیر صاحب..... تو ہم یہ بھی تو نہیں کہتے کہ ہمیں کچھ بناؤ۔ ہم اگر شامل نہیں ہوئے تو عہدہ بھی تو نہیں مانگ

رہے۔

سوال...... یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ نے موجودہ حکومت کو تحفظ فراہم کیا۔

پیر صاحب..... کس حکومت کو؟۔

سوال...... محمد خان کی حکومت کو۔

پیر صاحب...... ہم نے کوئی تحفظ نہیں دیا' بلکہ جو بات غلط ہو رہی تھی اس کی نشاندہی کی۔ جسے آپ تحفظ کا نام دے رہے ہیں وہ محض ایک غلط بات کی نشاندہی تھی۔ اب اگر اس سے کسی کو تحفظ ملتا ہے تو ملا کرے۔ ہم نے تو پنجاب کے معاملے پر کبھی بحث ہی نہیں کی۔ ہم نے تو پاکستان کے معاملے پر بات کی ہے اب اگر آپ ہیروئن کی بات کریں تو فطری بات ہے کہ قبائلی علاقہ زیر بحث آ جائے گا۔ سو اس وقت جو سازش ہو رہی تھی' اس میں فطری بات ہے کہ پنجاب زیر بحث آتا تھا کیونکہ یہ سازش پنجاب میں ہو رہی تھی۔

سوال...... یہ جو آپ کا شراکت اقتدار کا پلان تھا............؟

پیر صاحب...... دیکھو بھئی' یہ تو ایوان جانے' وزیر اعظم جانے یا وزیر قانون کہ کس کا حصہ کتنا ہے اور کتنا ہونا چاہئے۔ اور یہ بھی کہ حصہ داری کس بنیاد پر تھی' کس پر ہے اور کیسے قائم رہے گی؟۔

سوال..... مگر آپ نے کوئی تناسب بھی تو طے کیا ہو گا کہ یہ آہستہ آہستہ کس رفتار سے بڑھے گا اور جھکاؤ کس جانب ہو گا............ یا یہ بات حصہ دینے والے ہی پر چھوڑ دی گئی تھی کہ وہ کتنا حصہ دیتا ہے؟۔

پیر صاحب..... ہمارا کام یہ تھا کہ مسلم لیگ کے ایما پر ایک اصول کو تسلیم کروائیں اور کریں۔ اب اس اصول پر عمل کرنے والوں اور کروانے والوں کا کام ہے کہ اپنے اپنے حقوق کی نگہداشت کریں' کیونکہ جس دن آٹھواں ترمیمی بل منظور ہو گیا' ہمارا اپنا تو اسی روز کٹ گیا اور ہم پکے کالعدم ہو گئے۔

سوال...... لیکن آپ ہمیشہ یہ کہتے رہے ہیں کہ آخر کار مسلم لیگ ہی عنان حکومت سنبھالے گی؟۔

پیر صاحب...... وہ تو اس نے ترمیمی بل کی منظوری سے پہلے ہی سنبھالنا شروع کر دیا تھا۔

سوال...... صدر صاحب نے آپ کو بتایا تھا کہ وہ کتنی دیر رہنا چاہتے ہیں؟۔

پیر صاحب...... میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات تو وہ اپنے کسی دوست کو بھی نہیں بتائیں گے۔ مجھے تو وہ اپنا حریف سمجھتے ہیں............ بہر حال' ہم نے ان سے کہا تھا کہ آپ پانچ دس جتنے سال رہنا چاہتے ہیں' صاف صاف بتا دیں۔ مگر انہوں نے جواب نہیں دیا۔

سوال...... اگر سیاسی جماعتیں موجودہ حکومت کے خلاف کوئی اتحاد بنائیں تو آپ کا کیا رویہ ہو گا؟۔

پیر صاحب...... ہم نے کہہ دیا ہے کہ اگر یہ ہاؤس اور مسلم لیگ کے خلاف ہے تو اس میں ہم شریک ہو ہی نہیں سکتے۔ اور اگر ''دی ریفرنڈم'' کے خلاف ہے تو ہم بھی سوچیں گے۔

سوال...... کون سی مسلم لیگ کے خلاف؟ آپ کی مسلم لیگ تو کالعدم ہو چکی؟۔

پیر صاحب...... ہم کالعدم مسلم لیگی ہیں............ پرانے مسلم لیگی۔ اور یہ نئے مسلم لیگی ہیں جو مسلم لیگ کی

تنظیم کے دعویدار ہیں۔

سوال..... اس مسلم لیگ کی تنظیم کو دیکھ کر بھی آپ اپنے اس دعوے پر قائم ہیں کہ آئندہ حکومت مسلم لیگ کی ہوگی؟۔

پیر صاحب..... یہ تو جب وقت آئے گا تو میں آپ کو بتاؤں گا۔ اگر آپ گھر بنا کر گھر کے مالک کو دیں اور وہ چھت پر جا کر چوتھی منزل سے نیچے چھلانگ لگائے اور خود کشی کر لے تو اس میں گھر بنانے والے کا تو کوئی قصور نہیں ہے نا؟۔

سوال..... اس وقت کیفیت یہ ہے کہ صدر صاحب اپنے وزراء اعلیٰ کے ذریعے حکومت چلا رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس معاملے میں مسلم لیگ کو کب شریک کیا جائے گا؟۔

پیر صاحب..... یہ وہ بات ہے جو صرف محمد خان جونیجو بتا سکتا ہے۔ یا پھر مسلم لیگ کا سیکرٹری جنرل جانتا ہو گا۔ مجھے کچھ خبر نہیں۔ مسلم لیگ کے کرتا دھرتا وہ ہیں' میں تو نہیں۔ میری تو صدر صاحب سے جو آخری ملاقات ہوئی تھی' میں نے اس میں ان سے یہی کہا تھا کہ آپ میجر شیئر ہولڈر ہیں اور آپ کے چاروں وزراء اعلیٰ اس سے نفع اٹھا رہے ہیں۔ مسلم لیگ اور محمد خان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ میجر شیئر ہولڈر اور نفع اٹھانے والوں کے درمیان ''سینڈوچ'' ہو کر رہ گئے ہیں۔

سوال..... تو انہوں نے کیا جواب دیا؟۔

پیر صاحب..... مسکرا کے بات ٹال گئے۔ کہنے لگے 'نہیں' ایسا نہیں ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ ہو بہر حال یہی رہا ہے۔

سوال..... ملک میں مکمل سول پارلیمانی حکومت کب قائم ہوگی؟۔

پیر صاحب..... آئندہ الیکشن کے بعد..... 'اگر آئندہ الیکشن ہوتا ہے۔

سوال..... یہ ''اگر'' بہت بڑی تو نہیں ۔

پیر صاحب..... بھئی یہ اگر الف سے ہے' عین سے نہیں ۔

سوال..... آپ کے خیال میں الیکشن کب ہو گا؟۔

پیر صاحب..... حالات تو کچھ اور ہی بیان کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے ۱۹۸۸ء میں ہو جائے۔ ہو سکتا ہے ۱۹۸۹ء میں یا ۱۹۹۰ء میں ہو۔

سوال..... کیا اس بات کا امکان ہے کہ کسی سہانی صبح اچانک ہم فوری انتخابات کی نوید سن لیں؟۔

پیر صاحب..... یہ بات تو آپ محمد خان صاحب سے پوچھ سکتے ہیں۔ کیونکہ فیصلہ تو وہ کریں گے کہ ایوان میں بھاری اکثریت اور ایوان سے باہر ایک کلیتہً غیر منظم جماعت کے ساتھ وہ الیکشن کیسے لڑیں گے؟۔

سوال..... آپ نے کہا ہے کہ حالات کسی اور طرف اشارہ کرتے ہیں۔ تو یہ ''طرف'' کون سی ہے؟۔

پیر صاحب..... حالات تو کنفیوژن اور افراتفری کی طرف جا رہے ہیں۔ اور Chaos (انتشار) اور

کنفیوژن میں الیکشن تو نہیں ہوتا۔

سوال...... اور کنفیوژن کون لوگ پیدا کر رہے ہیں؟۔

پیر صاحب...... شیئر ہولڈر ہی کر رہے ہوں گے۔

سوال......دونوں شیئر ہولڈر؟۔

پیر صاحب......بس آگے آپ خود سمجھ لیں۔ میں تو یہی کہہ سکتا ہوں کہ شیر ہولڈر ہی کر رہے ہوں گے۔

سوال......اب تھوڑی سی بات مختلف جماعتوں کے بارے میں بھی ہو جائے' جن سے آپ کسی نہ کسی طور معاملہ کرتے رہے ہیں۔ تو سب سے پہلے جماعت اسلامی۔ آپ یہ بتایئے کہ اس جماعت کے ماضی' حال اور مستقبل کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟۔

پیر صاحب......میں نے جماعت اسلامی کے بارے میں پی این اے کے اجلاس منعقدہ پشاور میں ایک بات کہی تھی جو پی این اے کے ریکارڈ پر بھی ہوگی اور نوابزادہ صاحب کو بھی یاد ہوگی۔ میں نے کہا تھا کہ جماعت اسلامی کی موجودہ اہمیت و حیثیت صرف جنرل صاحب کے دور تک ہے۔ اس کے بعد اس جماعت کی حیثیت ختم ہو جائے گی۔

سوال...... جماعت ختم ہو جائے گی؟۔

پیر صاحب......اس کی اہمیت ختم ہو جائے گی' کیونکہ یہ تنخواہ دار لوگوں کی جماعت ہے' اس لئے جب تک تنخواہیں ملتی رہیں گی' رکنیت بھی چلتی رہے گی۔ مگر اہمیت ختم ہو جائے گی۔

سوال......تو پھر اس جماعت کا کردار کیا ہو گا؟۔

پیر صاحب...... تنخواہ دار رکنیت والی جماعت کا کردار کیا ہوتا ہے؟ خاکسار کیا Contribute کرتے ہیں؟ سوائے اس کے کہ جمہوری قوتوں میں خاکسار کا نام بھی ہے' اور کچھ نہیں۔

سوال...... گویا اسی انداز کی جماعت ہو گی یہ بھی؟۔

پیر صاحب......ہاں.......... تقریباً۔ اس سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔

سوال......اور پیپلز پارٹی؟۔

پیر صاحب...... پیپلز پارٹی ایک بڑی (Major) پارٹی ہے۔ جماعت اسلامی کا اس سے کیا مقابلہ۔

سوال...... نہیں' یہ تو مختلف جماعتوں کے بارے میں تجزیئے کی بات ہو رہی ہے۔

پیر صاحب...... پیپلز پارٹی مسلم لیگ کے بعد دوسری بڑی جماعت کے طور پر قائم رہے گی۔

سوال...... پیپلز پارٹی کی طرف سے آپ کے ساتھ کوئی رابطہ قائم ہوا؟۔

پیر صاحب......یہ تو ڈھکی چھپی بات ہے (قہقہہ) اور اس دور کی ڈھکی چھپی بات میں آپ کو کیسے بتا دوں۔

سوال...... موجودہ پیپلز پارٹی کے ساتھ آپ کے کسی سمجھوتے یا اتحاد کا امکان ہے؟۔

پیر صاحب...... امکان کی بات چھوڑیئے۔ سیاست میں کوئی بھی چیز ناممکن نہیں ہوتی۔ دیکھا صرف یہ جاتا ہے

کہ کون کس کے کتنا کام آ رہا ہے۔ اب جو جس کے جتنا کام آ ئے گا۔ اتنا ہی اسے عوضانہ ملے گا۔

سوال...... جتوئی صاحب کے ساتھ آپ کی جو "اتفاقیہ' طے شدہ" ملاقات ہوئی' اس کی کچھ تفصیل؟۔

پیر صاحب...... اس میں کچھ خاص بات نہیں تھی۔ بس ادھر ادھر کی باتیں ہوئی تھیں۔

سوال...... مسلم لیگ کی صدارت واپس لینے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟۔

پیر صاحب...... مسلم لیگ کی صدارت سے تو میں ۱۹۷۷ء ہی سے جان چھڑانا چاہتا تھا اور میں نے کہا تھا کہ ہمارا الو سیدھا ہو گیا۔ اب دوسروں کا الو سیدھا ہونا ہے۔

سوال...... نصر اللہ خان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟۔

پیر صاحب...... اچھے دوست ہیں' خوش خلق ہیں' محفل کے مور ہیں۔ باقی حیثیت' مقام اور سیاسی لیاقت ہمیشہ بڑی پارٹی سے ہوتی ہے۔ اب پارٹی ہی نہیں تو باقی لیاقت تو "ڈھکی چھپی" ہے اور جو ڈھکی چھپی بات ہے' اسے ہم کیوں خواہ مخواہ ظاہر کریں؟۔

سوال...... مذاکرات کی میز پر تو ہمیشہ وہی بیٹھتے ہیں؟۔

پیر صاحب...... وہ کون سا مذاکرہ ہے جس میں وہ بیٹھے اور کامیاب ہو کر اٹھے؟۔

سوال...... نورانی میاں کے بارے میں کیا رائے ہے؟۔

پیر صاحب...... ملتے جلتے عقائد والے لوگ ہیں۔ مگر مجھ سے دو سال چھوٹے ہیں۔

سوال...... یہ بتائیے کہ آپ مستقبل کا نقشہ کیا دیکھ رہے ہیں؟

پیر صاحب...... اس ملک میں تو فیملی پلاننگ کے حالات ہیں اور بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔

سوال...... فیملی پلاننگ ہو تو چکی؟۔

پیر صاحب...... یہ تو محض پریکٹس کی جا رہی ہے۔ اصلی فیملی پلاننگ تو ہونا باقی ہے۔

سوال...... آپ کے حوالے سے ملک میں جو نئی سیاسی تراکیب ایجاد ہوئیں ان میں "بلے اور چوہے کا کھیل" بھی شامل ہے۔ آپ نے ایک بار کہا تھا کہ آخر میں بلا تولیہ پھینک کر میدان سے بھاگ جائے گا۔ اس کا امکان کب تک ہے؟۔

پیر صاحب...... دیکھو بھئی' اب تو حالات بگڑتے ہی چلے جا رہے ہیں' اور جب حالات بگڑتے جائیں تو بلے اور چوہے دونوں کے لئے ہی بگڑیں گے۔

سوال...... پیر صاحب' ریکارڈ کی درستی کے لئے یہ تو بتا دیجئے کہ بھٹو کی پھانسی کے سلسلے میں آپ کا جنرل صاحب کے ساتھ کیا معاملہ ہوا تھا؟۔

پیر صاحب...... جنرل صاحب سے ایک دو بار بات ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ اگر بھٹو کو عدالت نے پھانسی کی سزا دی تو میں راستے کی رکاوٹ نہیں بنوں گا' اور رحم کی اپیل منظور نہیں کی جائے گی۔ تاہم انہوں نے مجھ سے یہ ضرور پوچھا تھا کہ اگر پھانسی کی سزا ہو گئی تو ملک میں ردعمل کیا ہو گا۔ میں نے انہیں اسی وقت بتا دیا تھا کہ کچھ نہیں

ہو گا۔ ملک میں ہنگامہ ضرور اٹھے گا اور مختلف حلقے مجتمع ہو کر ہلا گلا کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی بارڈر پر بھی تھوڑا بہت دباؤ بڑھے۔ مگر عملی طور پر کچھ نہیں ہو گا' اور کچھ عرصہ بعد سب چپ ہو جائیں گے۔ اس کے بعد جب ہائیکورٹ نے پھانسی کی سزا سنا دی تو انہوں نے پھر پوچھا کہ پھانسی کیسے دی جائے۔ اس زمانے میں مشہور ہو گیا تھا کہ اس مقصد کے لئے کہیں کوئی خاص جیل یا پھانسی گھاٹ بن رہا ہے۔ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ اس کی ضرورت نہیں۔ جس طرح عام مجرموں کو ڈسٹرکٹ جیل میں پھانسی دی جاتی ہے' اسے بھی دے دی جائے۔ پھر جب پھانسی دینے کا وقت آیا تو کچھ روز پہلے جنرل صاحب نے پھر مجھ سے مشورہ کیا کہ بھٹو کی لاش کا کیا کیا جائے۔ گاؤں میں دفن کرنے بھیجا جائے یا کہیں اور گمنام مقام پر لے جایا جائے۔ میں نے کہا کہ یہ کوئی سیاسی پھانسی تو ہے نہیں کہ آپ لاش بھی غائب کر دیں۔ اس ملک میں سیاسی پھانسیاں صرف دو ہوئی تھیں۔ اور دونوں انگریز کے دور میں دی گئیں۔ ان میں سے ایک پھانسی میری والد کو دی گئی۔ یہ چونکہ ایک سیاسی پھانسی تھی' اس لئے ان کی لاش سرکار نے اپنے پاس رکھ لی اور کسی گمنام جگہ پر اسے دفن کر دیا۔ میں نے کہا کہ جنرل صاحب' بھٹو کی پھانسی کوئی سیاسی موت تو نہیں۔ یہ ایک مجرم (Criminal) کی پھانسی ہے۔ اس لئے اسے اس کے گاؤں میں دفن کیا جانا چاہئے' جس طرح عام مجرموں کو کیا جاتا ہے۔ اس بات چیت کے دو تین روز بعد الٰہی بخش سومرو میرے پاس آئے کہ آپ نے یہ کیا ظلم کیا۔ آپ نے جنرل صاحب کو مشورہ دیا ہے کہ بھٹو کی لاش کو اس کے گاؤں میں دفن کر دیا جائے۔ اس سے ہمارے لئے بڑی مصیبت ہو جائے گی۔ ہر سال لوگ اس کا عرس منانے لگیں گے اور ماتم کرتے ہوئے ہمارے ہاں سے گزر کر جایا کریں گے۔ غرض ایک مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ الٰہی بخش نے مجھے یہ مشورہ بھی دیا کہ میں جنرل صاحب کو دوبارہ سمجھاؤں کہ بھٹو کی لاش غائب کر دی جائے۔ میں نے کہا کہ میرے لئے یہ ممکن نہیں' کیونکہ ایک بار مشورہ دینے کے بعد دوبارہ جاؤں گا تو وہ سمجھیں گے کہ اس شخص کی کوئی رائے ہی نہیں۔ اور اگر ایک شخص بھی اسے مل جائے تو اس کی رائے تبدیل ہو جاتی ہے۔ سو میں نے اپنے مشورے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ مگر ایک بات بتا دوں کہ ہم نے اس معاملے میں نہ تو جنرل صاحب کو ہمت دلائی' نہ ان کی ہمت شکنی کی۔ سربراہ مملکت کی اپنی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ وہ انہیں خود ہی پورا کرتا ہے۔

سوال...... کیا کسی بھی دور میں بھٹو کے ایک بڑا روحانی پیشوا بن جانے کے امکانات ہیں؟۔

پیر صاحب...... اگر اس کا کوئی امکان ہوتا تو میرے لئے بڑا آسان تھا کہ میں وہاں جا کر کوئی وظیفہ پڑھتا اور پھر سے جوان ہو جاتا۔ مگر مجھے اس کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔

سوال...... افغانستان کے مسئلے کا حل کیا ہو گا؟۔

پیر صاحب...... امریکہ اور روس جو فیصلہ کریں گے' اسی پر عمل ہو گا۔ ہماری یا ایران کی کیا حیثیت ہے؟۔

سوال...... سیاسی جماعتوں کی بات ہو رہی تھی۔ ولی خان اور ان کی جماعت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟۔

پیر صاحب...... کچھ نہیں۔ ایک مرتی ہوئی سیاسی جماعت ہے' جو آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گی۔

سوال..... آپ کے خیال میں آنے والے دنوں میں نئی سیاسی جماعتیں بھی بنیں گی؟۔

پیر صاحب..... بالکل۔ اگر مسلم لیگ کو صحیح طور پر منظم کیا گیا تو موجودہ جماعتوں میں سے مسلم لیگ کے علاوہ صرف پیپلز پارٹی بچے گی۔ ہو سکتا ہے کسی حد تک تھوڑی بہت نیشنل پیپلز پارٹی باقی رہ جائے۔ باقی سب جماعتوں کے لوگوں کو آخر کار کسی نہ کسی نئی سیاسی جماعت یا نئے اتحاد میں شریک ہونا ہے۔

سوال..... آپ یہ محسوس نہیں کرتے کہ ملک میں علاقائیت کی سوچ بڑھتی چلی جارہی ہے؟۔

پیر صاحب..... جب آپ قومی جماعتیں ختم کریں گے تو علاقہ پرستی تو بڑھتی ہی چلی جائے گی۔ اور آپ کی موجودہ بیورو کریسی تو تعصب ختم کرنے کی بجائے اسے اور پھیلا رہی ہے۔

سوال..... آپ کے ادھار پر دیئے ہوئے وزیر اعظم نے بھی تو بیورو کریسی کی حکمرانی ختم کرنے کے لئے کچھ نہیں کیا۔

پیر صاحب..... اس کے پاؤں تو ابھی صحیح طور پر جمنے ہی نہیں دیئے جا رہے۔ آئے دن کوئی نہ کوئی ہنگامہ کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ مسلم لیگ صحیح معنوں میں مسلم لیگ نہیں بن سکی۔ اسے بننے ہی نہیں دیا گیا۔ ایسی جماعت کی حکومت بھلا مسائل کو حل کیا کرے گی۔ وہ تو اپنی روزمرہ کی مشکلات ہی سے بمشکل نمٹ رہی ہے۔ یہ سب مسائل آہستہ آہستہ ہی ٹھیک ہوں گے۔ ۱۹۵۸ء سے بیورو کریسی "سپریم" رہی ہے۔ اب تیس سال بعد اسے لگام ڈالنا کوئی مذاق تو نہیں۔

سوال..... مشرقی پاکستان کی علیحدگی کو بھی آپ اسی تناظر میں دیکھتے ہیں؟۔

پیر صاحب..... مشرقی پاکستان خود تو علیحدہ نہیں ہوا۔ اسے تو دھکے دے کر علیحدہ کیا گیا۔

سوال..... دھکا دینے والوں میں کون کون لوگ شامل تھے؟۔

پیر صاحب..... میں نے ابھی بتایا تو ہے۔ نام نہاد بڑے سیاستدان اور بیورو کریٹ حضرات۔ ۱۹۵۴ء میں مسلم لیگ کو مشرقی پاکستان میں شکست کس نے دلوائی تھی؟ یہی بیورو کریٹ حضرات تھے جنہوں نے یہ کارنامہ انجام دیا۔

سوال..... سندھ کی علیحدگی کا خدشہ کہاں تک ہے؟۔

پیر صاحب..... سندھ خود کبھی علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ یا تو باقی پاکستان والے اسے نکال دیں یا کوئی دوسرا آ کر فتح کر لے۔

سوال..... سندھ میں سندھی اور مہاجر کا جو مناقشہ چل رہا ہے۔ مہاجر، جس میں مہاجر اور پنجابی دونوں شامل ہیں۔

پیر صاحب..... نہیں۔ مہاجر تو مہاجر ہیں۔ اور پنجابی آباد کار (Settler) ہیں۔ مہاجر جو کچھ کماتا ہے، وہیں خرچ کرتا ہے۔ آباد کار کماتا وہاں سے ہے، مگر لے پنجاب میں آتا ہے۔ وہاں کچھ نہیں بناتا۔

سوال..... آخر اس مسئلے کا حل کیا ہے؟۔

پیر صاحب...... مکمل جمہوریت ہی ان مسائل کا واحد حل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر اسمبلیاں ہوتیں ' عوام اور ان کے نمائندوں کو بالادستی حاصل ہوتی ' بیوروکریسی کو مطلق العنان نہ بننے دیا جاتا ' ہر کوئی اسمبلیوں کے ذریعے اپنی بھڑاس نکال سکتا تو یہ سب کچھ نہ ہوتا۔

سوال...... ایک بات جو میں بار بار پوچھ رہا ہوں اور آپ گریز کر رہے ہیں ' یہ ہے کہ جب آپ نے اقتدار میں شراکت کی بات تسلیم کی یا کروائی تو اس میں حصے کا تناسب کیا رکھا؟۔

پیر صاحب...... ہمارا کردار صرف اتنا تھا کہ شراکت کی بات کو اصولی طور پر مان کر اور منوا کر مارشل لا کو رخصت کریں۔ اب یہ اسمبلیوں کا کام ہے کہ اپنا حصہ درست طور پر وصول کریں یا اسے طے کریں۔ جو کچھ ایوان کے اندر ہو رہا ہے ' اس کی نہ تو مجھے خبر ہے اور نہ اس سے کوئی دلچسپی ہے۔ جو کچھ ملے گا ' انہی کو ملے گا۔ اور جس سے محروم رہیں گے ' وہی رہیں گے۔ میرا اس سے کیا تعلق ؟۔

سوال...... مگر اصول کیا طے ہوا تھا؟ یہ تو بتائیں؟

پیر صاحب...... بھئی ' اصول یہ طے ہوا تھا کہ وہ اور ہم شراکت کریں گے۔ کتنا کریں گے کا معاملہ تو لینے والوں کو معلوم ہو گا یا دینے والوں کو۔ میں نے کسی سے نہیں پوچھا کہ بھئی ' تم نے کتنا لیا اور کتنا دیا ہے۔ میں نے تو اس وقت ان سے صرف یہی طے کیا تھا کہ غیر جماعتی ' غیر نظریاتی اور غیر سیاسی بنیادوں پر الیکشن ہو گا اور جو لوگ اس میں منتخب ہو کر آئیں گے ' ان سے آپ شراکت (Share) کریں گے۔ میں نے انہیں یہ بھی بتا دیا تھا کہ جناب ' جو لوگ منتخب ہو کر آئیں گے ' وہ آپ کے خلاف ہوں گے۔

سوال...... کہیں اس بات کا خطرہ تو نہیں کہ حصے کی تقسیم میں معاہدہ ہی ٹوٹ جائے؟۔

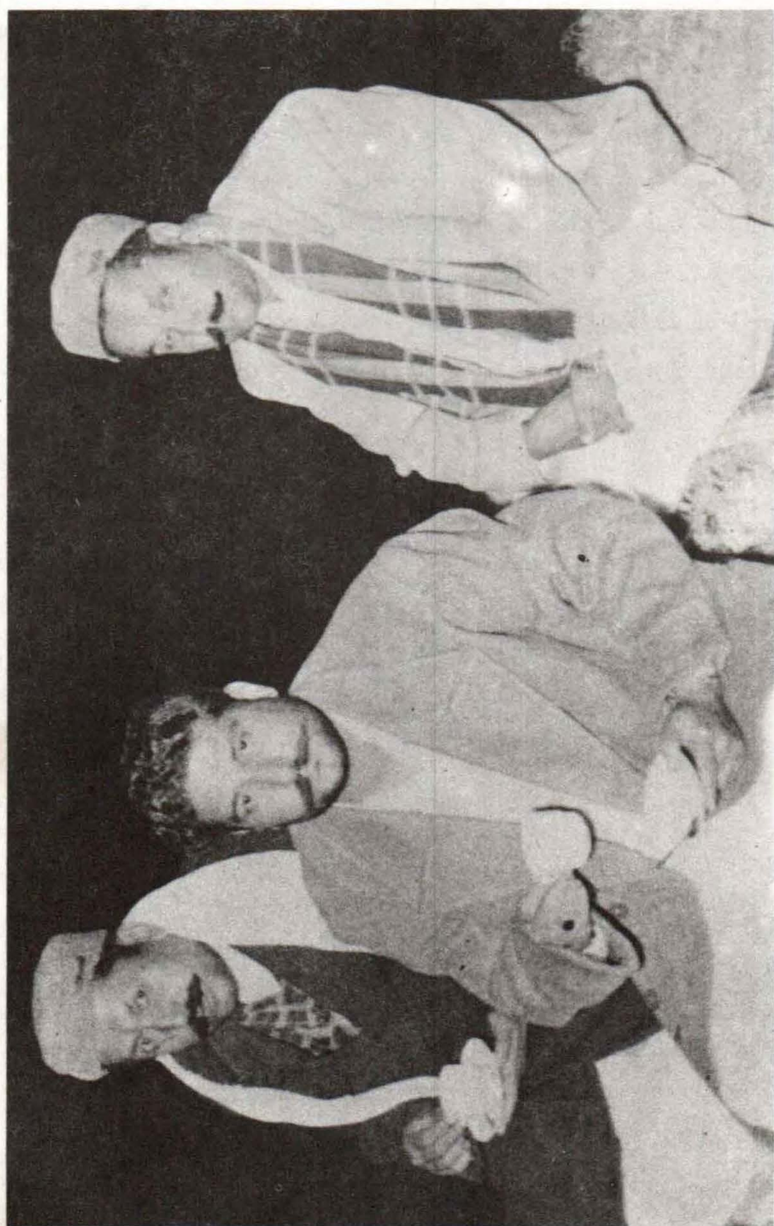
پیر صاحب...... مجھے یہ بات معلوم نہیں۔ یہ آپ ان سے پوچھئے۔ وہی آپ کو بتائیں گے کہ میجر شیئر ہولڈر کون ہے۔ مائنر (Minor) کون اور مفاد یافتگان (Beneficiaries) کون ہیں۔ ہم نے تو صرف معاملہ طے کرنا تھا ' سو کر دیا۔

سوال...... گویا معاملہ تو آپ ہی کے ساتھ ہوا تھا؟۔

پیر صاحب...... معاملہ مسلم لیگ کے کالعدم صدر کے ساتھ ہوا تھا۔

سوال...... چلئے یہ بتائیے کہ جو کچھ ہو رہا ہے ' اس سے آپ مطمئن ہیں؟۔

پیر صاحب...... میں نے کہا نا کہ مجھے پتا ہی نہیں کیا ہو رہا ہے (قہقہہ) دیکھو بھئی ' آپ پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں نے تو صرف شراکت کا فارمولا ہی طے کرنا تھا ' سو کر دیا۔ اب یہ ان لوگوں کا کام ہے جو ایوان کے اندر بیٹھے ہیں کہ اپنے حصے کے بارے میں معاملہ طے کریں۔ ٹھہریئے ' میں آپ کو مثال دیتا ہوں (میز پر پڑی مالٹوں کی ٹوکری کی طرف اشارہ کر کے) یہ مالٹے آپ کے اور میرے سامنے پڑے ہیں۔ میں نے آپ سے تین بار کہا کہ کھاؤ۔ آپ نے ایک بھی نہیں کھایا ' جبکہ میں نے پندرہ کھا لئے ہیں ' تو اس میں اس شخص کا کیا قصور جو ٹوکری یہاں رکھ گیا؟۔ اس کے خیال میں تو جتنے مالٹے کھائے گئے ' ہم دونوں



ہی نے کھائے ہوں گے۔ اسے اصل صورتحال کے بارے میں علم کیسے ہو سکتا ہے' جبکہ وہ یہاں موجود ہی نہیں؟ سو ہم نے تو یہی کہا تھا کہ ہمیں شراکت (Share) کرنے دیں۔ یعنی ہمیں پاؤں تو رکھنے دیں۔ آگے ہم خود ہی آ جائیں گے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ہم آہستہ آہستہ پاؤں رکھتے ہوئے آ رہے ہیں۔

سوال...... گویا آپ آہستہ آہستہ زینہ چڑھتے آ رہے ہیں؟۔

پیر صاحب...... جناب' ایک حاکم کے ساتھ' جس کے سامنے آپ کی کوئی بنیاد نہ ہو' سمجھ گئے نا آپ؟ ایک ڈکٹیٹر کے ساتھ جو ہمہ مقتدر ہو' آپ محض ہوا میں کھڑے ہو کر شراکت کریں اور پھر آگے چلیں تو یہ تو آپ کی صلاحیت پر منحصر ہے کہ آپ نے اس سے کتنا حصہ لے لیا اور کتنا اور لیتے ہیں۔ اور یہ بھی کہ جو حاصل ہو چکا اسے بھی قابو میں رکھنے کی صلاحیت ہے یا نہیں؟ ہم نے تو صرف ایک اصول' ایک راہ عمل طے کرنا تھی ایک کام کے لئے' سو ہم نے کر دی۔ اب آگے اسمبلی کے اراکین اور ان کی حکومت جانے یا میجر شیئر ہولڈر کو معلوم ہو گا کہ ان کے درمیان معاملہ کہاں تک پہنچا۔

سوال...... چوتھا مارشل لا کتنی دور رہ گیا ہے؟۔

پیر صاحب...... یہ تو ان کے اپنے عمل اور حالات کے بگڑنے کی رفتار پر منحصر ہے۔ اگر حالات بگڑتے ہی رہے اور معاملات بد سے بدتر ہوتے رہے تو فطری بات ہے کہ مارشل لا ہی آنا ہے۔

سوال...... میں حصے (Share) کی تقسیم پر اس لئے اصرار کر رہا ہوں کہ اس میں ایک تیسری پارٹی یعنی فوج بھی ملوث ہے۔ صدر صاحب اب فوج کے اس طرح کے نمائندے تو نہیں؟۔

پیر صاحب...... دیکھئے بھئی' فوج کا کیا حصہ ہے یا فوج میں ان کی کیا حیثیت ہے' یہ میرا درد سر (Concern) نہیں تھا۔ یہ ایک چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر اور مسلم لیگ کے صدر کے درمیان کی باتیں ہیں۔ وہ اس وقت فوج کا نمائندہ بھی تھا اور حاکم بھی' اور حکومت فوج کی تھی۔

سوال...... اس میں کوئی گارنٹی بھی تھی؟۔

پیر صاحب...... اس قسم کے حالات اور باتوں میں کبھی کوئی ضامن (Guarantor) نہیں ہوتا۔ نہ ہم نے انہیں کوئی گارنٹی دی تھی' نہ ان سے کوئی گارنٹی مانگی تھی۔ یہ تو صرف ایک مشکل صورتحال سے نکلنے کا راستہ (Way out) تھا۔ ان کے لئے بھی' ہمارے لئے بھی۔ اور ہم نے جتنا آسان راستہ انہیں فراہم کیا' اتنا ہی آسان راستہ ہمیں بھی ملا۔ اب جو اس راستے پر چل رہے ہیں' یہ ان پر منحصر ہے کہ آگے اپنے لئے کتنا آسان راستہ بناتے ہیں اور کتنا حصہ اپنے لئے زیادہ بڑھاتے ہیں۔

سوال...... آئندہ انتخابات میں صدارت کسے ملے گی؟۔

پیر صاحب...... یہ تو جب الیکشن ہوں گے' تب پتہ چلے گا۔ ویسے میرا اندازہ یہ ہے کہ حکمران پارٹی ضرور منظم ہو جائے گی' اور الیکشن دلیل اور منطق کی بنیاد پر جیتے گی۔ ان انتخابات کے نتیجے میں صدارت کس کو ملتی ہے' ابھی اس کے بارے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ مگر اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ تب جو بھی صدر ہو گا' وہ جنرل

ضیاءالحق والے اختیارات استعمال نہیں کر سکے گا۔ بلکہ وہ عام ' آئینی انداز کا' صدر ہو گا۔

سوال..... گویا تب جنرل ضیاءالحق صدر نہیں ہوں گے؟۔

پیر صاحب..... صدر ضیاء والے اختیارات نہیں ہوں گے۔ پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ صدر ضیاءالحق آئندہ الیکشن لڑنے کے اہل (Qualify) بھی ہوتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ اہل ثابت ہو بھی جائیں تو بھی ان کے پاس وہ اختیارات بہر حال نہیں ہوں گے جو اس وقت انہیں حاصل ہیں۔

سوال..... ان کے وردی اتارنے کا کیا فارمولا طے ہوا تھا؟۔

پیر صاحب..... کچھ بھی نہیں۔ ان کی وردی ہمارا معاملہ نہیں۔ وہ جانیں اور ان کی برادری جانے۔

سوال..... پیر صاحب' جب آپ لوگوں کو " حفاظت " میں لیا گیا یعنی ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کی رات کو' تو آپ کی وہاں پیپلز پارٹی والوں سے بھی کوئی ملاقات یا بات چیت ہوئی؟۔

پیر صاحب..... چکلالہ کے جس میس میں ہمیں ٹھہرایا گیا' اسی میں سامنے دیوار کے پار وہ بھی بیٹھے تھے۔ میں خود ان سے ملنے گیا۔ قومی اتحاد والے خفا بھی ہوئے 'مگر میں نے کہا کہ میری اور ان کی سیاسی واسطہ داری ہے۔ ہم دونوں کو ایک ہی میدان میں رہنا ہے تو پھر ملاقات کیوں نہ کی جائے۔

سوال..... ان سے کیا باتیں ہوئیں؟۔

پیر صاحب..... کچھ بھی نہیں۔ کیا باتیں ہونا تھیں؟ بس رسمی سی بات چیت ہوئی۔

سوال..... ہاں تو' آپ کہہ رہے تھے کہ آئندہ جو بھی صدر ہو گا' اسے صدر ضیاءالحق والے اختیارات حاصل نہیں ہوں گے۔

پیر صاحب..... کیونکہ یہ " دی ریفرنڈم " کے سائے میں ہیں۔ اسے یہ سایہ میسر نہیں ہو گا۔

سوال..... کسی نئے ریفرنڈم کے امکانات کہاں تک ہیں؟۔

پیر صاحب..... مجھے تو علم نہیں۔ منتخب ایوان جانے یا اس کا وزیر اعظم۔

سوال..... یہ بھی پلاننگ کا حصہ تو نہیں تھا؟۔

پیر صاحب..... کون سا؟۔

سوال..... کہ ایک اور ریفرنڈم ہو گا؟۔

پیر صاحب..... میرے ساتھ تو اس وقت صرف ایک ہی ریفرنڈم کی بات ہوئی تھی 'اور ہم نے کہا تھا ٹھیک ہے چلو' جان چھڑاؤ۔ حالانکہ ہم نے ان سے کہا تھا کہ یہ غیر ضروری ہے۔ مگر چونکہ صدر صاحب نے خود کو منتخب کروانا تھا' اس لئے انہوں نے اسے ضروری سمجھا۔

سوال..... کیا وہ نارمل قانونی اور آئینی طریقے سے خود کو منتخب نہیں کروا سکتے تھے؟۔

پیر صاحب..... یہ تو کوئی ان سے پوچھے۔ میں بھلا کیا جواب دے سکتا ہوں؟۔

سوال..... گویا اعتماد کی فضا نہیں تھی۔

پیر صاحب...... یا تو انہیں اس وقت کسی پر بھروسا نہیں تھا یا پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے کسی سے بنا کر نہیں رکھی تھی۔

سوال...... اس بات کا امکان کہاں تک ہے کہ وہ بھی مصر کے صدر حسنی مبارک کی طرح موجودہ پارلیمینٹ کو توڑنے کے لئے ایک ریفرنڈم کروا دیں؟۔

پیر صاحب...... یہ تو آپ وزیر قانون سے پوچھیں کہ اس قسم کے کسی ریفرنڈم کے امکانات کہاں تک ہیں۔ میں تو صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ اب کی بار ووٹ دینے کے لئے فرشتے نہیں آئیں گے بلکہ عوام ہی سے ووٹ حاصل کرنا ہو گا اور عوام کسی بھی طور پر جمہوری نظام کے خلاف ووٹ نہیں دیں گے۔

سوال...... بالفرض اگر فرشتوں کے ووٹوں ہی سے ایسا کوئی فیصلہ کیا گیا تو آپ کا رویہ کیا ہو گا؟ کیا آپ اسے چلنے دیں گے ۔

پیر صاحب...... ایسا کوئی فیصلہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اگر کیا گیا تو ایم آر ڈی والے اسے چلنے نہیں دیں گے۔ اور ہماری تو کوئی جماعت ہی نہیں :۔

سوال...... کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آئندہ انتخابات میں مسلم لیگ اور اس کے موجودہ صدر اور سیکرٹری جنرل عوام کا سامنا کر سکیں گے؟ اور کیا یہ الیکشن جیت سکیں گے؟۔

پیر صاحب...... دیکھو بھئی' سیاسی جماعتوں میں ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے عہدیدار پہلے اپنی پارٹی کا سامنا کرتے ہیں' پھر وہ پارٹی عوام کا سامنا کرتی ہے۔

سوال...... اس بات کا کوئی امکان تو نہیں کہ جو کھیر آپ نے پکا کر ان لوگوں کے آگے رکھ دی' وہ بھی ضائع ہو جائے گی؟۔

پیر صاحب...... ان کے لئے تو ہم نے کچھ بنایا ہی نہیں بس یہی کھیر ہے جو ہم نے پکائی تھی' مگر اس پر مکھیاں بیٹھتی جا رہی ہیں (قہقہہ) اور کھیر کم ہے' مکھیاں زیادہ ہو گئی ہیں............ سمجھ میں آیا؟

سوال...... یہی تو پوچھ رہا ہوں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ کھیر چلی جائے اور مکھیاں رہ جائیں؟۔

پیر صاحب...... مکھیاں پھر کہاں؟ مکھیاں تو کھیر کے ساتھ ہی اڑ جائیں گی؟ (قہقہہ)

سوال...... پیر صاحب' کیا آپ واقعی محسوس کرتے ہیں کہ موجودہ مسلم لیگ آئندہ انتخابات جیت سکتی ہے؟۔

پیر صاحب...... یہ تو مسلم لیگ کی تنظیم پر منحصر ہے' اور تنظیم وزراء اعلیٰ کے سپرد ہے' جو میجر شیئر ہولڈر کے مفاد یافتگان ہیں۔ اس وقت جماعت کی تنظیم میں جو رکاوٹیں ہیں اور جو بدانتظامیاں ہو رہی ہیں' وہ تو وزراء اعلیٰ حضرات ہی پیدا کر رہے ہیں۔ گویا وہ میجر شیئر ہولڈر کو زیادہ سے زیادہ نچوڑ لینا چاہتے ہیں۔ رہے ہم' تو ہمارا کیا ہے ہم تو کالعدم ہیں۔ ہمیں تو کسی نے کھیر کی مکھی تک بننے نہیں دیا (قہقہہ)

سوال...... اندریں حالات اگر آپ کو مسلم لیگ کی صدارت سنبھالنا پڑے تو؟۔

پیر صاحب..... جس جماعت کا میں بنیادی رکن تک نہیں' اس کا صدر کیسے بن سکتا ہوں؟ لیکن ہو سکتا ہے کہ کسی روز غصے میں آکر اپنی جماعت کو رجسٹر کرا لوں اور صدر بن بیٹھوں ۔ یہ باتیں بھی تو سوچنے کی ہیں۔

سوال..... آپ کی خانقاہ کے جو متفقین آپ کے ذریعے اقتدار میں آئے' وہ اقتدار میں آتے ہی آپ کو دھوکا کیوں دیتے رہے؟۔

پیر صاحب..... آپ اس کی کوئی مثال بتائیں؟۔

سوال..... ایک مثال تو جام صادق علی کی ہے............

پیر صاحب..... جام صادق علی کے دھوکے کی بات یہ ہے کہ وہ جہاں بھی ہوتا ہے' صرف اپنے ہی کنٹرول میں ہوتا ہے۔ اور اپنے لئے راہ ہموار کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اگر وہ میرے کنٹرول میں ہوتا تو آج بھی ہم اسے اسی طرح کی خدمات سپرد کرتے' جن پر وہ فخر کر سکتا۔ ایک بار ہمارے کنٹرول سے گیا تو گیا۔

سوال..... اب جس موجودہ متفق کو آپ نے خدمات سپرد کی ہیں............

پیر صاحب..... کون سا متفق.....؟

سوال..... محمد خان جونیجو..... کیا وہ آپ کے کنٹرول میں ہے؟۔

پیر صاحب.....وہ؟ ہمارا متفق؟..... ہم تو اس کے متفق نہیں ہیں۔ وہ جہاں ہے خود اپنے کنٹرول میں ہے اور اپنے لئے راہ ہموار کر رہا ہے۔

سوال..... اس کے جام صادق علی بننے کے امکانات کہاں تک ہیں؟۔

پیر صاحب..... جام صادق علی بن جائے پھر............ اپنا ہی نقصان کرے گا' ہمارا کیا جائے گا۔ ہمارا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ سمجھ گئے؟ نقصان اپنا ہی کرے گا۔ ہمارا کچھ نہیں بگڑنا۔ مجھے یاد ہے' ۱۹۵۴ء میں جب ڈگلس آیا تھا تو کراچی کی سرکاری ضیافت میں اس وقت کا گورنر جنرل غلام محمد زمین پر اپنا عصا زور زور سے مار کر پیر علی محمد راشدی سے کہہ رہا تھا کہ میں پیر صاحب کی کھوپڑی توڑ دوں گا۔ اس وقت سے میں تو یہی دیکھ رہا ہوں کہ سب میری کھوپڑی توڑنے کے خواب دیکھتے رہے اور اپنی کھوپڑیاں تڑوا کر چلے گئے۔ میرا کچھ نہیں بگڑا۔ جو کچھ بگڑنا ہے' انہی کا بگڑنا ہے۔

سوال..... دیکھئے' آپ جو بھی کہیں' مگر جس طرح آیت اللہ خمینی موجودہ ایران کے معاملات کے بارے میں بری الذمہ نہیں ہو سکتے' اسی طرح آپ کو بھی کل اس تمام معاملے کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا جواب چل رہا ہے۔

پیر صاحب..... میرا معاملہ آیت اللہ خمینی سے یکسر مختلف ہے۔ میں ان کے تمام معاملات سے بری الذمہ ہوں کیونکہ جو نیک کام ہوتا ہے' وہ تو یہ سارے کا سارا اپنی جھولی میں ڈال لیتے ہیں اور جو برائیاں ہوتی ہیں' وہ میرے کھاتے میں لکھ دیتے ہیں۔ جبکہ میرا عمل دخل نہ برائی میں ہے' نہ بھلائی میں۔ مکھیاں جانیں اور کھیر جانے۔ ہمارا کسی سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہم تو کسی کی سفارش بھی کریں تو اس کا کام بگاڑ دیا جاتا ہے۔

سوال...... مگر بہر حال یہ لوگ آپ کی ذمے داری ہیں۔

پیر صاحب...... دیکھو بھئی' ۱۹۷۳ء میں ہمیں جو کچھ ملا تھا' اس میں سے جو کچھ بچ سکا یا اس میں جو اضافہ ہم کر سکے' وہ سب آپ کے سامنے ہے۔ ہم نے تو صرف یہ کیا کہ اس کی پوری حفاظت کی اور اسے ضائع نہیں ہونے دیا۔

سوال...... گویا مسلم لیگ کے بطور قومی جماعت کے منظم ہونے اور ابھرنے کے کوئی امکانات نہیں ہیں؟۔

پیر صاحب...... امکانات بہت تھے اور ہیں' مگر اسے ابھرنے نہیں دیا جا رہا۔ ہر صوبے میں یہ ایک مختلف جماعت ہے۔ صدر مملکت نے مارشل لا میں جو وزراء اعلیٰ تخلیق کئے' انہی کو پارٹی کا صوبائی صدر بھی بنا دیا گیا۔ اب ظاہر ہے کہ مسلم لیگ کو چلانے میں انہیں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اگر صوبائی سطح تک وزراء اعلیٰ پارٹی کے سربراہ نہ ہوں تو مسلم لیگ منظم ہو سکتی ہے۔ ورنہ یہ لوگ تو اسے منظم کیسے ہونے دیں گے کیونکہ جو لوگ مسلم لیگی ہیں ہی نہیں' وہ مسلم لیگ کو منظم کیسے ہونے دے سکتے ہیں۔



مفاد یافتہ بلونگڑے

اس کتاب کے لئے پیر صاحب کے خصوصی انٹرویو کا دوسرا حصہ

سوال...... یہ سوال ذرا تفصیل طلب ہے کہ آپ ۷۳-۱۹۷۲ء میں مسلم لیگ کے صدر کیوں بنے؟

پیر صاحب...... دراصل میں پہلے متحدہ جمہوری محاذ کا صدر منتخب ہوا تھا اور یہیں سے بات مسلم لیگ کی صدارت تک جا پہنچی۔ متحدہ جمہوری محاذ میں مسلم لیگ کے جو چار نمائندے تھے' میں ان میں سے ایک تھا اور جب مجھے صدر بنا دیا گیا تو مسلم لیگ والوں نے سوچا کہ ہمارا جو نمائندہ متحدہ محاذ کا سربراہ ہے' اس کو مسلم لیگ کا سربراہ بھی بنا دیا جائے۔ ایک بات انہوں نے یہ بھی سوچی کہ میں ناتجربہ کار آدمی ہوں' اس لئے انہیں میری صدارت کے باوجود' مسلم لیگ کو اپنی خواہشات کے مطابق چلانے میں آسانی رہے گی۔ جیسا کہ بعد میں ظاہر بھی ہوا کہ انہیں ایک کاٹھ کے صدر کی ضرورت تھی' جس کے نام پر وہ اپنی کارروائیاں جاری رکھنا چاہتے تھے۔ ابھی میں نے صدارت سنبھالی ہی تھی کہ ایک روز یہ لوگ میرے پاس آئے اور مرحوم انعام نبی پردیسی نے ایک پریس ریلیز دکھاتے ہوئے کہا کہ ہم نے اسے اخبارات کو جاری کر دیا ہے۔ اب آپ اس پر دستخط کر دیں۔ میں نے کہا کہ آپ اس پریس ریلیز کو فوراً واپس لیں کیونکہ میں نے پریس کانفرنس بلائی ہے اور اس میں اپنے طریقے سے بات کروں گا۔ پریس ریلیز تو ان لوگوں نے واپس لے لی' مگر مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ کس انداز میں مسلم لیگ کو چلانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اور (ہنستے ہوئے) میرا خیال ہے' انہیں بھی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میں کس قسم کا صدر ثابت ہونے والا ہوں۔ یہ پریس ریلیز چودھری ظہور الٰہی' حسن محمود' انعام نبی پردیسی اور خواجہ صفدر وغیرہ لے کر آئے تھے' اور میں نے انہیں باور کرانے کی کوشش کی کہ میں محض کاغذی صدر ثابت نہیں ہوں گا۔ خیر' اس کے بعد میری صدارت میں مسلم لیگ کا پہلا اجلاس ہوا' جس میں ان لوگوں نے میاں ممتاز دولتانہ اور سردار شوکت حیات کو مسلم لیگ سے نکال دیا۔ میں نے ان سے کہا کہ آج میرا پہلا دن ہے اور آج ہی آپ مسلم لیگ کے دو سابق صدر حضرات کو پارٹی سے نکال باہر کر رہے ہیں' جو مناسب محسوس نہیں ہوتا۔ لوگ یہی سمجھیں گے کہ میرا قدم مسلم لیگ میں کافی سخت ہے لیکن اس قسم کی حرکتوں سے ایک بات واضح ہو گئی' اور وہ یہ کہ بعض "مسلم لیگی عمائدین" جو مجھے صدارت کے لئے لے کر آئے تھے' فیصلے خود کرنا چاہتے تھے اور نام میرا استعمال کرنے کی فکر میں تھے۔ اس وقت تک مجھے مسلم لیگ کے آئین کا پورا علم نہیں تھا۔ اس لئے میں نے بھی انہیں اجازت دے

دی کیونکہ میں بھٹو کا مقابلہ صرف سندھ کی سطح پر نہیں بلکہ قومی سطح پر کرنا چاہتا تھا اور مسلم لیگ اس سلسلے میں ایک مناسب پلیٹ فارم تھی۔ ان لوگوں کے اس انداز کے اقدامات کا ایک فائدہ ضرور ہوا اور وہ یہ کہ میں نے مسلم لیگ کے آئین کو سمجھنے کی کوشش شروع کر دی۔

سوال...... میاں دولتانہ اور شوکت حیات کو نکالنے کی تحریک کس نے پیش کی تھی؟

پیر صاحب...... تحریک پیش کرنے والوں کے نام تو اس وقت ذہن میں نہیں، مگر جو لوگ ان دونوں زعماء کو مسلم لیگ سے نکالنے پر تلے ہوئے تھے، ان میں اس وقت کے سیکرٹری جنرل ملک محمد قاسم کا نام سر فہرست تھا۔

سوال...... خیر، اس کے بعد یہ ہوا کہ ۱۹۷۳ء کی تحریک چلی......

پیر صاحب...... میں نے ۱۹۷۳ء کی تحریک کی مخالفت کی تھی متحدہ جمہوری محاذ کے میری صدارت میں ہونے والے ایک اجلاس میں اس پر غور کیا گیا اور ہم نے اسے مسترد کر دیا۔ مگر پھر یوں ہوا کہ سندھ بلاخیز طوفانوں کی زد میں آ گیا اور مجھے وہاں جانا پڑا۔ میری اس غیر حاضری میں ان لوگوں نے دوبارہ اجلاس بلایا اور تحریک چلانے کا فیصلہ کر لیا۔ مجھے جب اس "تحریک" کا علم ہوا تو میں نے کہا کہ پنجاب والوں نے تحریک چلانے کا فیصلہ ہماری عدم موجودگی میں کیا ہے اس لئے اب اس تحریک کو چلانا بھی انہی کی ذمے داری ہے۔ جہاں تک سندھ کا تعلق ہے، وہ اس تحریک میں شامل نہیں ہوا، کیونکہ ہم نے لوگوں کو منع کر دیا تھا۔

سوال...... آپ نے اس تحریک میں حصہ کیوں نہیں لیا؟

پیر صاحب...... دراصل متحدہ جمہوری محاذ سے قبل مسلم لیگ کے اجلاس میں اس مجوزہ "تحریک" پر بحث ہوئی تھی ملک قاسم، چٹھہ صاحب اور بعض دیگر رہنما اس بات پر اڑے ہوئے تھے کہ تحریک چلائی جانی چاہئے، مگر میرا موقف یہ تھا اور ہے کہ جب تک ہم کارکنوں کو تحفظ فراہم نہ کر سکیں، کوئی تحریک نہیں چلانی چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ صدر بننے کے بعد میں نے سب سے پہلا کام ہی یہ کیا کہ کارکنوں کے استحصال کو روک دیا۔ اور یہی وجہ تھی کہ ۱۹۷۸ء میں جب میرے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کی گئی، تو مسلم لیگی کارکنوں اور کونسلروں نے کھل کر میرا ساتھ دیا اور ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جن سے میری براہ راست سلام دعا بھی شاید کبھی نہ ہوئی ہو۔ میں سمجھتا ہوں یہ میرے انہی اقدامات کا نتیجہ تھا کہ کارکنوں اور کونسلروں نے اپنے پنجاب کے رہنماؤں کی مخالفت کے باوجود میری حمایت کی۔ میں نے کارکنوں کو تحفظ فراہم کرنے اور انکی عزت و وقار میں اضافہ کرنے کی جو کوششیں کیں، یہ گویا ان کا بدیہی نتیجہ تھا۔

سوال...... اس کے علاوہ آپ نے مسلم لیگ کے لئے کیا کچھ کیا؟

پیر صاحب...... مجھ سے پہلے مسلم لیگ کا دستور یہ تھا کہ اوپر والے فیصلہ کرتے اور بعد میں کارکنوں کو رسمی طور پر اس فیصلے سے مطلع کر دیا جاتا میں نے یہ کیا کہ مجلس عاملہ کے اراکین کے ساتھ ساتھ عام کارکنوں کو بھی فیصلوں میں شریک کرنا شروع کیا۔ اکثر اجلاسوں میں دو اڑھائی سو کے قریب مختلف الخیال مسلم لیگی کارکن اکٹھے ہوتے اور انہیں اظہار رائے کا پورا موقع فراہم کیا جاتا۔ پھر ان آرا کی روشنی میں فیصلہ کر کے ہم کارکنوں اور کونسلروں کو

اعتماد میں لیتے۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ کارکنوں کے اندر پارٹی کے فیصلوں میں شرکت کا احساس پیدا ہوا۔ دوسرا اور دور رس فائدہ یہ ہوا کہ کارکنوں کو اپنے لیڈروں کے ظاہر و باطن کا پتا چل گیا کہ کون اندر کیا بات کرتا ہے اور کس کی ترجمانی کا حق ادا کرتا ہے۔

سوال..... آپ کی آمد سے پہلے یہ تاثر عام تھا کہ مسلم لیگ محض ڈرائینگ روم کی سیاست کرنے والی جماعت ہے۔

پیر صاحب..... باشعور لوگ چوراہوں پر بھنگڑا تو نہیں ڈالتے۔ وہ ڈرائنگ روم یا دفاتر ہی میں بیٹھ کر سوچتے اور فیصلہ کرتے ہیں۔ پھر جو راہ عمل متعین کی جائے' اسے باہر سیاسی میدان میں عمل کے لئے لے کر جانا کارکن کا کام ہے۔ اور مسلم لیگی کارکنوں نے اس سے کبھی گریز یا انکار نہیں کیا۔

سوال..... آپ نے کارکنوں کے تحفظ کی جو بات کی' اس سے آپ کی مراد کیا تھی؟

پیر صاحب..... بھٹو صاحب کی مخالفت کے جرم میں جو کارکن جیل جاتے اور مار پٹائی کا سامنا کرتے' ان کی قانونی امداد' ضمانتوں کا بندوبست' بچوں کی نگہداشت' یہ آخر کس کے ذمے تھی؟ سیاسی کارکن وہ طبقہ ہوتا ہے جو اپنے گھر سے کھا کر جماعت کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دیتا ہے۔ اب اگر جماعت ان کارکنوں کو تحفظ فراہم نہیں کر سکتی تو ان بے چاروں کو آگے بڑھا کر قربانی کا بکرا بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ آخر انہیں تکلیف میں کیوں ڈالا جائے؟

سوال..... اچھا' یہ بتائیے کہ متحدہ جمہوری محاذ میں مسلم لیگ کی حیثیت کیا تھی؟

پیر صاحب..... جمہوری محاذ والوں نے مسلم لیگ کو بطور مسلم لیگ کبھی قبول ہی نہیں کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ ایک مرا ہوا گھوڑا ہے۔ انہیں پنجاب سے بعض مسلم لیگی لیڈروں کے ناموں (Goodwill) اور سندھ سے پیر پگارا کی ضرورت تھی۔ لیکن حالات آہستہ آہستہ بدلتے گئے اور مسلم لیگ کی مثبت اور جامع پالیسی نے اپنا مقام بنانا شروع کر دیا۔ پھر جب پی این اے کے دور میں ساری جماعتوں کے لیڈر اندر بند ہو چکے تھے اور صرف مسلم لیگ کا لیڈر باہر رہ کر اپنے انداز میں بھٹو کا مقابلہ کر رہا تھا' تو اس سے بھی لوگوں کی توجہ مسلم لیگ کی طرف بڑھی۔ انہیں یہ بھی یاد آیا ہو گا کہ ۱۹۷۳ء میں مسلم لیگ کے صدر اور کچھ مسلم لیگی کارکنوں نے صورت حال کا جو تجزیہ کیا تھا' وہی آخر کار درست نکلا اور جو لیڈر تحریک چلانے نکلے' انہوں نے نہ صرف وقت غلط چنا بلکہ ان کی تحریک بھی نہ چل سکی۔ محض رینگ کر رہ گئی۔ ان سب باتوں کے نتیجے میں مسلم لیگ کا بھرم بڑھتا گیا جبکہ دوسروں کا جتنا پہلے تھا' اب بھی اتنا ہی ہے۔

سوال..... اس دور میں مسلم لیگیوں کا آپس میں کیا رویہ تھا؟

پیر صاحب..... مسلم لیگی ہمیشہ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچتے رہے۔ یہ سلسلہ مجھ سے پہلے بھی چل رہا تھا اور میری آمد کے بعد بھی جاری رہا۔ فرق صرف اتنا پڑا کہ اب ان سب نے مل کر میری ٹانگ کھینچنا شروع کر دی۔ یہ سلسلہ پہلے بھی جاری تھا اور اب بھی جاری ہے۔

سوال...... آخر ان لوگوں کو آپ سے شکایت کیا تھی، جبکہ آپ نے مسلم لیگ کو پہلے کے مقابلے میں کافی مضبوط بھی بنایا؟

پیر صاحب...... وہ جماعت کو مضبوط یا کمزور دیکھنے سے زیادہ اس بات کے خواہاں تھے کہ جماعت جیسی بھی ہو بہر حال ان کے اپنے کنٹرول میں رہے۔ اور یہ ان کی وہ خواہش تھی جو میں پوری نہیں ہونے دیتا تھا۔ اصل شکایت یہ تھی۔

سوال...... آخر یہ کون لوگ تھے؟ آپ ان کے نام لینا پسند کریں گے؟

پیر صاحب...... نام لینے کی کیا ضرورت ہے۔ پارٹی اجلاسوں کی روداد موجود ہے اور جو کچھ مسلم لیگ میں ہوتا رہا، وہ کوئی ڈھکی چھپی بات تو نہیں ہے۔

سوال...... اس سے آپ کو دقت تو پیش آتی ہوگی؟

پیر صاحب...... نہیں، کوئی دقت نہیں تھی۔ جب میں نے ایک بار آئین کو پڑھ لیا تو پھر کبھی کوئی دقت نہیں ہوئی۔ آپ مسلم لیگ کے اجلاسوں کی روداد دیکھیں گے تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ ان اجلاسوں میں مسلم لیگی لیڈروں کی ایک اپنی "لائن" ہوتی تھی وہ اپنے اپنے انداز میں حالات کا تجزیہ کرتے اور تخمینے لگانے کے بعد تجاویز مرتب کرتے رہتے۔ مگر میں وہی فیصلہ کرتا جو میری سمجھ میں آتا اور جس کی ذمے داری میں قبول کر سکتا تھا۔ میری ان باتوں کو کارکن حضرات پسند بھی کرتے اور ان پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ مجھ پر بار بار اظہار اعتماد بھی کرتے۔ مگر یہ رویہ صرف کارکنوں کا تھا لیڈروں کا نہیں۔ لیڈروں سے میرا معاملہ کبھی طے نہیں ہو سکا۔

سوال...... چلیے کم از کم یہی بتا دیجیے کہ ان لیڈروں کا تعلق کس صوبے سے تھا؟

پیر صاحب...... اس بات کو چھوڑیے اس میں کیا رکھا ہے۔ یوں بھی، مثال کے طور پر خواجہ خیرالدین کو دیکھیے اس کا کس صوبے سے تعلق ہے؟ لا وطن اور لاوارث آدمی ہے، مگر مسلم لیگ کا لیڈر تھا۔

سوال...... آخر کچھ تو بتائیے کہ اختلافات کیا تھے اور کیوں تھے؟

پیر صاحب...... دراصل یہ مسلم لیگ کے اندر بالادستی حاصل کرنے کا کھیل تھا۔ ایک دلچسپ واقعہ آپ کو سناتا ہوں، جس کا ایک گواہ تو فوت ہو چکا، مگر دوسرا یعنی حنیف رامے زندہ ہے۔ ہوا یوں کہ ۱۹۷۷ء میں جب کایا پلٹ ہو گئی اور بھٹو صاحب کو گرفتار کر لیا گیا تو لاہور میں مسلم لیگ کے ایک اجلاس کے بعد حنیف رامے نے مجھ سے کہا کہ میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں، مگر وہ بات کمرے میں نہیں ہو سکتی۔ باہر لان میں چلیں تو عرض کروں۔ میں نے کہا چلیے۔ لان میں آئے تو حنیف رامے نے بڑے اہتمام سے بات شروع کی کہنے لگے :

"دیکھیے حالات تبدیل ہو چکے ہیں۔ اب یا تو آپ آگے بڑھیں، اور اگر آپ آگے بڑھنا نہیں چاہتے تو میں سب سے زیادہ موزوں امیدوار ہوں"

میں نے کہا "دیکھو بھئی، یہ فیصلہ آپ پنجاب والوں نے کرنا ہے کہ کس کو کیا بننا ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں امیدوار نہیں ہوں۔ مگر فیصلہ کرنے کے بعد یہ ضرور بتا دیجیے گا کہ جب آپ شہید ہوں یا آپ کو شہید

کر دیا جائے تو آپ کہاں دفن ہونا پسند کریں گے؟ علامہ اقبال ؒ کے پہلو میں یا ہمارے قائد اعظم ؒ کے پاس؟ تاکہ ہم حسب ضرورت انتظامات کر لیں۔ بہر حال ' آپ فکر نہ کیجئے۔ میں امیدوار نہیں ہوں " دوسرے دن چودھری ظہور الٰہی آئے۔ ہم حسن محمود کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ کہنے لگے ' آپ سے ایک ضروری بات کرنا ہے مگر یہاں نہیں باہر لان میں چلئے تو عرض کروں۔ میں نے کہا چلئے لان میں آئے تو کہنے لگے۔

" آپ پہلے حق دار ہیں اگر آپ نہیں تو پھر میرا حق فائق ہے۔ مجھے موقع ملنا چاہئے کیونکہ میں موزوں ترین امیدوار ہوں "۔

میں نے کہا " چودھری صاحب! کل اسی طرح اسی لان میں یہی بات حنیف رامے صاحب نے بھی کہی تھی۔ اب میں تو کوئی فیصلہ کر نہیں سکتا۔ بہتر ہے آپ دونوں آپس میں طے کر لیں کہ کون پہلے نمبر کا امیدوار ہے اور کس کی حیثیت نمبر دو کی ہے "

میں تو ان سے یہ کہہ کے کراچی چلا آیا ' مگر دوسرے یا تیسرے روز اخبار میں پڑھا کہ رامے صاحب کی مسلم لیگ کی بنیادی رکنیت بھی ختم کر دی گئی ہے۔

سوال...... یہ رکنیت کس نے ختم کی؟

پیر صاحب...... اس وقت پنجاب مسلم لیگ کے صدر خواجہ صفدر تھے اور انہی کا یہ کارنامہ تھا۔ اس ایک واقعے سے آپ اندازہ لگالیں کہ یہ لوگ کس انداز کے کھیل کھیلتے رہے۔ حالانکہ تھا کچھ بھی نہیں ' مگر سارا وقت یہ لوگ ایک دوسرے کے حریف بنے رہے۔ رامے صاحب کو مسلم لیگ میں لانے والے بھی یہی لوگ تھے یعنی خواجہ صفدر ' ظہور الٰہی اور چیٹھہ صاحب ' مگر جب وہ ان کے راستے میں ' امیدوار بن کر ' کھڑا ہوا تو اسے نکال باہر کیا۔

سوال...... یہ امیدواری کس چیز کی تھی؟ مسلم لیگ کی صدارت کی یا............؟

پیر صاحب...... نہیں ' بھائی اس وقت مسلم لیگ کی صدارت سے انہیں کیا ملتا۔ یہ تو حکومت میں جانے کے لئے امیدواری کا جھگڑا تھا۔

سوال...... القصہ ' مسلم لیگ کے یہ معاملات یونہی چلتے رہے اور آخر کار پی این اے بن گئی۔

پیر صاحب...... ہاں ' بات دور نکل گئی۔ بات ہو رہی تھی مسلم لیگ اور جمہوری محاذ کی۔ جب انتخابات کا وقت قریب آیا تو میں یہاں کراچی میں تھا اور نورانی میاں اصغر خان سمیت مجھ سے بات کرنا چاہتے تھے۔ نورانی صاحب نے اس مقصد کے لئے کھانے کا اہتمام کیا۔ میں اس کھانے میں شیر باز خان مزاری صاحب کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ ہم چاروں میں بات شروع ہوئی تو متحدہ جمہوری محاذ کے ساتھ انتخابی اتحاد کا ذکر آیا اور نشستوں کے تناسب کی بات بھی ہوئی۔ مگر میں نے اس مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ متحدہ محاذ میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو بغیر کسی شرط کے ہوں۔ نشستوں کے تناسب کا معاملہ بعد کا ہے۔ کچھ دنوں بعد..... شاید دو یا تین روز بعد راولپنڈی میں متحدہ محاذ کا اجلاس ہوا جس میں اتحاد والوں نے تناسب کی بات مان لی اور طے پایا کہ نورانی

میاں اور اصغر خان کو متحدہ محاذ میں شامل کر لیا جائے۔ اب کیفیت یہ تھی کہ نورانی میاں چونکہ پہلے بھی اس اتحاد میں شامل رہے اور بعد میں علیحدہ ہو گئے تھے' اس لئے ان کے اصرار پر متحدہ جمہوری محاذ کا نام تبدیل کر کے پاکستان قومی اتحاد (پی این اے) رکھ دیا گیا۔ جس میں اصغر خان اور نورانی میاں بھی شامل ہو گئے۔

سوال...... اصغر خان اور نورانی میاں کا آپس میں کیا تعلق تھا؟

پیر صاحب...... ایک ملک کا صدر تھا' دوسرا وزیر اعظم۔ دونوں امیدوار تھے۔ نورانی میاں کو صدر مملکت بنانے پر اصغر خان متفق تھے جبکہ اصغر خان کے وزیر اعظم بننے پر نورانی میاں کو اعتراض نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی ان دونوں کا رویہ باقی رہنماؤں کے ساتھ سرپرستانہ انداز کا ہو جاتا اور اس پر خوب لے دے ہوا کرتی۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہم نورانی میاں کو تو پھر بھی ٹھیک سمجھتے تھے' مگر اصغر خان کس حساب سے ٹھیک تھے' یہ صرف نورانی میاں ہی کو معلوم ہو گا یہ بات ہماری سمجھ میں تو کبھی نہ آئی۔

سوال...... کیا یہ بات درست ہے کہ مولانا مفتی محمود کو پی این اے کا صدر بنوانے میں بھٹو صاحب کے خفیہ گٹھ جوڑ کا بھی دخل تھا' کیونکہ بھٹو صاحب اصغر خان کی قیادت سے خائف تھے؟

پیر صاحب...... مجھے تو ایسی کسی بات کا علم نہیں۔ البتہ نورانی میاں اور پروفیسر غفور دونوں نے علیحدہ علیحدہ مجھ سے کہا تھا کہ آپ (پیر پگارو) پی این اے کے صدر ہو جائیں۔ مگر جب ہم اجلاس میں پہنچے تو جماعت اسلامی نے اصغر خان کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ نورانی میاں نے میرا نام تجویز کیا جبکہ ایک اور صاحب نے (جن کا نام اس وقت ذہن میں نہیں) مولانا مفتی محمود کا نام پیش کر دیا۔ اس موقع پر میں نے مفتی صاحب کے نام کی تائید کا فیصلہ کیا اور اس کی وجہ یہی تھی کہ میرے پاس جلسے جلوسوں کے لئے نہ تو وقت تھا اور نہ یہ میرا مزاج تھا۔ لیکن اس موقع پر ہم نے پی این اے والوں سے یہ بات اصولی طور پر تسلیم کروالی کہ پارلیمانی بورڈ کا کنٹرول مسلم لیگ کے ہاتھ میں رہے گا۔ بعد میں مجھے پارلیمانی بورڈ کا سربراہ بنا دیا گیا۔ جبکہ مفتی صاحب پی این اے کے صدر بن گئے۔ لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آسکی کہ جماعت اسلامی والے' جو کراچی میں مجھے بار بار اس بات پر آمادہ کرتے رہے کہ میں پی این اے کی صدارت سنبھال لوں' اچانک اصغر خان کے حامی کیسے بن گئے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے' میں تو تمام فیصلے بطور پیر پگارا کیا کرتا تھا' جنہیں بعد میں مسلم لیگ' متحدہ جمہوری محاذ یا پاکستان قومی اتحاد (پی این اے) سے منظور کروالیا جاتا۔ میں نے اپنے جی میں پہلے ہی سے یہ ٹھان رکھی تھی کہ مفتی صاحب کی حمایت کرنا ہے۔ لیکن اس خیال کا اظہار پروفیسر صاحب یا کسی اور سے پیش از وقت اس لئے نہیں کیا کہ اس طرح معاملات بگڑنے کا امکان تھا۔ تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ میرے' مفتی صاحب اور پروفیسر غفور صاحب کے درمیان ذاتی سطح پر افہام و تفہیم کی فضا پہلے ہی سے موجود تھی اور آخر تک قائم رہی۔ رہا اصغر خان کی حمایت کا معاملہ تو اس کا فیصلہ بھی پروفیسر غفور کی بجائے میاں طفیل محمد اور منور صاحب نے کیا' جس کے بعد پروفیسر صاحب اپنی جماعت کی پالیسی کے پابند ہو گئے۔

سوال...... ان دنوں ایک خبر آئی تھی کہ آپ پی این اے کے اجلاسوں کے دوران میوزک سننا شروع کر

دیتے تھے جس پر بعض لوگوں کو اعتراض تھا؟

پیر صاحب ...... جس گھر میں پی این اے کا اجلاس ہوتا' وہاں حکومت کی جانب سے ایسے خفیہ آلات (Bugs) نصب کر دیئے جاتے' جن کے باعث ہماری خفیہ گفتگو بھی باہر بیٹھے ہوئے سی آئی ڈی والے سن سکتے تھے۔ میں نے اس کا علاج یہ نکالا کہ اجلاس کے دوران میوزک بجانا شروع کر دیا تاکہ ہم آپس میں جو بات کریں' وہ سی آئی ڈی والوں کو اول تو سنائی نہ دے اور اگر سنائی دے تو میوزک کے شور میں سمجھ میں نہ آئے۔ مگر ایک بات شاید آپ کو معلوم نہ ہو اور وہ یہ کہ پی این اے ان اجلاسوں میں قوالیاں نہیں سنی جاتی تھیں' بلکہ یہ جدید ترین انگریزی موسیقی کے ریکارڈ ہوتے تھے۔

سوال...... بعض سابق پولیس افسروں نے اس دور کے حوالے سے انکشاف کیا ہے کہ پی این اے کے بعض لیڈر حکومت کے مخبر بھی تھے وہ خود ہی رپورٹ پہنچا دیتے کہ خفیہ اجلاس میں کیا ہوا۔

پیر صاحب...... جی ہاں! رپورٹ تو بہت سے کرتے تھے...... بلکہ کراچی کے ایک اجلاس میں تو یہ بھی ہوا کہ ایک اہم مسودہ جسے ہم خفیہ رکھنا چاہتے تھے' اس کی کل چھ نقول بنوا کر اجلاس کے دوران چھ بڑے لیڈروں میں تقسیم کی گئیں' جن میں سے ایک دوران اجلاس ہی غائب ہو گئی۔ اب یہ کہاں پہنچی' اور کیسے پہنچی یہ ان سے پوچھیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے' میں نے مسلم لیگ یا پی این اے کا کوئی کاغذ یا پیسہ کبھی اپنے پاس نہیں رکھا۔ پیسے بھی ان کے پاس ہوتے تھے اور کاغذات بھی۔ تمام اجلاسوں کی کارروائی کا ریکارڈ اور دیگر دستاویزات یہ بھی انہی کے پاس رہتے تھے۔

سوال...... اچھا' یہ بتائیے کہ رفیق باجوہ والا معاملہ کیا تھا؟ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک سازش کا شکار ہوئے یہ سازش کیا تھی اور کس نے تیار کی؟

پیر صاحب...... رفیق باجوہ والے معاملے کا ہمیں پورا علم نہیں۔ مگر اس زمانے میں یہ ضرور سنا تھا کہ اس تمام کارروائی کے پیچھے نواب زادہ صاحب کے ایک دوست کا ہاتھ ہے۔ یہ دوست کسی اخبار کا ایڈیٹر تھا یا شاید وزارت اطلاعات کا کوئی کرتا دھرتا ہو۔ مجھے اس کا نام یاد نہیں۔ مگر اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ وہ ایک گنجا آدمی تھا جسے ہم صرف نواب زادہ صاحب کے دوست کی حیثیت سے جانتے تھے۔ اسی کے ذریعے تمام پیغامات آئے اور پھر رفیق باجوہ خود گئے یا انہیں بھیجا گیا۔ یہ ساری بات نواب زادہ صاحب ہی کو معلوم ہو گی۔ مگر رفیق باجوہ صاحب یہ ضرور کہتے رہے کہ میں ایسا بھی گنہگار نہیں جیسا مجھے ثابت کیا جا رہا ہے۔ تاہم ایک بات ضرور ہے اور وہ یہ کہ رفیق باجوہ بطور سیکرٹری جنرل کوئی فیصلہ کن یا حتمی کردار ادا نہیں کر سکتے تھے۔ فیصلہ بہر حال پی این اے کے لیڈروں کو کرنا تھا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ بھٹو حکومت کے لئے مخبری کا کام بھی ہمارے بعض لیڈر حضرات ہی کرتے تھے۔ البتہ رفیق باجوہ کا پی این اے سے نکل جانا اس لئے ضروری ہو گیا تھا کہ دونوں جانب سے اتنی باتیں ہو چکی تھیں کہ ان کا پی این اے میں مزید رہنا شاید بہتر نہ ہوتا۔ رفیق باجوہ کے بعد ملک قاسم کو سیکرٹری جنرل بنانے کی کوشش کی گئی' مگر ہم نے پروفیسر غفور احمد کی حمایت کی۔ کیونکہ ملک قاسم شاید اپنے کام کے تو ہوں مگر ہمارے کام کے

سیکرٹری جنرل نہیں تھے۔ ملک قاسم کی سیاسی زندگی۔ ان کے کارناموں اور کارروائیوں کو دیکھئے تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ وہ کس کے کام کے آدمی تھے۔ مگر میں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ وہ کام کے سیکرٹری جنرل تھے۔ بلکہ یہاں تک بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایس ایم ظفر سے کہیں بہتر سیکرٹری جنرل تھے۔ ایس ایم ظفر تو اپنی قانونی موشگافیوں کی نذر ہو گیا' مگر ملک قاسم کا ذہن بہرحال سیاسی تھا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ وہ میرے کام کے نہیں تھے۔ انہوں نے پوری کوشش کی کہ میری پالیسی کے خلاف اپنے بعض دیگر سرپرستوں کی پالیسیوں کو آگے بڑھائیں۔ مگر مسلم لیگ کا دستور ہی ایسا ہے کہ اس میں صرف صدر کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

سوال..... یہ نیلے گنبد کے جلوس کا کیا قصہ تھا؟ آپ نے اس کی قیادت کیوں نہیں کی' جب کہ اعلان یہی کیا گیا تھا؟

پیر صاحب..... ہم اس روز نیلے گنبد گئے تھے' نماز بھی پڑھی اور دو رکعت نفل بھی ادا کئے۔ کوئی ڈیڑھ دو سو گز تک جلوس کی قیادت بھی کی۔ مگر چونکہ ملک قاسم جیل جا کر لیڈر بننے کے لئے بہت بے چین تھے' اس لئے ابتدائی دو سو گز کے بعد قیادت انہوں نے سنبھال لی۔ ان کا خیال تھا کہ اندر جانے سے آدمی جلد اور بڑا لیڈر بن جاتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ باہر رہ کر مقابلہ کرتے رہنا چاہئے اور اپنی طاقت کو اس انداز میں بچا کر رکھنا چاہئے کہ بوقت ضرورت اس سے کام لیا جا سکے۔

سوال..... لانگ مارچ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ یہ کس کا فیصلہ تھا؟

پیر صاحب..... لانگ مارچ کا فیصلہ میرے پہنچنے سے پہلے ہو چکا تھا۔ ان سب لیڈروں کو معلوم تھا کہ مجھے کراچی سے آنا ہوتا ہے مگر وہ حرکت یہ کرتے کہ میرے جہاز کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنا اجلاس منعقد کر کے بعض ایسے فیصلے کر لیتے جن کے بارے میں انہیں یہ خدشہ ہوتا کہ میں ان کی مخالفت کروں گا۔ ایک بار میں نے احتجاج بھی کیا کہ یا تو آپ مجھے بلایا نہ کریں اور اگر بلاتے ہیں تو پھر انتظار بھی کر لیا کریں۔ ایک بار یہ بھی ہوا کہ پی این اے کا اجلاس جو ہمیشہ مسلم لیگ کے دفتر میں ہوا کرتا تھا' لاہور میں اصغر خان کی قیام گاہ پر منعقد کیا گیا۔ میں نے اس پر بھی اعتراض کیا اور انہیں بتایا کہ جب یہ طے ہے کہ پی این اے کا ہیڈ کوارٹر مسلم لیگ کا دفتر ہے تو پھر اصغر خان کی قیام گاہ پر اجلاس کیوں بلایا گیا ہے۔ میں نے اس اجلاس میں شرکت سے انکار کر دیا جس پر محمود علی قصوری صاحب نے تسلیم کیا کہ یہ واقعی ایک غلط بات تھی اور اجلاس مسلم لیگ کے دفتر ہی میں منعقد ہونا چاہئے تھا۔ اس اجلاس کے بارے میں میرا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ ہمیں ایک جگہ کا بتا کر اجلاس دوسری جگہ منعقد کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ہمیں بہ لطائف الحیل اجلاس میں شرکت سے باز رکھا جائے۔ خیر بات ہو رہی تھی لانگ مارچ کی۔ تو یہ فیصلہ بھی میرے کراچی سے لاہور پہنچنے تک ہو چکا تھا۔ اس پر وہاں موجود حمزہ اور رانا نذر الرحمٰن سے میری کافی مغزماری بھی ہوئی۔ میں نے کہا جناب آپ کو معلوم بھی ہے کہ لانگ مارچ ہوتا کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ کی بات درست ہے مگر اب کرفیو کا وقت ہو رہا ہے اور فیصلہ تبدیل کرنے کا وقت یوں بھی نہیں رہا کہ ہم اس حوالے سے اپنی پریس ریلیز اخبارات کو بھجوا چکے ہیں۔

سوال...... آپ کو لانگ مارچ پر کیا اعتراض تھا؟

پیر صاحب...... میرا استفسار یہ تھا کہ آخر یہ کس قسم کا لانگ مارچ ہو گا۔ ماؤزے تنگ والا تو ظاہر ہے کہ ہو نہیں سکتا۔ پھر آخر کیسا ہو گا۔ دوسری بات یہ کہ لانگ مارچ میں شریک ہونے والوں کے تحفظ اور ان کے اخراجات کا انتظام کہاں سے اور کیسے ہو گا۔ آخر پروگرام کیا تھا۔ بس یہی کہ لانگ مارچ ہو گا۔ چلو' بھئی چلو یہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ راستے میں کیا کرنا ہے' کس نے کہاں سے شرکت کرنی ہے' کس نے کس کا کہاں پر استقبال کرنا ہے ان سب باتوں پر کسی نے غور تک کرنے کی زحمت نہ کی اور یہ اعلان کر دیا کہ لانگ مارچ ہو گا۔ بہر حال یہ فیصلہ ہماری آمد سے قبل ہو چکا تھا' اور اس کا جو انجام ہوا وہ آپ کے سامنے ہے۔

سوال...... لانگ مارچ والے دن آپ کو تو نظر بند کر دیا گیا تھا؟

پیر صاحب...... ہاں ہمیں نظر بند کر دیا گیا تھا۔

سوال...... اس نظر بندی کی اصل کہانی کیا تھی؟

پیر صاحب...... غیر ملکی اخبار نویسوں نے مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ۲۹ اپریل کو میں سہالہ سے انٹر کانٹی نینٹل آجاؤں تو بہتر ہے کیونکہ کرفیو کے باعث راستے بند ہوں گے اور اسلام آباد میں میری قیام گاہ تک پہنچنا ان کے لئے مشکل ہو گا۔ میں نے ان کی یہ تجویز مان لی اور چونکہ بہت دیر ہو چکی تھی اس لئے رات وہیں رہ گیا۔ صبح معلوم ہوا کہ آپ کو کمرے سے نکلنے کی اجازت نہیں۔ اس لئے ہم دوبارہ سو گئے۔ حتیٰ کہ بھٹو صاحب ملنے آئے اور ان کی آمد کا سن کر ہم نے قمیص پہن لی (قہقہہ)

سوال...... ان دنوں آپ ایک بات علی التواتر کہتے رہے اور وہ یہ کہ اب بھٹو جانے ہی والا ہے۔ آپ نے یہاں تک بھی کہہ دیا کہ اب میں بھٹو کو بھیج کر ہی کراچی جاؤں گا۔ سوال یہ ہے کہ آپ کو اس کی اطلاع کیسے ملی؟ یا یہ محض اندازہ تھا کہ اب بھٹو نہیں رہے گا؟

پیر صاحب...... یہ سیدھے سبھاؤ "کامن سینس" کی بات تھی۔ حیدر آباد میں جب ہم نے کہا کہ یہ بغاوت ہے تو کسی نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا بلکہ میرا مذاق اڑایا گیا۔ لیکن بعد میں خود بھٹو نے تسلیم کر لیا کہ یہ ان کے خلاف بغاوت ہی تھی۔ پھر ہم نے جاموٹ صاحب کے بنگلے پر اخبار والوں سے کہا کہ اب لوگ بھٹو کا استعفا نہیں' سر مانگیں گے اور آپ دیکھ لیں کہ لوگوں نے اس کے سر ہی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ سو ہمیں یہ اندازہ تو تھا کہ اس نے جانا ہی جانا ہے اور اب محض وقت کے ہیر پھیر کی بات ہے ...... ہم نے تو یہ بات جنرل اقبال اور جنرل جیلانی سے ۱۹۷۲ء ہی میں کہہ دی تھی۔

سوال...... جنرل جیلانی اور جنرل اقبال آپ کے پاس کیا لینے آئے تھے؟

پیر صاحب...... یہ جماعت اسلامی کے "جسارت" کی وجہ سے ہوا۔ اس اخبار کے ایک رپورٹر نے اپنی کم فہمی یا شرارت سے کچھ ایسا تاثر دیا کہ میں نے اپنے بیان میں پیپلز پارٹی کے حوالے سے جن حرکات کی پیش گوئی کی تھی' وہ حرکات مسلم لیگ سے منسوب کر دی گئیں۔ اس پر یہ لوگ مجھ سے پوچھنے آئے تھے جس کی میں نے

وضاحت کر دی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ کچھ عرصے بعد آپ لوگوں (جرنیلوں) نے پھر آنا ہے۔

سوال...... پی این اے بنیادی طور پر ایک انتخابی اتحاد کا نام تھا "نظام مصطفیٰ" کی تحریک تک بات کیسے پہنچی؟

پیر صاحب...... میں نے یہ بات معلوم کرنے کی زیادہ کوشش نہیں کی، مگر پوچھتا برابر رہا تھا۔ ہم لوگ کراچی میں تھے کہ اچانک فون آیا کہ مزاری صاحب کے مکان پر اجلاس ہو گا۔ اس اجلاس میں تحریک کی بات ہو رہی تھی۔ جمعیت العلماء پاکستان کا کہنا تھا کہ ہمارے تو تمام نمائندے کامیاب ہو گئے۔ ہم کیوں بائیکاٹ کریں یا تحریک چلائیں۔ ہم نے کہا کہ ہم نے تو کوئی کھڑا ہی نہیں کیا تھا، اس لئے ہمیں بھی تحریک چلانے یا بائیکاٹ کرنے کی کوئی خواہش نہیں۔ مزاری صاحب کا کہنا بھی یہی تھا کہ وہ جیت چکے ہیں اور تحریک یا بائیکاٹ کے حامی نہیں۔ مگر پنجاب کے لیڈروں کی اکثریت کا اسی بات پر اصرار تھا۔ مفتی صاحب اس اجلاس میں شریک نہیں تھے۔ میں نے کسی سے پوچھا کہ کیا اس سلسلے میں مفتی صاحب کی رائے بھی معلوم کی گئی ہے تو مجھے بتایا گیا کہ مفتی صاحب دوسرے گروپ سے متفق ہیں۔ یہ بات سن کر ہم نے بھی ان کا موقف قبول کر لیا۔ مگر جب مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ وہ تو ہمارے حامی تھے۔ یعنی وہ بائیکاٹ یا تحریک کے مخالف تھے اور انہیں بائیکاٹ کے فیصلے کا علم بھی ہماری زبانی ہوا۔ خیر بائیکاٹ ہوا۔ یہ بائیکاٹ بھی کسی نظام کے حق میں یا تحریک کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ انتخابی دھاندلیوں کے خلاف احتجاج تھا۔

سوال...... پھر تحریک کیسے بنی؟ "نظام مصطفیٰ" کی تحریک؟

پیر صاحب...... ہوا یوں کہ سیاسی لیڈر تو سارے کے سارے بند ہو گئے۔ پیچھے رہ گئے مدرسوں کے مولوی اور ایک آدھ عالم دین۔ ان لوگوں نے اپنے نقطہ نظر سے بات شروع کی اور بات بائیکاٹ سے تحریک نظام مصطفیٰ تک جا پہنچی۔

سوال...... کیا یہ درست ہے کہ پی این اے والوں کا شروع ہی سے فوج کے ساتھ رابطہ تھا؟

پیر صاحب...... مجھے تو ایسی کوئی بات معلوم نہیں اور نہ کبھی سوائے اس ایک جنرل کے جس کا ذکر میں پہلے انٹرویو میں کر چکا ہوں، کوئی ہم سے ملنے آیا۔ یوں بھی اصغر خان کے سوا کسی بھی لیڈر نے فوج کو دعوت نہیں دی۔

سوال...... ۱۵ جون کو بھٹو صاحب نے ریفرنڈم کی تجویز پیش کی جسے آپ نے مسترد کر دیا۔

پیر صاحب...... اس لئے کہ اب لوگ اس کا سر مانگ رہے تھے اور یہ بات ہم نے پہلے ہی کہہ دی تھی کہ آخر لوگ اس کا سر مانگیں گے؟

سوال...... آپ کو اس وقت کیسے اندازہ ہو گیا کہ بات بھٹو کے سر تک آ پہنچے گی اور یہ کہ آخر کار اس کا سر لے لیا جائے گا؟

پیر صاحب...... اس وقت بھی ہمارے سامنے بھٹو کے جرائم کی طویل فہرست موجود تھی تاہم میری اب بھی یہ رائے ہے کہ بھٹو پر اصل مقدمہ چلایا ہی نہیں گیا۔ یہ مقدمہ پولینڈ کی قرارداد کو چاک کرنے کے حوالے سے بنتا

تھا۔ اور بات محض ایک قتل کی نہیں بلکہ ملک سے غداری کی تھی۔ جس پر مقدمہ چلنا چاہئے تھا۔

سوال..... مگر یہ مقدمہ نہیں چلایا گیا۔

پیر صاحب..... یہ تو آپ جنرل صاحب سے پوچھیں یا اگر کبھی ہمیں موقع ملا کہ خود فائلوں کو دیکھ سکیں تو بتا سکیں گے کہ ایسا کیوں نہیں ہوا۔

سوال..... اس سے پہلے بھی تو مارشل لا والوں نے بھٹو پر مقدمہ چلانے کی بجائے انہیں وزیر اعظم بنا دیا تھا؟

پیر صاحب..... دراصل یہ ایک گروہ تھا' ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے والوں کا گروہ' جو ایک دوسرے کو استعمال بھی کر رہے تھے اور ایک دوسرے کے خلاف منصوبہ بندی بھی کر رہے تھے۔ جن جرنیلوں نے بھٹو صاحب پر غداری کا مقدمہ چلانے کی بجائے انہیں سویلین چیف مارشل لاایڈ منسٹریٹر بنایا' خود ان کا انجام کیا ہوا؟ آخر کار یہ ہوا کہ بھٹو صاحب' کھر صاحب اور ٹیلنٹڈ کزن (ممتاز بھٹو) نے پستول کی زد پر ان جرنیلوں سے زبردستی استعفےٰ لکھوائے اور پھر انہیں لاہور لے جا کر چھوڑ دیا گیا۔

سوال..... اگر آپ کی مسلم لیگ برسر اقتدار آگئی تو کیا ان لوگوں پر مقدمات چلائے جائیں گے؟

پیر صاحب..... ابھی تو میں کالعدم مسلم لیگی ہوں' اور مسلم لیگی وہ بنے ہوئے ہیں جو منتخب ایوانوں کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیا کریں گے۔ لیکن اگر کبھی ہماری بات سنی گئی اور فیصلوں میں ہمیں دخل ہوا تو پھر اللہ ہی جانے کہ ہم کیا کچھ کر گزریں گے۔

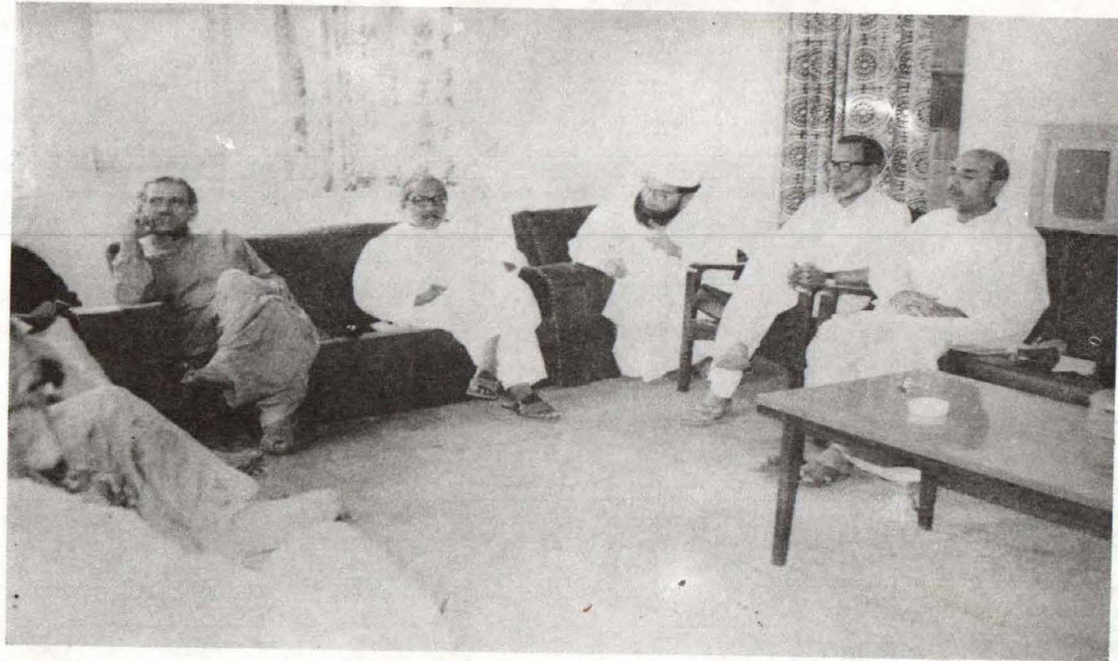
سوال..... پی این اے کی تحریک کے دنوں میں ایک بات یہ بھی ہوئی کہ بعض برادر اسلامی ممالک کے سفیران کرام نے پی این اے کے لیڈروں سے ملاقاتیں کیں اور ان ملاقاتوں کے نتیجے میں صورت حال کافی تبدیل بھی ہوگئی۔

پیر صاحب..... میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب سفیران کرام بھٹو صاحب کی مرضی ومنشا اور مشورے سے آتے رہے۔ مگر پی این اے کی قیادت نے انہیں صاف بتا دیا کہ آپ لوگوں کے ملکوں میں چونکہ جمہوریت اور بنیادی حقوق کی سرے سے کوئی روایت ہی نہیں' اس لئے آپ ہماری تحریک کو سمجھ نہیں سکتے۔ انہیں بتایا گیا کہ برصغیر میں بنیادی حقوق اور ان کے حصول کے لئے جدوجہد کی ایک طویل تاریخ موجود ہے۔ اس لئے یہاں "جلالۃ الملک" یا "امیر صاحب" والی بات نہیں چلے گی۔

سوال..... گویا وہ اپنے ذہنوں میں یہی تصور لے کر آئے تھے۔

پیر صاحب..... جی ہاں' میرے سامنے جو باتیں ہوئیں وہ تو یہی تھیں۔ عراقی سفیر تو خیر ہماری بات کو سمجھنے کے لئے ہی تیار نہیں تھا۔ اس کا کہنا یہی تھا کہ بھٹو حاکم ہے اور آپ کو حاکم کی بات مان لینا چاہیئے۔ رہا سعودی عرب والا سفیر تو وہ ایک بزرگ اور شریف آدمی ہونے کے باوجود غیر جانبدار نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس وقت وہ بھٹو کے ایما پر انہی کی نمائندگی کرنے آیا تھا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو ان دنوں میرے ذمے اخباری نمائندوں' خاص طور سے غیر ملکی اخبار نویسوں کی بریفنگ کا کام تھا جس کے دو حصے تھے' ایک تو یہ کہ پی این اے کی طرف سے جو پریس ریلیز تیار کی جائے' وہ انہیں پیش کر دوں۔ دوسرے یہ کہ بطور پیر پگارا' اپنی ذاتی حیثیت میں' ان کے

سہالہ کیمپ جیل میں پی این اے کے رہنماؤں کا اجلاس یہ نادر تصاویر پیر پگارا نے خود اتاریں



نوابزادہ نصر اللہ خان ، پروفیسر غفور احمد ، مولانا شاہ احمد نورانی ، مولانا جان محمد عباسی اور سردار شیرباز خان مزاری

سہالہ کیمپ جیل میں پی این اے کے رہنماؤں کا اجلاس یہ نادر تصاویر پیر پگارا نے خود اتاریں



بیگم نسیم ولی خان، ایئر مارشل ریٹائرڈ اصغر خان، سردار عبدالقیوم خان، اشرف خان اور میاں طفیل محمد

سوالات کا جواب دوں کیونکہ مسلم لیگ یا پی این اے دونوں نے اس حوالے سے مجھے کوئی اختیار نہیں سونپ رکھا تھا۔ اس لئے ان لوگوں کے ساتھ جو زبانی نوک جھونک ہوتی وہ گویا میری طرف سے ذاتی "مور اوور" ہوا کرتا تھا۔ اس کی ضرورت یوں پیش آئی کہ تقریباً تیس کے قریب غیر ملکی اخباری نمائندے روزانہ میرے پاس پہنچ جاتے کہ انہیں تازہ صورت حال بتائی جائے۔ لانگ مارچ والے دن بھی انہوں نے تقاضا کیا کہ انہیں تفصیل بتائی جائے۔ میں نے وعدہ کیا کہ شام کو جب میں سہالہ جاؤں گا تو ان کے لئے بھی پریس ریلیز لے کر آؤں گا۔ یہ وعدہ میں نے اس لئے کیا کہ صبح خود ہی پی این اے کے لیڈروں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ شام تک پریس ریلیز تیار کر لیں گے۔ مگر شام کو جب میں سہالہ گیا تو معلوم ہوا کہ کوئی پریس ریلیز سرے سے تیار ہی نہیں کی گئی۔ انہوں نے کہا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے کہا کہ آپ لوگوں نے مجھے بلاوجہ شرمسار (**Let down**) کیا ہے۔ ان غیر ملکی صحافیوں کو کچھ نہ کچھ تو بتایا ہی جانا چاہیئے تاکہ وہ بھی تازہ صورت حالات سے باخبر رہیں۔ اس موقع پر پروفیسر غفور نے کہا کہ وہ ابھی ہینڈ آؤٹ تیار کر دیتے ہیں۔ نواب زادہ نصراللہ خان نے بھی کہا کہ ہاں کچھ لکھ دیں۔ اس کے بعد مجھے تقریباً ایک چوتھائی صفحے کی ایک مختصر سی پریس ریلیز دی گئی کہ جا کر اخباری نمائندوں کو سنا دوں۔ اتنے اہم موقع پر اس مختصر اور انتہائی تشنہ پریس ریلیز کو دیکھ کر مجھے سخت غصہ آیا۔ میں نے اسے خاکسار تحریک کے نمایندے کے حوالے کیا کہ آپ اخبار والوں کو سنا دیں اور خود اندر جا کر لیٹ گیا کیونکہ مجھ پر شدید غصے کی کیفیت طاری تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ پی این اے کے یہ لیڈران کرام قومی سطح پر ہونے والے اتنے بڑے ہنگامے کو اس انداز میں پیش کرنے سے گریز کر رہے تھے جس طرح کیا جانا چاہیئے تھا۔ یعنی کیفیت یہ تھی کہ ملک بھر میں پیپلز پارٹی اور بھٹو حکومت کی جانب سے عوام پر مصائب و مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے' دنیا بھر کے اخبار نویس ان واقعات کو رپورٹ کرنے کے لئے آئے ہوئے تھے اور پی این اے جس کے حصے میں اس عظیم الشان تحریک کی قیادت تھی' اس کا یہ حال تھا کہ لیڈران کرام ایک گول مول قسم کے چار سطری بیان کے ذریعے صورت حال سے گریز کر رہے تھے اور غیر ملکی پریس کو اسی چار سطری بیان پر ٹالا جا رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان لوگوں کے رویئے میں یہ اچانک تبدیلی کیسے آ گئی۔ خاکسار تحریک کے نمایندے نے پریس ریلیز اخبار نویسوں کے حوالے کی تو وہ سخت جوش میں آ گئے اور کافی تند و تیز انداز میں مطالبہ کیا کہ کوئی ذمے دار آدمی انہیں تازہ صورت حال سے آگاہ کرے۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ پیر پگارا کو باہر بھیجا جائے۔ چار و ناچار میں باہر آیا۔ اب سوالات شروع ہوئے' مگر میرے پاس کیا تھا۔ پی این اے کی پالیسی؟ کچھ نہیں۔ مسلم لیگ کی پالیسی؟ کچھ نہیں۔ جو سوالات وہ پوچھ رہے تھے ان کے جوابات پی این اے کے پاس تھے نہ مسلم لیگ کے۔ تب میں نے پیر پگارا کی حیثیت سے جواب دینا شروع کئے۔ ابو سعید انور مرحوم وہاں موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ پالیسی کے خلاف ہے۔ میں نے کہا' "شٹ اپ"۔ اس کے بعد اخبار نویسوں نے جو بھی سوال پوچھا' میں نے بطور پیر پگارا' اپنی دانست میں' اس کا معقول جواب دیا۔ مگر یہ جوابات پی این اے کی پالیسی بہر حال نہیں تھے۔ اب چونکہ میں پٹڑی سے اتر چکا تھا اور پالیسیاں علیحدہ ہو چکی تھیں" اس لئے میں دونوں پالیسیوں کو

علیحدہ علیحدہ ہی چلاتا رہا۔ جس سوال کا جواب پی این اے کے پاس نہیں ہوتا تھا' اس کا جواب مسلم لیگ یا پیر پگارا کے پاس بہر حال موجود ہوتا تھا۔ یوں اخبار نویس پھر کبھی یہ گلا نہ کر سکے کہ انہیں ان کے سوالات کا جواب نہیں مل رہا۔

سوال...... آپ کے خیال میں اس کی وجہ کیا تھی؟ پی این اے کے لیڈران کرام پریس کو بے خبر کیوں رکھنا چاہتے تھے؟ یا وہ خود گومگو کی حالت میں تھے؟

پیر صاحب...... دراصل ان دنوں بعض لیڈروں کی بھٹو کے ساتھ خفیہ بات چیت کے بارے میں سنا گیا تھا۔ مگر میں نے ان لوگوں سے پوچھا نہیں کیونکہ یہ بات ان کے لئے بھی ندامت کا باعث بنتی اور مجھے بھی افسوس ہوتا۔ مگر یہ بات سنی ضرور گئی کہ بھٹو اور ان لیڈران کرام کے درمیان یہ بات طے پا گئی ہے کہ پیپلز پارٹی تقریباً ساٹھ نشستیں پی این اے کے لیڈروں اور ان کے خاص ساتھیوں کے لئے خالی کر دے گی جن پر انہیں بلا مقابلہ کامیاب کرایا جائے گا۔ اندرخانہ ہونے والے اس سمجھوتے نے ان لوگوں کو گومگو میں ڈال رکھا تھا۔ مگر میں سمجھتا تھا کہ عملی طور پر ایسا ممکن ہی نہیں۔ پھر بھٹو کے وعدے پر اعتبار بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ ایک ان ہونی سی بات تھی۔ مجھے تبھی معلوم ہو گیا تھا کہ سہالہ میں اس قسم کی کھچڑی پک رہی ہے' لیکن مجھ سے کوئی بھی کھل کر اس قسم کی بات نہیں کر سکتا تھا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ایک طرح سے یہ اچھا بھی ہوا کیونکہ اسی قسم کی باتوں کے نتیجے میں مسلم لیگ کو علیحدہ ہو کر اپنی الگ پالیسی اور راہ عمل طے کرنا پڑی جس پر ہم چلتے رہے۔

سوال...... مگر آپ پر تو خود یہ الزام ہے کہ آپ واحد لیڈر تھے جو گرفتاری سے بچے رہے؟

پیر صاحب...... میں واحد لیڈر تھا جسے پی این اے والے لیڈر بنانا نہیں چاہتے تھے۔ اور سب بند ہو گئے' صرف مجھے اور خاکسار تحریک والے کو باہر رہنے دیا گیا۔ انہیں اندازہ ہی نہیں تھا کہ میں اپنی پالیسی کو اس انداز میں لے کر چلوں گا۔ انہیں یہ اندازہ ہی نہیں تھا کہ میں معاملات کو اتنا آگے لے جاؤں گا جہاں اس قسم کے سمجھوتے نہیں ہو سکیں گے' جس کا تذکرہ ابھی کیا گیا ہے۔ رہا بھٹو' تو وہ اگر ہمیں بھی گرفتار کر لیتا تو پھر بات کس سے کرتا' کیونکہ اگر وہ اپنے نمائندوں یا ایجنٹوں کے ذریعے بات بنا سکتا تو بہت پہلے معاملات طے ہو جاتے۔ اب ہمارے لیڈران کرام اپنے حسابوں زیادہ سے زیادہ پر سودا کر رہے تھے' مگر میرے نزدیک یہ کچھ نہیں تھا۔

سوال...... یہ نمائندوں اور ایجنٹوں کا معاملہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ یہ کیا سلسلہ تھا؟ کیا اندرخانہ مختلف سطحوں پر بات چیت چل رہی تھی؟

پیر صاحب...... ہاں' حاکم ہمیشہ یہ کرتا ہے کہ اپنے مختلف نمائندے ارسال کرتا ہے تاکہ وہ دوسروں تک اس کا نقطہ نظر بھی پہنچائیں اور ان کے ارادوں سے متعلق تازہ ترین جائزہ لے کر اسے پیش کریں۔ ایسے بہت سے لوگ اس دور میں بھی سرگرم عمل تھے۔ ہمارے پاس بھی ایسے لوگ آیا کرتے تھے۔ سعید آتا تھا' مرحوم قاضی اکبر آتا تھا' دو یا تین بار موجود سینیٹر نبی بخش زہری کو بھی بھجوایا گیا' وہ بھی آئے تھے۔

سوال...... یہ لوگ کیسے آتے اور کیا بات کرتے تھے؟

پیر صاحب...... ظاہر ہے وہ بات تو ہمارے خیر خواہ بن کر ہی کرتے تھے، مگر ہم نے انہیں یہی کہا کہ جناب آخر کار مارشل لا لگنا ہی لگنا ہے۔

سوال...... کوثر نیازی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک رات مسٹر بھٹو' عبدالحفیظ پیرزادہ اور کوثر نیازی خفیہ طور پر سہالہ بھی گئے تھے۔ ؟

پیر صاحب...... جنرل جیلانی کا ذکر اس نے نہیں کیا' حالانکہ وہ بھی ان لوگوں کے ہمراہ تھا۔ ان دنوں کیفیت یہ تھی کہ پی این اے کے لیڈر بھی اس قسم کی باتوں اور رابطوں کو مجھ سے چھپاتے تھے' سوائے مولانا مفتی محمود' بیگم ولی خان اور شیرباز مزاری کے ۔ مجھے ہمیشہ انہی لوگوں سے پتہ چلتا کہ باقی سب کیا کرتے پھر رہے ہیں۔ یہ بات بھی کافی دیر تک چھپی رہی۔ آخر کار بیگم ولی خان نے مجھے بتایا کہ بھٹو صاحب' جنرل جیلانی اور دو وزرا یہاں آئے تھے۔ آپ مفتی صاحب سے پوچھیں تو وہ آپ کو بتادیں گے۔ کچھ عرصے بعد مفتی صاحب نے مجھے بتا بھی دیا کہ کیا ہوا۔ بعد میں جب ان لوگوں کو سہالہ سے لے جایا گیا تو میں نے اخبار نویسوں کو اس ملاقات کی اطلاع اور تفصیلات فراہم کر دیں۔ مفتی صاحب سے میرا معاہدہ تھا کہ جب تک وہ سہالہ میں ہیں' یہ باتیں ظاہر نہیں ہونی چاہئیں۔ سہالہ سے ان کے ہٹائے جانے کے بعد یہ معاہدہ بھی از خود ختم ہو گیا اور میں نے اخبار نویسوں کو بتادیا کہ بھٹو صاحب ایک بار خود بھی سہالہ ہو آئے ہیں۔

سوال...... وہاں باتیں کیا ہوئی تھیں؟

پیر صاحب...... اکثر و بیشتر یہ سبھی باتیں اخبار میں آچکی ہیں۔ مگر یہ بات شائع نہیں ہوئی کہ جنرل جیلانی جو اس وقت آئی ایس آئی کے سربراہ تھے' اپنے ساتھ مختلف نقشے لے کر گئے اور پی این اے کے سربراہوں کو بتاتے رہے کہ شاہ ایران نے کیا کہا ہے اور بھارت کی فوجیں کیا کرنے والی ہیں۔

سوال...... آپ کے ساتھ بھی بھٹو صاحب کی طرف سے جنرل جیلانی ہی بات کرنے آئے تھے؟

پیر صاحب...... ہاں' ۱۹۷۲ء میں' دو جنرل آئے تھے' اور ظاہر ہے کہ بھٹو صاحب ہی کی طرف سے آئے تھے۔ یہ دونوں جنرل اقبال اور جنرل جیلانی تھے۔ مگر حاکم وقت بن جانے کے بعد بھی انہوں نے میرا شکریہ ادا نہیں کیا کہ میں نے ۱۹۷۲ء ہی میں انہیں درست بات بتادی تھی۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اب جب وہ ریٹائر ہو چکے ہیں' تو بھی انہیں شکریے کی توفیق نہیں ہوئی (قہقہہ)۔

سوال...... کیا یہ درست ہے کہ آپ لوگ بھٹو کے خلاف تحریک' امریکہ کے اشارے پر چلا رہے تھے؟

پیر صاحب...... ہو سکتا ہے اصغر خان یہی کر رہے ہوں کیونکہ موصوف نے جو ہینڈ آؤٹ جاری کیا وہ امریکہ سے کافی محبت کا مظہر تھا۔ انہوں نے یہ ہینڈ آؤٹ میرے ہی حوالے کیا تھا کہ اسے جاری کر دوں' مگر میں نے اسے پڑھا تو جاری کرنے کی بجائے اصغر خان سے تبادلہ خیال ضروری سمجھا۔ اس کے باوجود وہ مصر تھے کہ اسے جاری کر دیا جائے۔ سو اگلے روز میں نے اسے ابو سعید انور کے حوالے کر دیا کہ آپ تحریک استقلال کی طرف سے اسے جاری کر دیں۔ اندریں حالات یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی لیڈر امریکہ کے لئے کام کر رہا تھا تو وہ صرف

اصغر خان تھے کیونکہ ان کے سوا کسی نے بھی اس قسم کی بات نہیں کی۔

سوال..... ایک خفیہ ملاقات اور بھی تو ہوئی تھی۔ مفتی محمود صاحب ۳، جون کو پرائم منسٹر ہاؤس گئے تھے' بھٹو صاحب سے ملنے۔

پیر صاحب..... ہوئی ہوگی۔ سنا ہے ایسی دو تین ملاقاتیں ہوئیں، مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی ملاقاتوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ چونکہ پریس کے ساتھ رابطہ میرا تھا' اس لئے میں اپنے حسابوں ٹھیک ٹھیک نشانے لگا رہا تھا جو بھٹو صاحب کو نشتر بن کر لگ رہے تھے۔ انہی دنوں ہمارے عرفات بھائی (کوثر نیازی) نے مجھے مسخرا بھی کہا تھا۔ دوسرے دن میں نے ایسا بیان دیا کہ وہ اسے رکوانے پر مجبور ہو گئے۔

سوال..... یہ بتائیے کہ آپ غیر ملکی اخبار نویسوں ہی سے کیوں رابطہ کرتے تھے؟

پیر صاحب..... یہ لوگ آئے ہوئے تھے۔ اب کسی نہ کسی کو تو ان سے بات کرنا تھی۔ ابو سعید انور بے چارے کے بس کی بات تو تھی نہیں۔ سو مجھی کو یہ کام کرنا پڑا۔ یوں بھی پی این اے کا چیتھڑا نما چار سطری ہینڈ آؤٹ ان کے لئے سخت ناکافی ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ لانگ مارچ والے دن مجھے بیڈ روم سے مجبور کر کے بلوایا گیا۔

سوال..... اصغر خان نے پاک فوج کے نام جو خط لکھا' اس کی شان نزول کیا تھی؟

پیر صاحب..... یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کے جی میں کیا تھا۔ مجھے تو یہ سائیکلوسٹائل حالت میں تقسیم ہوتا ہوا ملا اور میں نے اسے مفتی صاحب کے حوالے کر دیا کہ جناب یہ خط ہے اسے آپ بھی دیکھ لیں۔ بعد میں ان کی کچھ باتیں بھی ہوتی رہیں جو مجھے معلوم نہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ فوج سے اس قسم کی بات کہنا غداری کی ذیل میں آتا ہے اور یہ سخت غیر قانونی بات تھی جو انہوں نے کی۔ ایسے بھی اگر کسی شخص میں کامن سینس یا عقل سلیم ہو تو وہ اس کام کی دعوت کبھی نہیں دیتا جو آخر کار ہونے ہی والا ہو۔

سوال..... آپ لوگوں نے اصغر خان کے خلاف کیا کارروائی کی؟

پیر صاحب..... یہ بات میں نے نہیں پوچھی کہ بعد میں کیا ہوا۔ نہ میں نے اسے کوئی مسئلہ بنایا کہ اس پر ضرور کارروائی کی جانی چاہئے۔ آخر یہ سبھی لوگ ملک کے نمک خوار تھے۔ اس لئے میں نے زیادہ تردد مناسب نہیں سمجھا۔

سوال..... ۲۰ جون ۱۹۷۷ء کو سردار عبدالقیوم خان نے ایک بیان دیا تھا کہ حکومت نے پی این اے کے بعض رہنماؤں کو قتل کروانے کی سازش کی ہے جن میں اصغر خان' شیر باز مزاری اور شاہ احمد نورانی شامل ہیں۔ اس بیان کا تذکرہ مارشل لا کے بعد جنرل ضیاء الحق صاحب نے بھی کیا اب آپ اسے کیسے دیکھتے ہیں؟

پیر صاحب..... جنرل صاحب نے اس بیان کے حوالے سے کہا تھا کہ یہی مارشل لا کا باعث بنا۔ اب وہ کس کو بنا رہے ہیں؟ یہ تو میری سمجھ میں نہیں آتا۔ لیکن یہ مشہور ہو گیا اور جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے پی این اے کے اندر بھی بتا دیا تھا کہ پیپلز پارٹی کے دو تین وزراء کو شیر پاؤ کی طرح مروا دیا جائے گا۔ ان میں پیرزادہ اور مولانا کوثر نیازی کے نام بھی تھے۔ ان لوگوں کو قتل کروانے کے بعد حکومت پی این اے کے بعض لوگوں کو گرفتار کرنا یا مروانا

چاہتی تھی۔

سوال...... مگر انہوں نے تو پی این اے کے لیڈروں کو قتل کرنے کی بات کی تھی۔

پیر صاحب...... میں ان کی اطلاعات کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا' مگر میں نے یہی بات سنی تھی جو آپ کو بتا دی۔

سوال...... سردار قیوم ان دنوں کس کی نمائندگی کر رہے تھے؟

پیر صاحب...... یہ بات تو سرکاری فائل دیکھ کر ہی معلوم کی جا سکتی ہے اور اسی میں لکھا ہوا بھی ہو گا...... بہرحال بظاہر وہ پی این اے کے ساتھ تھے۔ لیکن آخری دنوں جب سہالہ میں صرف مفتی صاحب اور نواب زادہ صاحب رہ گئے تھے تو سردار صاحب نے بعض ایسے بیانات دیئے جو پی این اے کی اس پالیسی سے متصادم تھے جسے میں لے کر آگے بڑھ رہا تھا۔ بہرحال وہ خود ایک باشعور آدمی ہیں، ہو سکتا ہے وہ خود کو وہیں درست سمجھتے ہوں' جہاں وہ تھے۔ بھٹو صاحب نے انہیں "مصالحت" کے جس مشن پر بھیجا تھا' وہ میرے نقطہ نظر سے پی این اے کو راس نہیں آتی تھی۔ اور جس طریقے سے وہ مذاکرات کے لئے فضا ہموار کر رہے تھے، وہ بھی میرے نقطہ نظر سے کچھ اور ہی چیز تھی۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ ان دنوں سردار صاحب کے اور میرے بیانات ایک دوسرے کی کاٹ ہوتے تھے۔ مذاکرات کا مخالف میں بھی نہیں تھا بلکہ میں نے تو بھٹو سے بھی یہی کہا تھا کہ مذاکرات کرو مگر ان مذاکرات کی سطح اور طریق کار جو سردار صاحب متعین کرنا چاہتے تھے' اس سے فائدہ پی این اے کی بجائے کسی اور کو پہنچتا دکھائی دیتا تھا۔

سوال...... یہ بتائیے کہ آپ خود مذاکرات میں کیوں شریک نہیں ہوئے؟

پیر صاحب...... میرا نام مذاکراتی ٹیم میں صرف اس لئے ڈالا گیا تھا کہ بھٹو صاحب نے چار آدمی مانگے تھے۔ اور اصغر خان کی راہ روکنے کے لئے مفتی صاحب مرحوم نے میرا نام دے دیا تھا۔ مگر یہ بات بھی طے تھی کہ میں اسی وقت ان مذاکرات میں شریک ہوں گا جب بھٹو سے جھگڑا کرنا مقصود ہو یہاں ایک بات میں ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں اور یہ کہ مذاکرات کے بہانے بہت سا وقت ضائع کر دیا گیا۔ میرا تب بھی یہ خیال تھا اور اب بھی یہی سمجھتا ہوں کہ یہ مذاکرات زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے میں مکمل ہو سکتے تھے۔ مگر وہاں یہ ہو رہا تھا کہ بات آگے بڑھتی ہی نہیں تھی۔ مثلاً ایک روز چھ گھنٹے کی ملاقات کے بعد ان لوگوں نے بتایا کہ صرف ایک جملہ طے ہوا ہے باقی سارا وقت یہ لوگ کیا کرتے رہے' ہمیں اس کی خبر نہیں تھی میں سمجھتا ہوں کہ ان مذاکرات کا اصل مقصد محض وقت حاصل کرنا تھا تاکہ مناسب موقع پر قتل و غارت گری کا وہ پروگرام زیر عمل لایا جا سکے جس کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے۔ یعنی وزراء کا قتل اور پی این اے پر تشدد کا آغاز۔ ان مذاکرات سے اصغر خان کو جان بوجھ کر باہر رکھا گیا تھا اور میں خود باہر رہا تھا۔

سوال...... اصغر خان کو باہر کیوں رکھا گیا تھا؟

پیر صاحب...... کیونکہ وہ اپنی نئی لائن شروع کر دیتے کسی پیڑ سے کسی کو باندھتے' کسی پل پر کسی کو ٹانگتے اور

وہاں ٹانگنے کی تو باتیں ہی نہیں کرنا تھیں۔ وہاں تو سیاسی اور شعوری باتیں کرنا تھیں اور اصغر خان کا ان سے کیا واسطہ وہ تو آسمان میں اڑنے والا آدمی ہے۔ اور یہ زمین پر رہنے والوں کی باتیں تھیں۔

سوال...... یہ بتائیے کہ سمجھوتے کا مسودہ بار بار کیوں ڈرافٹ ہوتا رہا؟ سنا ہے آپ لوگ بار بار مسودہ مسترد کر دیا کرتے تھے۔

پیر صاحب...... دراصل مجھ سے بہت سی باتیں چھپائی جاتی تھیں۔ کیونکہ میں اخبارات سے بات کرتا تھا اور جو بات مناسب سمجھتا' اس سے انہیں آگاہ کر دیتا تاکہ عوام کے سامنے پی این اے کا وقار بڑھ سکے۔ یہ لوگ بعض باتوں کو غیر ضروری طور پر چھپا کر رکھنا چاہتے تھے جو میرے نزدیک مناسب نہیں تھا۔ نتیجہ یہ کہ مجھے بہت سی باتیں بتائی ہی نہیں جاتی تھیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ان لوگوں کے مذاکرات میں طے ہونے والی بہت سی باتوں کے بارے میں مجھے یا مسلم لیگ کو علم ہی نہیں ہوتا تھا۔ آخری وقت میں جب یہ لوگ ایک مسودہ بنا کر لائے تو میں نے ایس ایم ظفر سے کہا کہ اسے دیکھ کر اپنی ماہرانہ رائے اور تجاویز دو۔ ایس ایم ظفر نے جو تجاویز دیں انہیں دیکھ کر پروفیسر غفور نے کہا کہ ہم اس سے کہیں زیادہ باتیں منوا چکے ہیں اور بہت آگے پہنچ گئے ہیں۔ تب میں نے ہنگامہ کیا کہ مجھے اب تک کی تفصیلات بتائی جائیں۔ اس پر مجھے بتایا گیا کہ اب تک کیا کچھ ہو چکا ہے۔

سوال...... ۱۵ جون کو بھی تو ایک مسودہ تیار ہوا تھا اور بھٹو صاحب ملک سے باہر چلے گئے تھے۔

پیر صاحب...... پی این اے کو اس مسودے کی بعض دفعات اور بعض الفاظ پر اعتراض تھا۔ مگر بھٹو صاحب انہیں رفع کئے بغیر ہی ملک سے باہر چلے گئے کیونکہ ان کا مقصد محض وقت حاصل کرنا تھا۔

سوال...... ۲۸ جون ۱۹۷۷ء کو اصغر خان نے بھٹو کے استعفے کا جو مطالبہ کیا یہ مذاکرات کو سبوتاژ کرنے کی کوشش نہیں تھی؟

پیر صاحب...... اصغر خان کسی کو کیا سبوتاژ کر سکتے تھے۔ رہا بھٹو کا استعفا تو اس کا مطالبہ میں ان سے تین ماہ قبل کر چکا تھا۔

سوال...... کیا یہ درست ہے کہ ۴ جولائی کی رات سمجھوتا ہو چکا تھا؟

پیر صاحب...... اب یہ بات مجھے درست طور پر یاد نہیں کہ سمجھوتا ہو چکا تھا یا نہیں۔ مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ سب لوگ جلد از جلد سمجھوتے کے لئے اپنی سی کوشش کر رہے تھے اس رات سٹیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی میں واقع سردار قیوم کے مکان پر رات کا کھانا تھا اور اس میں یہ بات طے ہو گئی تھی کہ صبح کو سمجھوتے کا اعلان کر دیا جائے گا۔ لیکن آخری پانچ سات دنوں میں میں مکمل طور پر غیر جانبدار ہو چکا تھا کیونکہ یہ لوگ محض خانہ پری میں مصروف تھے اور مارشل لا سامنے دکھائی دے رہا تھا۔

سوال...... کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ ہی میں سے کچھ لوگوں نے فوج کو اطلاع دے دی ہو کہ سمجھوتا ہو گیا ہے اور کل اس کا اعلان بھی ہو جائے گا؟

پیر صاحب...... یہ بات بعید از قیاس نہیں کیونکہ ہمارے اہم اجلاسوں میں سے انتہائی خفیہ دستاویزات تک

غائب ہو جایا کرتی تھیں۔ اور اس روز تو ہمیں ایک اخبار نویس نے بھی بتادیا تھا کہ فوج کو تیار رکھا گیا ہے۔

سوال..... اس کے باوجود آپ لوگ ملک کو مارشل لا سے نہ بچا سکے؟

پیر صاحب..... مارشل لا تو آنا تھا اور اس کی پیش گوئی میں نے پانچ سال قبل کر دی تھی۔ اس لئے میں تو اس خبر پر چونکا نہیں۔

سوال..... اچھا' خیر مارشل لا لگ گیا اور جنرل ضیاء الحق صاحب سے آپ کی ملاقاتیں شروع ہوئیں۔

پیر صاحب..... ہاں جنرل چشتی والے الیکشن سیل کے ذریعے یہ کام شروع ہوا۔

سوال..... کیا یہ درست ہے کہ آپ نے جنرل صاحب سے کہا تھا کہ انتخابات ملتوی کر دیں۔

پیر صاحب..... نہیں ایسا نہیں ہوا۔ یہ تو درست ہے کہ سیاسی جماعتیں اس وقت کماحقہ منظم نہیں تھیں اور انتخابات کے لئے کوئی تیاری بھی نہیں تھی۔ کسی کیلئے بھی ' حالات کچھ ایسے سازگار نہیں تھے۔ مگر جن لوگوں نے جنرل صاحب سے یہ بات کہی' ان میں حاجی مولا بخش سومرو' چودھری ظہور الٰہی اور جماعت اسلامی والے شامل تھے۔ انہوں نے جنرل صاحب سے کہا کہ آپ انتخابات نہ کرائیں کیونکہ یہ پرامن نہیں ہوں گے اور ڈر کے مارے کوئی ووٹ دینے نہیں آئے گا۔ حاجی صاحب شکار پور میں ہونے والے تصادم سے ڈر گئے تھے۔

سوال..... مگر چودھری ظہور الٰہی تو آپ کی پارٹی کے آدمی تھے؟

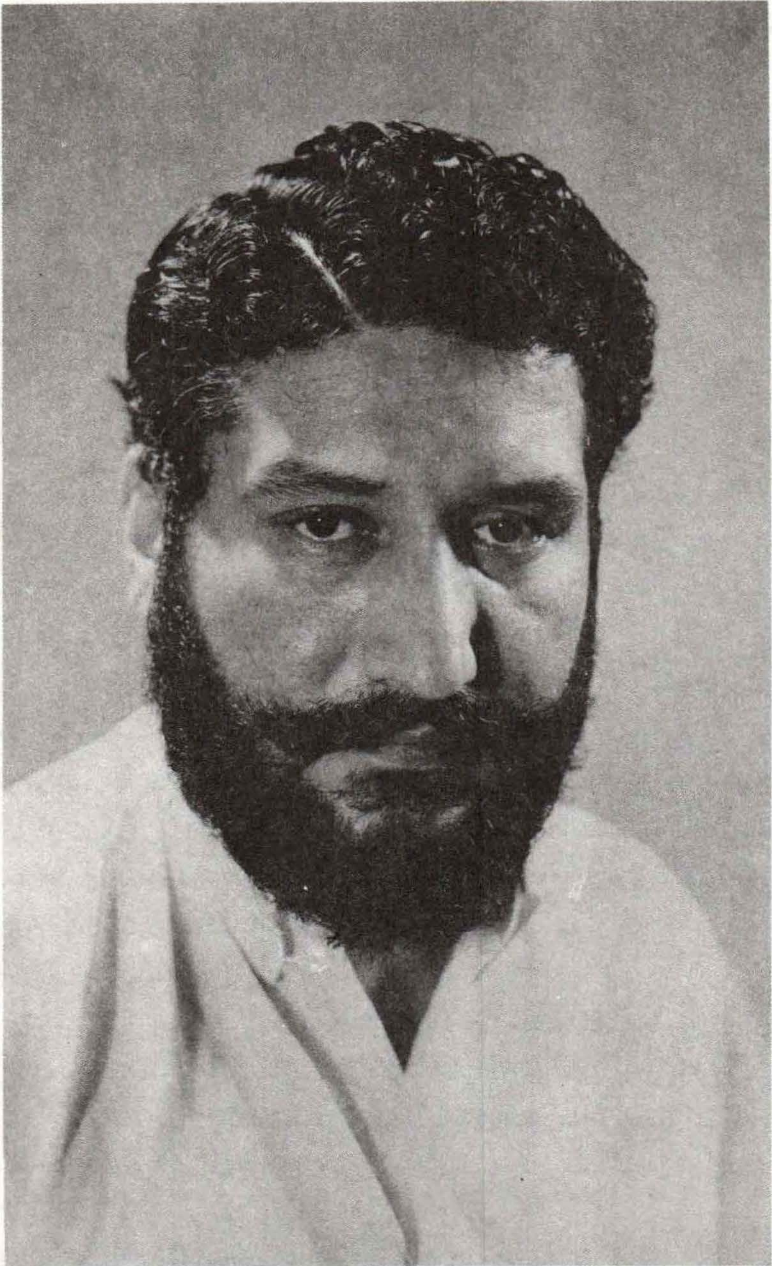
پیر صاحب..... دیکھو بھئی' ظہور الٰہی کس کی پارٹی کا تھا' اس بات کو اب چھوڑو' وہ مسلم لیگی تھا اور کچھ لوگ جو مسلم لیگ کو اوپر کے اشارے پر چلانا چاہتے تھے ان میں وہ بھی شامل تھا۔ جبکہ میں اس گروہ کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔

سوال..... تب مسلم لیگ کی طرف سے پانچ آدمی وزیر لئے گئے' جن میں سے ایک کا تعلق سندھ سے اور دوسرے کا سرحد سے تھا۔ باقی تین پنجاب کے تھے۔ لیکن ایسا تو نہیں کہ ان تینوں کا جواز مہیا کرنے کے لئے باقی دونوں کو لیا گیا ہو؟

پیر صاحب..... ایسی خبریں ہم نے بھی سنیں۔ ان لوگوں نے تو کہہ بھی دیا تھا کہ ہم پر مسلم لیگ یا پی این اے کا کوئی احسان نہیں۔ ہم سے تو صدر صاحب نے چھ ماہ قبل ہی یہ وعدہ کر لیا تھا کہ آپ کو وزیر لے لیا جائے گا۔ پھر جب حالات بدلے تو انہوں نے کہا کہ ہمارا مسلم لیگ سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہم پی این اے کے ورکر ہیں۔

سوال..... پی این اے کو آپ نے چھوڑا؟

پیر صاحب..... ہم نے کسی کو نہیں چھوڑا۔ مگر پی این اے کو ہم توڑنا نہیں' جوڑنا چاہتے تھے۔ جوڑنے کا مطلب یہ تھا کہ ہماری پالیسی پر چلیں۔ اور توڑنے کا یہ کہ جہنم میں جائیں۔ جیسے اب ہے کہ وہ ایم آر ڈی بن گئے اور ہمارا ان سے کوئی مطلب نہیں رہا۔ ہم پی این اے کو اپنے ساتھ لے کر چلنا چاہتے تھے۔ مگر پی این اے کے ہر لیڈر کی اپنی ضروریات اور خواہشات تھیں جو اتحاد کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے لگیں۔ رہے ہمارے پنجاب سے تعلق رکھنے والے تین وزراء (خواجہ صفدر' چودھری ظہور الٰہی اور میاں زاہد سرفراز) تو ان کا مسلم لیگ یا پی این اے سے کوئی



پیر پگارا داڑھی کے بعد پہلی تصویر۔ کراچی ۱۹۶۱ء

تعلق نہیں تھا۔ وہ تو چھ ماہ قبل ہی جنرل صاحب سے وزارت کا وعدہ لے آئے تھے۔ اب اگر مسلم لیگ انکار کر دیتی تو بھی ان لوگوں نے وزیر بننا ہی تھا اور ڈھکے چھپے انداز میں وہ طے بھی کر چکے تھے۔ اس لئے ہم نے بھی مناسب سمجھا کہ جھگڑا کرنے سے کہیں بہتر یہ بات ہے کہ ان لوگوں کو تسلیم کر لیا جائے۔

سوال...... "انتخابات سے پہلے احتساب" یہ جنرل صاحب کی نئی لائن تھی اس پر انہیں آپ نے ڈالا؟

پیر صاحب...... جب آپ اسلام کی بات کرتے ہیں تو احتساب تو کرنا ہی ہو گا۔ کہیں تو آپ طے کریں کہ ہمارے قومی مجرم کون تھے جنہوں نے قوم کو لوٹا اور نقصان پہنچایا۔

سوال...... کیا آپ بھی احتساب کی اس روایت کو آگے بڑھائیں گے؟

پیر صاحب...... ہم نے کہہ تو دیا ہے کہ اگر اللہ نے کبھی موقع دیا تو پھر اللہ ہی جانتا ہے کہ کیا ہو گا۔

سوال...... آپ نے لاڑکانہ کی نشست پر بھٹو کا مقابلہ کرنے کا اعلان کیوں کیا؟

پیر صاحب...... میرے پاس قاضی فضل اللہ سمیت چند شرفا آئے کہ اگر آپ بھٹو کے مقابلے میں نہ آئے تو اور کوئی کہیں پر بھی اس کا مقابلہ نہیں کرے گا۔ اب اگر قاضی فضل اللہ جیسا آدمی بھی یہ بات کہے تو آپ ہی بتائیے کہ کیا ہو سکتا ہے۔ میں نے یہی سوچ کر کاغذات داخل کروانے کا اعلان کر دیا کہ اگر یہ لوگ بھی سامنے آنے سے گھبرا رہے ہیں تو اور تو واقعی کوئی بھی نہیں آئے گا۔

سوال...... تب بھٹو نے کہا تھا کہ میرا مقابلہ کرنے والا سندھی کی اولاد نہیں ہو سکتا اور اس کا جواب جی ایم سید نے دیا تھا کہ بھٹو خود سندھی کی اولاد نہیں؟

پیر صاحب...... ہمارے اجداد عربستان سے آئے تھے اور میں سمجھتا ہوں کہ سندھ کے اصل باسی تو کول' دراوڑ یا بھیل بھی نہیں بلکہ محض اچھوت ہی تھے۔ باقی سب یا تو مہاجر ہیں یا پناہ گیر۔ کوئی ڈنڈا لے کے آیا' کوئی دستی لے کے آیا' کوئی ترازو ساتھ لایا۔ ہم تو باہر سے آئے ہوئے لوگ ہیں۔ کوئی پہلے آیا کوئی بعد میں۔ ہمارے اجداد پانچ سو کچھ ہجری میں آئے تھے جبکہ بھٹو صاحب والے اٹھارہ سو کچھ عیسوی میں آئے۔

سوال...... اچھا یہ بتائیے کہ پی این اے میں اختلافات کیا تھے؟

پیر صاحب...... پی این اے مختلف لیڈروں کے مجموعے کا نام تھا۔ ان میں سے کچھ ایسے تھے جو اپنے پاؤں پر بھی کھڑے نہ ہو سکتے تھے۔ مگر قومی سطح کے لیڈر بنے بیٹھے تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے کہ جن کی کوئی پالیسی ہی نہیں تھی۔ مگر ایک بات پر سب متفق تھے اور وہ یہ کہ مسلم لیگ کو آگے نہیں بڑھنے دینا۔ سہالہ سے باہر آئے تو مجھ پر دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی کہ آپ کوئی بیان نہیں دیں گے' کوئی بات نہیں کریں گے۔ تب اس کام کیلئے اصغر خان کو مقرر کیا گیا جو روز بیان دیتے یہ الگ بات کہ ان کی بات کسی کے پلے کم ہی پڑتی تھی۔

سوال...... اب ذرا کچھ متفرق سوالات۔ کیا یہ درست ہے کہ بیگم بھٹو حکومت کے ساتھ سمجھوتہ کر کے ملک سے باہر گئی تھیں؟

پیر صاحب...... مشہور تو یہی ہوا تھا' اور علی محمود ہارون کے گھر میں جنرل عباسی سے ان کی ایک طویل ملاقات بھی

ہوئی تھی۔ جس کے بعد وہ باقاعدہ سمجھوتے کے تحت ملک سے باہر گئی تھیں۔

سوال...... آپ ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ پیپلز پارٹی جنرل ضیاء الحق صاحب کی پارٹی ہے آپ کے پاس اس بات کیلئے کیا دلیل ہے؟

پیر صاحب...... حالات نے کیا یہ ثابت نہیں کر دیا کہ جب بھی پیپلز پارٹی کا بھاؤ ذرا کم ہوتا ہے' جنرل صاحب کی حکومت ایک بار پھر انہیں آگے بڑھا دیتی ہے؟

سوال...... جنرل صاحب کی حکومت نے تو اب معاملات مسلم لیگ کے سپرد کر دیئے ہیں۔

پیر صاحب...... مسلم لیگ کو حکومت نہیں دی گئی بلکہ اسے تو کمزور کر کے ٹکڑیوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔

سوال...... آپ نے مسلم لیگ کیوں چھوڑی؟

پیر صاحب...... ہم نے نہیں چھوڑی۔ یہ تو غیر سیاسی' غیر جماعتی' غیر نظریاتی اراکین نے ہم سے چھڑوا دی بلکہ دفن کروا دی۔

سوال...... یہ بتایئے کہ آئندہ کیلئے ملک کا کیا نقشہ ہونا چاہئے اور یہ بھی کہ کیا سیاست میں فوج کا کوئی کردار ہونا یا رہنا چاہئے؟

پیر صاحب...... آئندہ کی بات تو میں تب کروں گا جب میری پچھلی پیش گوئیاں جو باقی رہتی ہیں' پوری ہو جائیں گی۔ رہا فوج کا سیاست میں کردار تو جمہوری سیاست میں "نہیں"۔ ویسے اب ہماری فوج بھی سیاسی بن چکی ہے اور جنرل کا مطلب ہے "سیاستدان"

سوال...... مگر آپ نے اس کردار کو باقاعدہ ایک حیثیت دے دی اور جنرل صاحب کے ساتھ شراکت اقتدار (Share of Power) پر رضامند ہو گئے۔

پیر صاحب...... شراکت (Share) تو وہ ویسے ہی کرنے جا رہا تھا۔ اب ہمیں یہ دیکھنا تھا کہ وہ مسلم لیگ کے شیروں سے شراکت کرے یا کسی دوسری جماعت کے گیدڑوں سے۔ تو بھائی' شیر تو شیر ہی ہوتا ہے۔ اور سیاست یہی ہے کہ آپ ایک پاؤں رکھنے کی جگہ لیں' پھر دوسرا پاؤں رکھیں۔ اور پھر آگے بڑھیں۔ ہم نے مارشل لا کو تو رخصت کر دیا۔ اب آگے کیا ہوتا ہے۔ یہ دیکھتے جایئے۔

سوال...... اس ملک کی ترقی اور بہبود کیلئے آپ کے ذہن میں کیا خاکہ ہے؟

پیر صاحب...... کیسی ترقی؟ ترقی کے تمام اسباب تو ختم کر دیئے گئے یا باہر لے جائے جا چکے۔

سوال...... آپ جو بھی کہیں' مگر واقعہ یہی ہے کہ آپ اس ملک کی سیاست میں موجود تھے اور ملک ٹوٹ گیا۔ پھر مارشل لا بھی لگ گیا...........

پیر صاحب...... دیکھو بھئی' سیاست میں ہونے اور فیصلہ کرنے والا ہونے میں بڑا فرق ہے۔ ہم کبھی بھی فیصلہ کرنے والی پوزیشن میں نہیں رہے سوائے مسلم لیگ کے' اور اس کا حساب ہم دے سکتے ہیں کہ اسے کس حال میں پایا تھا اور کس حال میں چھوڑا۔

سوال..... اس ملک کی بے تحاشا سیاسی جماعتوں کو کم کر کے دو یا چار کر دینے کا کیا طریقہ ہے؟
پیر صاحب..... ہم نے تو سیاستدانوں کو مشورہ دیا ہے کہ اپنی حیثیت اور وقار کے مطابق ہم خیالی کی بنیاد پر 'اتحاد کریں' ورنہ انتخابات کے ذریعے جماعتوں کو کم کرنے کا عمل نسبتاً زیادہ تکلیف دہ ہو گا۔ جو وہاں پٹے گا' اس کی حیثیت پٹے ہوئے مرغے سے زیادہ نہیں ہو گی 'اور پٹے ہوئے مرغے کو سوائے باورچی خانے کے کہیں قبول نہیں کیا جاتا۔
سوال..... آج کل آپ جی ایم سید سے ملنے لگے ہیں اور جی ایم سید نے بھی آپ کو اپنا لیڈر تسلیم کیا ہے............
پیر صاحب..... ہم جب بھی جی ایم سید کے علاقے سے گزریں ان سے ضرور ملتے ہیں۔ مگر اس قسم کی ملاقاتوں سے کوئی فرق نہیں پڑا کرتا۔ آپ یہ مت دیکھا کریں کہ میں کس سے ملتا ہوں یا کس کے ساتھ کھانا کھاتا ہوں۔ آپ صرف میری پالیسی پر نگاہ رکھیں' جو کبھی تبدیل نہیں ہوئی۔ جی ایم سید یا غفار خان سے مل کر میری پالیسی تو تبدیل نہیں ہو جاتی۔
سوال..... آپ کی پالیسی کیا ہے؟
پیر صاحب..... ہماری پالیسی تو برسوں سے آپ کے سامنے ہے۔ آپ مسلم لیگ کے ریکارڈ اور پریس میں اسے دیکھ سکتے ہیں۔
سوال..... آپ نے اپنے پہلے انٹرویو میں کہا ہے کہ اس وقت ملک بڑے حصہ دار (Major Share Holder) اور اس کے مفاد یافتگان (Beneficiaries) کے نرغے میں ہے۔ کیا کبھی ان سے نجات بھی ملے گی؟
پیر صاحب..... وقت کے ساتھ ساتھ اپنے موقع پر یہ بھی چلے جائیں گے۔ اگلا الیکشن جماعتی بنیادوں پر ہو گا اور جماعتی بنیادوں پر منتخب ہونے والے نمائندے آئین میں ضروری ترامیم کر کے معاملات کو روبہ اصلاح کر دیں گے۔ ویسے ایک بات بتادوں اور وہ یہ کہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں بھٹو کی کرسی کو پورا تحفظ دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ مگر وقت آیا تو یہ اسے کوئی تحفظ فراہم نہ کر سکا۔ بلکہ سپریم کورٹ کے ججوں نے بھی پی سی او کے تحت حلف اٹھالیا اور یہ آئین عملی طور پر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد لوگوں کو محض بے وقوف بنایا جا رہا ہے' اور ہم سمجھتے بوجھتے ہوئے بھی بن رہے ہیں کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ آخر کار وہی ہو گا جو ہونا ہے۔ اس قسم کی چالوں یا چالبازیوں سے کسی کو کچھ نہیں ملے گا۔
سوال..... گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سپریم کورٹ کے ججوں نے مارشل لا کے دور میں اپنا فریضہ کماحقہ' ادا نہیں کیا۔
پیر صاحب..... نہیں' ہم عدلیہ کے خلاف کوئی بات نہیں کرتے۔ ہم نے تو بھٹو کے دور میں بھی ایسی بات نہیں کی حالانکہ اس وقت کے بعض ججوں کے بارے میں ہمیں علم تھا کہ وہ اپنے منصب سے فروتر حرکات میں ملوث تھے اور اپنی کرسی کے تقاضے پورے نہیں کر رہے تھے۔
سوال..... آپ نے حال ہی میں کہا ہے کہ پرانے مسلم لیگی نئی مسلم لیگ پر قبضہ کر لیں گے۔ یہ واقعہ کب ہو گا؟

اور کیا ایسا بھی کوئی امکان ہے کہ کالعدم صدر کو دوبارہ صدر بنا دیا جائے؟

پیر صاحب...... مسلم لیگ پر نہیں، مسلم لیگ کی پالیسی پر قبضہ ہو گا۔ رہا کالعدم صدر کا معاملہ تو یہ بات اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے کہ وہ کب حضرت عیسیٰ کو چوتھے آسمان سے اتارے گا اور کب مسلم لیگ کے کالعدم صدر کو موجودہ صدر بنا دے گا۔ ہم دونوں ہی کالعدم ہو کر منتظر ہیں۔ ویسے ایک بات ہے، اور وہ یہ کہ ہم آ کر کیا کریں گے؟ کتنے لوگوں سے لڑ سکیں گے؟ جو لوگ بدتر حالات میں اکٹھے ہو کر نہ چل سکے، وہ بہتر حالات میں کیسے اکٹھے ہو سکیں گے۔

سوال...... مسلم لیگ نے اگر موجودہ موقع کھو دیا تو کیا اسے کوئی اور موقع بھی مل سکے گا؟

پیر صاحب...... میں نہیں سمجھتا کہ ایسا ہو گا۔ کوئی بھی مہذب سوسائٹی ایسی جماعت کو اپنانے پر تیار نہ ہو گی، جو ہمیشہ اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مارتی جائے اور ذمے داری میں مناسب طور پر حصہ دار نہ بنے مگر کوئی بھی جماعت اس وقت تک ختم نہیں ہوتی جب تک اس کے ماننے والے باقی ہوں۔ ابھی تک بہت سے ایسے لوگ باقی ہیں جنہیں اصولوں کی ضرورت ہے۔ میں نے ایک بار کہا تھا کہ مسلم لیگ نمک کی ایسی کان ہے جس میں جو بھی گرا آخر کار نمک ہی ہو گیا۔ انہوں نے بھی آخر کار ہمارے رنگ میں رنگا جانا ہے۔

سوال...... کہیں آپ جنرل صاحب کو بھی کھینچ کر اسی کان میں ڈالنے کی کوشش تو نہیں کر رہے؟

پیر صاحب...... ان کا ہمارے ہاں کیا کام۔ وہ تو ریٹائرڈ ملازمین کے کلب میں جائیں گے۔

سوال...... کہیں اس بات کا امکان تو نہیں کہ بڑے حصے دار اور مفاد یافتگان کے دباؤ سے تنگ آ کر مسلم لیگ واک آؤٹ ہی کر جائے؟

پیر صاحب...... سیاسی پہلوان کبھی واک آؤٹ نہیں کیا کرتے۔ بس یونہی داؤ پیچ چلتے رہیں گے۔ بلے چوہے کا کھیل جاری رہے گا۔ اور جب تبدیلیوں کے موجودہ راؤنڈ کی فائنل تبدیلی ہو جائے گی تو میں آئندہ کی پیش گوئی کر دوں گا۔

سوال...... یہ بتائیے کہ تبدیلیوں کے موجودہ راؤنڈ میں اگلا نشانہ کون ہو گا؟

پیر صاحب...... یہ تو اس سے پوچھو جو نشانہ لے کر بیٹھا ہوا ہے۔ وہی بتا سکے گا کہ اس کی نیت کیا ہے؟

سوال...... اتنا تو بتا دیجئے کہ پہلا وار کس پر ہو گا؟ بڑے حصے دار پر یا اس کے مفاد یافتگان پر؟

پیر صاحب...... یہ تو میں کہہ نہیں سکتا، مگر ایک بات یاد رکھو وہ یہ کہ بڑا حصے دار ہمیشہ زیادہ محفوظ ہوتا ہے اور مفاد یافتہ بلونگڑوں پر آفت پہلے آتی ہے۔

سوال...... صوبائی اور علاقائی تعصبات کو کم کرنے کیلئے موجودہ صوبوں کو نسبتاً چھوٹے یونٹوں میں تقسیم کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟

پیر صاحب...... ایک بات تو بہرحال صاف ہے، اور وہ یہ کہ اس قسم کے تمام تعصبات "پیریٹی" کے بعد کی پیداوار ہیں۔ اور اب اس مقام پر ہیں جہاں کم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس ملک میں برائی کبھی گھٹی ہی نہیں۔

البتہ اچھائی کم سے کم تر ہوتی چلی جارہی ہے۔ اب جس صوبے کے مزید حصے ہو سکتے ہوں' اسے چاہئے کہ وہ بیٹھ کر فیصلہ کرے کہ اس میں کتنے اور کون کون سے حصے ہو سکتے ہیں۔

سوال......جی ایم سید نے کہا ہے کہ پیر صاحب سندھ کے سردار ہیں' اور پنجاب کو ان سے بنا کر رکھنی چاہئے۔

پیر صاحب..... دیکھو بھئی' سندھ میں مسلم لیگ کیلئے اگر کسی نے قربانی دی یا مسلم لیگ کے "کاز" کو کسی نے آگے بڑھایا تو وہ صرف پیر پگارا اور "حر" ہی ہیں باقی تو یہ ہے کہ جو لوگ مسلم لیگ کے نام پر مہاجر ہو کر آئے انہوں نے بھی سابقہ انتخابات میں مسلم لیگ کو ووٹ نہیں دیئے بلکہ اپنے نمائندوں کو منتخب کیا۔ نواب یامین مسلم لیگ کے نام پر نہیں' مہاجر ووٹوں کے بل پر کامیاب ہو کر اسمبلی میں پہنچے ہیں۔ جبکہ ہم نے ہمیشہ مسلم لیگ کی بات کی۔

سوال......میرا سوال یہ تھا کہ آپ پنجاب سے ناراض ہیں؟

پیر صاحب...... نہیں' میں کسی سے بھی ناراض نہیں۔ اور پنجاب کا کوئی ایک اخبار پورا پنجاب نہیں ہے۔ کسی ایڈیٹر یا کلرک سے ناراضگی کا مطلب پنجاب سے ناراضی تو نہیں۔ ہم نے تو متحدہ جمہوری محاذ' مسلم لیگ اور پی این اے میں ہمیشہ پنجاب کو اولیت دی۔

سوال...... میرا سوال بالکل دوسرا ہے' میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اب تو آپ پنجاب کی قیادت کا بڑا کھانا بھی کھا چکے............؟

پیر صاحب...... کھانا تو ہم جہاں دانہ پانی لکھا ہو' کھا لیتے ہیں مگر کھانے اور نذرانے سے ہماری پالیسی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔



شراکت اقتدار

جونیجو حکومت کے دوران پیر صاحب کے بیانات اور انٹرویو

قومی بلدیاتی ادارہ

۱۳ جون ۱۹۸۵

اسلام آباد

سوال..... پیر صاحب' یہ بتایئے کہ آپ کے سابق ریلوے بابو بطور وزیر اعظم کیسے جا رہے ہیں:

پیر صاحب..... ریلوے بابو؟ (ہنستے ہوئے) اب تو وہ بھی ہمارے پاس نہیں رہا۔ یہ دیکھئے۔ دو وزیر یہاں بیٹھے ہیں۔ ان سے پوچھئے کہ صورت حالات کیا ہے

دونوں وزیر (بیک زبان) پیر سائیں' آپ کے سامنے کوئی وزیر نہیں۔

سوال..... جی ہاں' یہ سوال بھی اپنی جگہ ہے کہ کیا آپ کے گھر آنے والے بھی بطور وزیر آتے ہیں یا یہاں ان کی حیثیت کچھ اور ہوتی ہے؟

اسلام الدین شیخ..... جب پیر سائیں بیٹھے ہوں تو نہ کوئی وزیر ہوتا ہے نہ وزیر اعظم سورج کے سامنے چراغ کی کیا حیثیت؟

پیر صاحب... بھئی ہم تو خود ان سے پوچھنے آئے ہیں کہ حالات کیا ہیں؟

سوال..... سنا ہے حکومت اپنی سیاسی جماعت تشکیل دینا چاہتی ہے۔ آپ بھی گزشتہ رات وزیر اعظم سے ملے۔

پیر صاحب..... وزیر اعظم؟

سوال..... جی ہاں' ہمارے لیئے وہ وزیر اعظم ہی ہیں۔

پیر صاحب..... دیکھو بھئی' وزیر اعظم تو رعب دار آدمی ہوتا ہے۔ میں تو کسی رعب دار آدمی سے ملا ہی نہیں' اس گھر میں رعب دار آدمی کا کیا کام؟ رعب داب کی بات تو جماعت اسلامی والوں سے پوچھو جو ہر حکومت کو فورس تیار کر کے دیتے ہیں۔ جنرل اکبر یاد ہے؟ وہ بھی تو جماعت اسلامی کا آدمی تھا۔

سوال..... کیا آپ بھی ان سے کوئی فورس تیار کروا رہے ہیں؟

پیر صاحب..... نہیں بھئی۔ ہم تو قومی فورس استعمال کریں گے۔ یہ موجود ہے تو اپنے خرچے پر فورس کیوں بنائیں؟

سوال..... قومی اسمبلی میں تشکیل پانے والے سرکاری پارلیمانی گروپ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا مسلم لیگ کو اس سے کوئی خطرہ ہے؟

پیر صاحب..... کیا یہ گروپ ایم آر ڈی سے بھی زیادہ بھیانک ہے؟ ایم آر ڈی کو بھی تو آپ لوگ بڑا بھیانک قرار دیتے اور کہتے تھے کہ وہ یہ کر دیں گے' وہ کر دیں گے۔ مسلم لیگ اس سے نہیں ڈری تو اس گروپ سے کیا

ڈرے گی۔ البتہ اگر اسے بھوت بنانے کی کوشش کی گئی تو پھر ہم بھی دیکھ لیں گے کہ اس کے کتنے ہاتھ ' کتنے پاؤں اور کتنے سر ہیں۔

سوال.....اس پارلیمانی گروپ کے بھوت بننے کا بھی کوئی خطرہ ہے؟

پیر صاحب.....مجھے کیا پتا۔ میں تو ابھی اسے جانتا بھی نہیں۔ بس آپ ہی سے سنا ہے۔ ویسے ہر آدمی کے ساتھ ایک گروپ ہوتا ہے۔ جہاں پچاس پارلیمانی سیکرٹری ہوں گے' منسٹر ہوں گے 'منسٹر آف سٹیٹ ہوں گے وہاں پارلیمانی گروپ بھی بن جائے گا۔ پارلیمانی گروپ تو ایسے ہی اکٹھا ہو جاتا ہے۔ ڈیڑھ دو سو آدمی تو یہی بن جاتے ہیں۔ یہ تو وزیروں اور مشیروں کا گروپ ہے۔ پارلیمانی گروپ کیسا' یہ تو کرسیوں کا گروپ ہے۔

سوال.....وزیروں اور کرسیوں کا یہ گروپ مسلم لیگ پر کیا اثرات مرتب کرے گا؟

پیر صاحب.....کچھ نہیں۔ ہم سب کو اپنانے کے لئے تیار ہیں۔ (ہاتھ دراز کرتے ہوئے) بخت والا وہی ہے جو دستگیری والا ہاتھ پکڑ لے۔

سوال.....اگر یہ گروپ مسلم لیگ کے مدمقابل آن کھڑا ہوا تو کیا ہو گا؟

پیر صاحب.....مدمقابل؟ یہ کانگریس تو نہیں بن سکتے۔ ایوان میں بہت سے گروپ ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ایسا ہی ایک گروپ ہے۔

سوال.....اور ایوان کے باہر؟

پیر صاحب.....ایوان کے باہر؟ بھئی ' یہ تو غیر سیاسی لوگ ہیں۔ انہوں نے کون سا قومی پروگرام دیا ہے جو ایوان کے باہر ان کی بات بنے۔ مسلم لیگ کے پاس تو ایک قومی نظریہ ہے' عالمگیر نظریہ۔ رہے یہ لوگ تو ان کے پاس تو اپنے گھر کا نظریہ بھی مشکل ہی سے ہو گا۔ لہٰذا کوئی مقابلہ ہی نہیں.....نو کمپیریزن

سوال.....کیا قومی اسمبلی کے ۲۳۷ ارا کین مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں گے؟

پیر صاحب.....دیکھو بھئی' ۲۳۷ ارا کین مسلم لیگی پروگرام کے ہم خیال ضرور ہو جائیں گے۔ کیونکہ اس وقت مسلم لیگ کا مطلب ہے' "اتحاد' جمہوریت کی بحالی اور بنیادی حقوق کا احیا"۔ اگر وہ ایوان میں مسلم لیگ کے ہم خیال ہو جائیں تو پھر وہ جو بھی کہیں گے ہم ان کے ساتھ ہوں گے۔ چاہے یہ مارشل لا کا خاتمہ ہو یا عوام اور اخبارات کے حقوق کی بحالی۔

سوال.....آپ نے جمہوریت کی بحالی کا ذکر کیا.....جمہوریت میں تو سیاسی جماعتیں بھی ہوا کرتی ہیں؟

پیر صاحب.....جب جمہوریت کا احیا ہو گا تو سیاسی جماعتیں بھی آ جائیں گی۔ جب جمہوریت ہی نہیں تو کیسا احیا اور کیسی سیاسی جماعتیں؟

سوال.....آپ کے خیال میں جمہوریت کے احیا کا کوئی خطرہ موجود ہے؟

پیر صاحب.....(قہقہہ لگاتے ہوئے) احیا کا خطرہ (دوبارہ قہقہہ) فی الحال تو جنرل لوگوں کو کوئی خطرہ نہیں ہے کہ جمہوریت بحال ہو جائے گی تو وہ پریڈ گراؤنڈ میں چلے جائیں گے۔

سوال..... کیا آپ سال رواں میں مارشل لا کے خاتمے کی توقع رکھتے ہیں؟
پیر صاحب..... میں تو چوتھے مارشل لا کے انتظار میں ہوں اور صبح ہوتے ہی کھڑکی کھول کر دیکھتا ہوں کہ کوئی ہمیں پکڑنے تو نہیں آیا۔ تیسرے مارشل لاء میں بھی تو ایسے ہی آدھی رات کو پکڑ کر لے گئے تھے۔ نیند سے اٹھا کر لے گئے تھے۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ اب کی بار ہمیں وہ آرام سے لے کر جائیں کہ یہ بے ضرر لوگ ہیں۔
سوال..... آپ نے ایک بڑی حساس بات کہی ہے۔ اس وقت قومی اسمبلی کے بعض اراکین آئینی بحران پیدا کرنے کی جو کوششیں کر رہے ہیں' ان کے نتیجے میں کیا کسی نئے مارشل لا کا امکان ہے؟
پیر صاحب..... آئینی بحران تو اسی دن پیدا ہو گیا تھا جب مارشل لا نافذ ہوا۔ اب اس بحران کو ختم کرنے کے لئے لوگ دیواروں پر ٹکریں مار مار کھڑکیاں بنا رہے ہیں۔
سوال..... گویا آپ کے نزدیک صورت حال کافی گھمبیر ہو چکی ہے۔
پیر صاحب..... ہمارے لئے تو گھمبیر نہیں ہوئی۔ ہم تو یہاں ایک آدھ دن کے لئے چند دوستوں سے ملنے آئے ہیں۔ اگر صورت حال گھمبیر ہوتی تو ہم بھی یہاں بیٹھے ہوتے' روز اجلاس ہوتے' گفتگوئیں ہوتیں' فون کھڑک رہے ہوتے۔
سوال..... چوتھے مارشل لا کی صورت میں صرف موجودہ ایوان ہی ختم ہو گا؟
..... پیر صاحب..... اس ایوان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ کسی بھی نظریاتی ملک میں غیر نظریاتی ایوان ہوتا ہی نہیں۔ کوئی نہ کوئی نقطۂ نظر ہوتا ہے' نظریہ ہوتا ہے۔ مگر یہ تو چوں چوں کا مربہ ہے۔ کسی کی کوئی رائے ہی نہیں۔
سوال..... تو پھر چوتھا مارشل لا کب آ رہا ہے؟
پیر صاحب..... ہمیں کیا معلوم۔ ہم تو کھڑکی سے دیکھتے ہیں کہ خیر تو ہے۔ اور ہماری خواہش یہ ہے کہ اب کی بار وہ ہمیں نیند سے نہ جگائیں بلکہ ہم انہیں دروازے پر انتظار کرتے ہوئے ملیں۔
سوال..... آپ ۱۹۸۷ء میں عام انتخابات کی جو بات کرتے رہے......
پیر صاحب..... دیکھو بھئی' یہ سوال آپ کو اس وقت پوچھنا چاہئے تھا جب میں نے یہ کہا تھا۔
سوال..... پوچھنا یہ ہے کہ ۱۹۸۷ء کے انتخابات بھی موجودہ مارشل لا ہی کے تحت ہوں گے؟
پیر صاحب..... دیکھئے' پوزیشن یہ ہے کہ جس روز اسمبلی میں حلف برداری ہو گئی۔ تکنیکی طور پر تو مارشل لا اسی روز ختم ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد کایا پلٹ ہو گئی جس کے نتیجے میں منتخب ہاؤس ڈی جیورو ہو گیا اور مارشل لا ڈی فیکٹو رہ گیا۔ جبکہ ہونا اس کے برعکس چاہئے تھا۔ اس وقت کیفیت یہ ہے کہ مارشل لا نہیں ہے' مگر بتایا جا رہا ہے کہ مارشل لا ہے۔ اب یا تو حلف غلط اٹھایا گیا۔ یا مارشل لا غلط ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ موجودہ صورت حال کیا ہے۔ اے کے بروہی صاحب یا شریف الدین پیرزادہ صاحب ہی بتائیں تو بتائیں۔
سوال..... آپ سینٹ میں مارشل لا کے متعلق کوئی تحریک لائیں گے؟
پیر صاحب..... سینٹ میں "رحمت الٰہی" کے ہوتے ہوئے اور کیا آ سکتا ہے (قہقہہ)۔

سوال..... ملک کی سب سے بڑی پارٹی کی معیت میں مارشل لا کے متعلق آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟

پیر صاحب..... میں سمجھتا ہوں کہ لوگ یعنی اراکین اسمبلی منتشر مزاج ہیں۔ اگر وہ ہمارے ہم خیال اور ہم حال ہو جاتے تو کچھ اور ہوتا۔ یا مارشل لاء رہتا یا یہ ایوان رہتا۔

سوال..... گویا آپ محسوس کرتے ہیں کہ اسمبلی کا ایوان آپ کے ساتھ نہیں ہے؟

پیر صاحب..... بالکل ساتھ ہے۔ اگرچہ ان کے اور ہمارے راہ عمل میں فرق ہے مگر رجحان ایک ہی ہے نقطہء نظر ایک ہی ہے۔ صرف راہ عمل کا فرق ہے۔ اب جو مریض ہو' اسی کو ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیئے۔ ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ جسے بھی رہنمائی چاہیئے' دستگیری ہم ہی کریں گے۔

سوال..... یہ راہ عمل کا تفرقہ کتنے لوگوں نے پیدا کیا ہے؟

پیر صاحب..... اب میں گنتی کیا گنواؤں؟

سوال..... سنا ہے جونیجو صاحب وسیع تر قومی مفاد کی خاطر نئی پارلیمانی پارٹی میں شرکت پر آمادہ ہیں؟

پیر صاحب..... یہ آپ محمد خان سے پوچھئے مجھے ان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ جو خود پیرو کار ہو' اس نے پارٹی کی رہنمائی کیا کرنی ہے۔ وہ مسلم لیگ کا عہدیدار ہے اور مسلم لیگ کے صدر کا ماتحت بھی۔ اب جو خود ماتحت ہو' وہ حکم کیا دے سکتا ہے؟

سوال..... مگر آپ تو انہیں جنرل صاحب کی متابعت میں دے چکے ہیں؟

پیر صاحب..... ہم نے تو قرضے پر دیا ہے۔ آپ کو یاد ہے' ریفرنڈم سے بھی پہلے ہم نے سب کے سامنے کہہ دیا تھا کہ ہم قرضے پر دیں گے۔ بعد میں تو یہ بات ہی نہیں ہوئی کیونکہ معاملہ پہلے سے طے شدہ تھا۔

سوال..... یہ قرضہ خورد برد تو نہیں ہو جائے گا؟

پیر صاحب..... کیسے خورد برد ہو جائے گا' سائیں؟ سندھ کے لئے دو ہی لاشیں کافی ہیں۔ اب کی بار سندھ سے آنے والا وزیر اعظم صحیح و سالم واپس کرنا پڑے گا۔ تیسری لاش نہیں جائے گی۔ ہمیں وہ صحیح و سالم چاہیئے۔ زندہ سلامت۔ قرضے پر دیا ہے' خورد برد کرنے کے لئے نہیں۔

سوال..... یہ قرضہ کتنے عرصے کا ہے؟ اور پھر عندالطلب والا ہے یا محدود مدت کے لئے؟

پیر صاحب..... دیکھ بھئی' جی ایچ کیو سے ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم حساب کتاب نہیں کرتے۔ جو دے دیا سو دے دیا۔ جب تک چاہو استعمال کرو۔ مگر زندہ سلامت واپس بھیج دو۔

سوال..... کیا آپ اپنے جوابات سے مطمئن ہیں؟

پیر صاحب..... دراصل بات یہ ہے کہ آپ دوسرے سیاستدانوں کے پاس جاتے ہیں تو ان سے اپنی مرضی کے جوابات حاصل کر لیتے ہیں' اسی لئے میں انہیں سیاستدان نہیں سیاست کار کہتا ہوں۔ میں تو بھائی اپنی مرضی کا جواب دیتا ہوں۔ اگر آپ اپنی مرضی کا جواب چاہتے ہیں تو مجھے پہلے سے بتا دیں۔ مجھے جو کچھ پتا ہے میں تو وہ بتاتا ہوں۔

سوال..... اچھا آپ یہ بتائیے کہ کیا مسلم لیگ کا مستقبل محفوظ ہے؟

پیر صاحب..... اللہ کے فضل و کرم سے محفوظ ہے۔ پارٹیاں تو بنتی بگڑتی رہتی ہیں۔ کئی آئیں، کئی گئیں۔ لیکن مسلم لیگ قائم رہے گی۔

سوال..... آپ مستقبل کا کیا نقشہ دیکھ رہے ہیں؟ یہاں کیسی صورت حال بننے کا امکان ہے؟

پیر صاحب..... بات یہ ہے کہ نظریاتی قوموں کے ایوان بھی نظریاتی ہوتے ہیں۔ آپ نے تو ایک قومی بلدیاتی ادارہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ پنجاب میں ڈپٹی کمشنر خود مختار ہے۔ وہ جو چاہے، کرتا ہے۔ ایسے اداروں میں جب کوئی بلدیاتی ممبر شور کرے تو اسے یا نکال دیتے ہیں یا پھر خوش کر دیتے ہیں۔ ایسا ہی یہاں بھی ہو رہا ہے کہ کسی کو پرمٹ دے دو کسی کو لائسنس دے دو کسی کو ہیروئن کا شپ منٹ دے دو تو کسی کو فیکٹری یا کوئی وزارت دے دو۔

سوال..... پیر صاحب، یہ بتائیے کہ موجودہ گورنروں کا کیا ہو گا؟

پیر صاحب..... یہ فوجی گورنر ہیں اور جب تک مارشل لا ہے یہی رہیں گے۔ ویسے گورنر کوئی بھی ہو، ہمیں کیا تکلیف ہے۔ بات تو رولز آف بزنس کی ہے۔ اگر ان میں لکھا ہے کہ فائل سیکرٹری سے سیدھی گورنر کے پاس جائے تو وہاں کوئی بھی بٹھا دیں۔ وہ فوجی ہو یا اخبار نویس۔ فائل تو سیکرٹری سے سیدھی گورنر کے پاس جائے گی۔

سوال..... پانی کی تقسیم کے مسئلے پر ایک ہی حکومت کے دو صوبائی وزراء اعلیٰ کا موقف مختلف کیوں ہے؟

پیر صاحب..... ان میں سے ایک وزیر اعلیٰ تو اپنی بات کرتا ہے، مگر دوسرا پرائی بات کرتا ہے۔ نواز شریف پرائی بات کرتا ہے۔ معلوم نہیں وہ کس کو نوازتا ہے۔ شرافت اسے نوازتی ہے یا وہ شرافت کو نوازتا ہے۔ یہ تو پتا ہی نہیں چلتا۔ اب دیکھیں نا، کام کرنے والا جیلانی "صاحب"۔ جواب دینے والا نواز شریف "صاحب"۔

سوال..... کیا اس سے وفاقی حکومت کی بد انتظامی ظاہر نہیں ہوتی؟

پیر صاحب..... وفاق کا اس سے کیا واسطہ؟ اس کی اپنی حدود ہیں۔ یہ تو صوبوں کا معاملہ ہے، جسے گورنر صاحب نے خراب کرایا اور جان بوجھ کر کرایا ہے۔ اگر ہمارے کسی پنجابی بھائی کے کھیت سیراب ہو جاتے تو ہم کہتے کہ چلو، کسی کا تو بھلا ہوا۔ مگر انہوں نے معاملہ جان بوجھ کر خراب کیا اور پانی ضائع کر دیا۔ سوکھے ہوئے راجباہوں اور نہروں میں پانی چھوڑ کر اسے ضائع کرنا غلط نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ تو ان کی بدنیتی ہے۔

سوال..... اس بدنیتی سے انہیں کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ آخر ان کا مقصد کیا ہے؟

پیر صاحب..... یہ تو جنرل جیلانی صاحب سے پوچھیں۔ مقصد بھی وہی بتا سکتے ہیں، میں کوئی عالم الغیب تو نہیں ہوں۔

سوال..... آپ انہیں بدنیت قرار دیتے ہیں، حالانکہ جیلانی صاحب اور فضل حق صاحب نے تو مارشل لا کے خاتمے کی قرارداد یں بھی منظور کروا دی ہیں۔

پیر صاحب..... یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ وہ کس کے لئے مسائل پیدا کر رہے ہیں؟ جنرل ضیاء الحق کے لئے یا سندھ اور پنجاب کے لئے؟۔ اس لئے تو سندھ والے کہتے ہیں کہ اوپر قرآن کچھ اور ہے، نیچے کچھ اور۔ اگر کوئی بتیسواں

سیپارہ رہ گیا ہے تو وہ بھی ہمیں بھیج دو تاکہ ہم دیکھ لیں کہ اس میں کیا لکھا ہے۔

سوال...... جو کھیل اس وقت چل رہا ہے' اس کا انجام کیا ہو گا؟ اس میں کچھ بچ جائے گا؟

پیر صاحب...... فاؤل پلے کا انجام کیا ہوا کرتا ہے؟ اور بچے گا کیا؟ فاؤل پلے میں جو گول کرتے ہیں 'کوئی انہیں تسلیم کرتا ہے؟

سوال...... لگتا ہے آپ کے ساتھ کئے گئے وعدے پورے نہیں ہو رہے؟

پیر صاحب...... کیسا وعدہ اور کس کا وعدہ؟ میرے ساتھ تو کسی کا کوئی وعدہ تھا ہی نہیں۔ ہم نے کوئی سودے بازی نہیں کی۔ صرف قرضہ دیا ہے اور جی ایچ کیو سے حساب کتاب بھی لے لیں گے مگر ابھی نہیں' ابھی تو ہم صرف جمہوری اور بنیادی حقوق کی واپسی چاہتے ہیں۔

سوال...... آپ سیاسی جماعتوں کی بحالی ۱۹۶۲ء کے ایکٹ کے تحت چاہتے ہیں؟

پیر صاحب...... مارشل لا کا تو اپنا ہی ایکٹ ہوتا ہے 'نظریہ ضرورت کا ایکٹ' اور ہم بھی اسی کے تحت مطالبہ کر رہے ہیں۔ اسی کے تحت اپنا آدمی بھی قرضے پر دیا ہے۔ کیونکہ زمیندار اپنی ساری زندگی ہی نظریہ ضرورت کے تحت گزار دیتا ہے' شہر والوں پر یہ نظریہ کبھی کبھی آتا ہے جبکہ ہم تو پیدا ہی نظریہ ضرورت کے تحت ہوتے اور پھر اسی کے تحت زندہ رہ کر اسی کے تحت مر جاتے ہیں۔

سوال...... آخر آپ کا ارادہ کیا ہے؟ آپ کی مسلم لیگ کیا کرے گی؟

پیر صاحب...... ہمارا ارادہ کیا ہونا ہے۔ جی ایچ کیو کے مسائل ہمارا درد سر نہیں ہیں۔ جو بھی آئے گا' ہمارے سر کا سائیں ہو گا۔ مگر میں کبھی کسی کو دعوت نہیں دیتا بلکہ خود کارڈ کے انتظار میں رہتا ہوں۔

سوال...... بائیس اراکین اسمبلی نے مطالبہ کیا ہے کہ مارشل لا کے خاتمے سے قبل شریعت کا نفاذ ضروری ہے۔

پیر صاحب...... اس برصغیر میں شریعت کب آئی؟ کس سن میں مسلمان یہاں آئے؟ ۷۱۲ء میں آئے نا؟ یعنی بارہ سو سال ہو گئے۔ تو آپ بتائیے کہ ان بارہ سو برسوں میں شریعت کب آئی؟ مسلمان کھجور کا بیج لائے' کھجور لائے' اور بہت کچھ لائے' مگر شریعت کوئی نہیں لایا۔ اب شریعت کہاں سے آئے گی؟

سوال...... کیا مسلم لیگ کے منشور میں شریعت شامل نہیں؟

پیر صاحب...... مسلم لیگ کے منشور میں اخلاق اور کردار کی بات ہے' اور یہ کہ فرامین الٰہی کو سمجھ کر ان پر عمل کیا جائے۔ مگر ناک اور ہاتھ کاٹنے کی بات مسلم لیگ نے کبھی نہیں کی۔ میں کہتا ہوں کہ میں نے جو تاریخ پڑھی ہے' اس میں کسی کو عربستان سے شریعت لاتے نہیں سنا۔

سوال...... کچھ لوگ کہتے ہیں کہ موجودہ ایوان کو جس مضبوط قیادت کی ضرورت ہے' وہ صرف جنرل ضیاء الحق دے سکتے ہیں۔

پیر صاحب...... جنرل ضیاء الحق نے گزشتہ آٹھ سال میں تو مضبوطی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اب اگر وہ مظاہرہ کریں تو پتا چلے کہ مضبوطی کیا ہے۔

سوال...... آپ نے بھی تو مسلم لیگ کا دروازہ جنرل ضیاء الحق کے لئے کھول رکھا ہے؟

پیر صاحب...... ہم نے نہیں' میاں طفیل محمد نے ان کا استقبال کیا۔ اصغر خان نے دعوت دی۔ ہم نے تو آفت کو دیکھ کر کہا کہ وقت کا تقاضا یہی ہے۔ ہم ان کے ساتھ بھائی بھائی بنے چلے آ رہے ہیں۔

سوال...... آپ نئے مارشل لا کی بات کر رہے ہیں' مگر جو لوگ لاکھوں روپے خرچ کر کے اس غیر جماعتی ایوان میں آئے ہیں' ان کا کیا بنے گا؟

پیر صاحب...... یہ تو خود ان سے پوچھیں۔ وہ ہم سے پوچھ کر تو نہیں آئے۔ ہم نے تو جمہوری عمل میں شرکت کی بات کی تھی کیونکہ ۱۹۵۸ء سے ہم جمہوریت سے دور تھے۔ ہم نے تو انہیں پریکٹس کے لئے کہا تھا' ووٹ ڈالنے کی پریکٹس کے لئے۔ یا کنویسنگ کرنے کی پریکٹس کے لئے۔ مگر جمہوریت کہاں ہے؟ مجھے تو وہ نظر نہیں آئی۔ نہ پہلے نہ اب یہ جمہوریت ہوتی کیسی ہے؟ آپ نے کبھی دیکھی ہے؟ میں تو اس کی تلاش میں ہوں مگر ایک بات سن رکھئے اور وہ یہ کہ کسی بھی غیر نظریاتی ایوان کا نظریاتی مملکتوں میں کوئی مستقبل نہیں ہوتا۔ اب یہ فیصلہ آپ کریں کہ آپ کو کیا چاہیئے 'ملک یا غیر نظریاتی ایوان؟ کیونکہ غیر نظریاتی ایوان اور نظریاتی مملکت ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ اب یہ ہر ایک کی اپنی سمجھ پر ہے کہ وہ میری اس بات کا کیا مطلب سمجھتا ہے۔

سوال...... آپ کا قرضے پر دیا ہوا بندہ اگر خود مکر جائے یا واپس نہ آنا چاہے تو کیا ہو گا؟

پیر صاحب...... مجھے کوئی افسوس نہیں ہو گا۔ جس قوم کے بینک تیس کروڑ روپے کی رقوم ڈبوئے بیٹھے ہوں' وہاں میرا قرضہ بھی ڈوب جائے تو کیا ہے۔

سوال...... آپ کے خیال میں کتنی جماعتوں کو کام کرنے کی آزادی ہونی چاہیئے؟

پیر صاحب...... جتنے عوام کے سیاسی نظریات ہیں۔ کیونکہ ہر نقطہ نظر کے کچھ نہ کچھ پیرو کار ضرور موجود ہیں۔ مسلم لیگ کو تو سو یا دو سو پارٹیوں پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ بلکہ جتنی پارٹیاں ہوں' ہمیں تو فائدہ ہی فائدہ ہے۔

سوال...... پیپلز پارٹی پر پابندی کے بارے میں کیا خیال ہے؟

پیر صاحب...... انہوں نے اپنے آپ کو خود ہی رجسٹرڈ نہیں کرایا۔ اگر رجسٹرڈ کرا لیتے تو ان پر بھی کوئی پابندی نہ ہوتی۔ انہوں نے خود کو رجسٹرڈ اس لئے نہیں کرایا کہ وہ اپنے حسابات پیش نہیں کرنا چاہتے تھے۔ جہان تک ان کی آئندہ رجسٹریشن کا سوال ہے تو یہ ان سے پوچھئے جو رجسٹرڈ کرنے والے ہیں' یعنی حکومت اور الیکشن کمشن ۔ ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک ملک کو کم یا زیادہ جماعتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ رجسٹریشن تو نظریہ ضرورت کی پیداوار تھی' بعض جماعتوں کے لامحدود اخراجات کا اندازہ لگانے کے لئے۔ رہی ہماری مسلم لیگ تو جب یہ جماعت بنی تھی تب نظریہ ضرورت نہیں تھا' اس لئے رجسٹریشن کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

سوال...... بھارت اور افغانستان کے حوالے سے آپ کا کیا خیال ہے؟

پیر صاحب...... میرا خیال ہے کہ بارڈر جیسے ہیں' ویسے ہی رہیں گے۔ ہمیں کسی طرف سے کوئی خطرہ نہیں۔ اگر

واقعی کوئی خطرہ ہے تو فوجیوں کو بیرکوں کی بجائے لڑائی کے میدان کی طرف جانا چاہیئے ۔ اگر وہ لڑائی کے میدان کی طرف نہیں جاتے تو پھر کوئی خطرہ نہیں۔

سوال...... آپ نے آج نظریاتی ایوان کی بات پہلی بار کی ہے۔

پیر صاحب...... دراصل نظریات کا لفظ آپ کی سمجھ میں آج پہلی بار آیا ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ یہ ملک نظریاتی ایوان کے بغیر چل ہی نہیں سکتا۔ اس وقت جو کچھ ہے یہ محض ایک بلدیاتی ادارہ ہے' جس کا کوئی نظریہ ہی نہیں ہوتا۔ اسے نظریاتی ایوان میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ووٹروں نے آپ کو اس کا حق ہی نہیں دیا۔ پھر اس ایوان میں نظریات کی بات کسی نے کی بھی تو نہیں۔ سبھی پٹواریوں کے تبادلوں' بجلی کے کھمبوں اور تھانیداروں کی ترقی یا تنزلی کی باتیں کر رہے ہیں۔ نظریات تو سیاسی جماعتوں کے پاس ہوتے ہیں' اسی لئے ہم نئے انتخابات کی بات کر رہے ہیں اور نئے انتخابات بہرحال ہوں گے' عنقریب۔ اب یہ جنرل صاحب سے پوچھئے کہ عنقریب سے کیا مراد ہے؟ ہماری طرف سے تو یہ بلدیاتی حضرات جتنی دیر چاہے' بیٹھے رہیں۔

سوال...... اگر ایوان کی اکثریت مسلم لیگ میں شامل ہو جائے تو کیا یہ ایوان نظریاتی ہو جائے گا؟

پیر صاحب...... نہیں بالکل نہیں۔ کیونکہ انہیں تو نظریئے کی بنیاد پر ووٹ ہی نہیں ملے۔ ووٹر نے انہیں گٹر صاف کرنے کے لئے ووٹ دیئے ہیں' قومی مسائل حل کرنے کے لئے نہیں۔ رہی قانون سازی کی بات تو یہ تو بلدیاتی ادارے بھی کرتے ہیں۔ البتہ آئین میں ترمیم صرف جنرل صاحب کرتے ہیں کیونکہ "دی ریفرنڈم" میں عوام نے یہ حق صرف انہی کو دیا ہے۔

سوال...... اگر اسمبلی کی اپوزیشن جماعت اسلامی کے ہاتھ میں چلی گئی تو............؟

پیر صاحب...... جماعت اسلامی اور مسلم لیگ ایک دوسرے کی اپوزیشن نہیں ہیں۔ جب ہمیں مناسب معلوم ہوتا ہے یا سُوٹ کرتا ہے تو ہم ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اگر وہ ادھر ہیں تو بھی ہمارے لئے ہیں' اور اگر ادھر ہیں تو بھی ہمیں کو فائدہ ہے۔ ہمارا تو مسئلہ ہی حل ہو جائے گا کہ "ادھر وہ' ادھر ہم"۔

سوال...... آپ کے ایم آر ڈی والے دوستوں کا کیا حال ہے؟

پیر صاحب...... بس دوست ہی ہیں۔ ایم آر ڈی تو ہے نہیں۔ میں اس ایم آر ڈی کے بارے میں کیا کہوں؟ ان کے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں۔ انہوں نے عوام کے سامنے جس عقل مندی کا مظاہرہ کیا ہے' اس کے بعد ان کے پاس کیا رہ گیا ہے۔ ایسے "عقل مندوں" کو حکومت کون سونپے گا' جن میں سے کوئی کہیں پڑا ہوا ہے' کوئی کہیں۔

سوال...... اگر یہ بلدیاتی ادارہ نہ چل سکا تو پھر تو وہی ہیں۔

پیر صاحب...... وہ کیسے ہیں؟ بھئی "ہم" ہیں نا؟ ادہم جو بیٹھے ہوئے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہیں۔ میری بات یاد رکھئے گا...... "ہم ہیں"۔

⊙•⊙•⊙•⊙•⊙•⊙•⊙•⊙

چوتھا مارشل لا کب آئے گا؟

۳۱ اکتوبر ۱۹۸۵

اسلام آباد

سوال..... آج کل سینٹ میں آٹھویں آئینی ترمیمی بل کی پہلی خواندگی جاری ہے۔ آپ کے خیال میں اس وقت صورت حال کیا ہے؟

پیر صاحب..... ابھی تو سب لوگ ایوان میں اپنی اپنی رائے دے رہے ہیں۔

سوال..... آج صبح کے اجلاس میں تو ایوان کے اندر رائے دینے والوں کا رویہ کچھ نرم ہی تھا۔

پیر صاحب..... اصل میں ابھی دن ڈھلا نہیں اور اراکین تھکے نہیں ہیں۔ اس لئے رویہ نرم ہے۔ روزوں کے دونوں میں آپ نے دیکھا ہو گا کہ جوں جوں دن گزرتا جاتا ہے تھکن اور غصے میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

سوال..... تو گویا آپ کے خیال میں یہ رمضان کے دن ہیں؟

پیر صاحب..... ہم سیاستدانوں کے لئے تو یہ رمضان ہی ہے۔

سوال..... عید کب ہوگی؟

پیر صاحب..... اب تو عید قریب ہی ہے۔

سوال..... عید کون سی ہے؟ قربانی والی یا دوسری، اور چاند کب ہو گا۔ ؟

پیر صاحب..... چاند تو ان کا اپنا ہے۔ جب چاہیں گے نکال لیں گے۔ یہ تو ان کی مرضی پر منحصر ہے۔

سوال..... پیر صاحب یہ بتائیے کہ ابھی کن فیکون کا مرحلہ کتنی دور ہے؟

پیر صاحب..... آج شام کو جنرل صاحب کا کھانا ہے۔ اس میں دیکھوں گا کہ کن فیکون کہہ دیا یا کہنے والا ہے۔

سوال..... آپ کے خیال میں ترمیمی بل کو چار چاند اتفاق رائے سے لگیں گے؟

پیر صاحب..... میرے خیال میں معاملہ سمجھ دار لوگوں کے کے ہاتھ میں ہے اور وہ سمجھ داری سے مارشل لا ختم کرنے پر زور دے رہے ہیں۔ باقی آئینی ترامیم تو ہوتی رہتی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔

سوال..... آپ کی مسلم لیگ کن حالوں میں ہے؟

پیر صاحب..... اس ملک میں رہنا ہے تو اوپر اللہ کو ماننا پڑے گا اور نیچے مسلم لیگ کو۔ درمیان میں سب کچھ ہے۔ نبی، ولی، سب ہیں۔ لیکن نیچے مسلم لیگ کو ماننا پڑے گا کیونکہ مسلم لیگ اللہ کو ماننے والی اور مسلمانوں کی جماعت ہے۔

سوال...... ایم آر ڈی ایوان سے باہر جو کوششیں کر رہی ہے ' ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

پیر صاحب...... دیکھو بھئی ' کام کی جگہ تو ایوان ہے۔ پہلے ایوان والوں کو مانیں ' پھر کنویسنگ کریں۔ وہ تو ان کے وجود ہی کو ماننے سے منکر ہیں۔ بھلا ماننے بغیر دباؤ کی کوئی بات کیسے کی جا سکتی ہے؟

سوال...... نواب زادہ نصر اللہ خان نے گزشتہ دونوں کہا تھا کہ اراکین ایوان کے اندر دباؤ بڑھائیں۔ ہم باہر دباؤ بڑھائیں گے۔

پیر صاحب...... اندر سے بھی دباؤ ہے۔ باہر سے بھی دباؤ ہے ' اور بل بھی پاس ہو رہا ہے۔ بھئی ' دباؤ اندر ہی کا چلے گا۔ اگر آپ باہر سے بھی دباؤ ڈالیں گے اور اندر سے بھی تو دروازہ تو وہیں رہے گا۔ کھلے گا نہیں۔

سوال...... چوتھے مارشل لا کی کیا پوزیشن ہے؟

پیر صاحب...... چوتھے مارشل لا کی بات تو جنرل صاحب کرتے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا نہیں کہ چوتھا مارشل لا کون لگائے گا۔ ویسے میرے خیال میں مارشل لا اسی وقت لگتا ہے جب بحران ہو۔

سوال...... ۱۹۸۷ء کے انتخابات کا کیا ہوا؟

پیر صاحب...... ہماری دعائیں اور اذانیں باری تعالیٰ کے دفتر میں رجسٹرڈ ہیں۔ اب منظور کرنا ان کا کام ہے۔ مگر خدشہ ہے کہ کہیں جنرل صاحب کے "بیٹری چارج" میں ہماری دعائیں بھی برابر نہ ہو جائیں۔

سوال...... پیر صاحب یہ بتائیے کہ آخر ہو گا کیا؟

پیر صاحب...... میں سمجھتا ہوں کہ آئینی ترمیم پاس ہوگی ' پارٹی ایکٹ منظور ہو گا اور پارٹیاں بحال ہو جائیں گی۔ اب یہ سیاستدانوں پر منحصر ہے کہ وہ کتنی جلد پھر مارشل لا لگواتے ہیں۔

سوال...... تو آپ کے خیال میں مارشل لا سیاستدان لگواتے ہیں؟

پیر صاحب...... بھئی **دیکھیے نا** ' پہلا مارشل لا تو ایک سازش تھی ' دوسرا مارشل لا ذمے داریوں سے فرار تھا ' تیسرا مارشل لا اپنے کالے کرتوتوں کے انجام سے لگا۔ اب ہم ان سے بڑھ کر کالے کرتوت تو نہیں کر سکتے۔ ہاں ' سیاسی **بینگلنگ** اور ہیرا پھیری کی وجہ سے چوتھا مارشل لا ضرور لگ سکتا ہے۔ سیاسی عمل ٹھیک چلتا رہے تو مارشل لا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سوال...... پیر صاحب ' کیا آپ کو یقین ہے کہ مارشل لا اٹھ جائے گا؟

پیر صاحب...... اگر جنرل صاحب کی بات پر بھروسا کیا جا سکتا ہے تو ضرور اٹھنا چاہیئے ۔

سوال...... ویسے محتاط رویہ اختیار کرنا اور بچ کر رہنا چاہیئے ۔

پیر صاحب...... بچ کر تو آپ نے رہنا ہے۔ اٹھنا ہے تو ہم سے بچ کر رہو۔

سوال...... ۱۹۸۷ء میں آپ سینٹ کا الیکشن لڑیں گے یا قومی اسمبلی کا؟

پیر صاحب...... ۱۹۸۷ء آنے تو دیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم صدارتی انتخاب لڑیں۔ ہو سکتا ہے نہ لڑیں۔ (قہقہہ لگاتے ہوئے) ملنا تو کچھ ہے نہیں۔ لیکن چلتے چلاتے حادثہ ہو گیا تو دھماکہ بہت بڑا ہو گا۔

مسلم لیگ اور الکحل

۲۷ جنوری ۱۹۸۶ء

اسلام آباد

سوال..... پیر صاحب سنائیے کیا حال ہے؟ آپ کی صحت کیسی ہے اور مسلم لیگ کی صحت کا حوال کیا ہے؟

پیر صاحب..... مسلم لیگیوں کی صحت ٹھیک ہے تو ہماری بھی ٹھیک ہو گی۔ میں دیکھ رہا ہوں یہاں مسلم لیگی ماشاء اللہ خوب صحت مند ہیں۔ تگڑے ہیں۔ باقی ایک بات آپ کو بتا دوں اور وہ یہ کہ جماعتیں افراد کو نہیں بناتیں بلکہ افراد جماعتوں کو بناتے ہیں۔ سو ہم بھی مسلم لیگ کو بنا رہے ہیں۔

سوال..... آپ کی پیش گوئیاں کیسی جا رہی ہیں؟

پیر صاحب..... ہماری پچھلی پیش گوئیاں تو سب پوری ہو گئیں۔ جو باقی رہ گئی ہیں وہ بھی ان شاء اللہ پوری ہوں گی، اور آئندہ انتخابات بھی ہم ہی کرائیں گے۔

سوال..... نئی مسلم لیگ کو آپ کی آشیرواد حاصل ہے؟

پیر صاحب..... اسے سب مسلم لیگیوں کی آشیرواد حاصل ہے، اور وہ سب مل کر اس کی بہبود کے لئے کوشش کریں گے۔

سوال..... اس مسلم لیگ میں آپ کی حیثیت کیا ہے؟

پیر صاحب..... کسی بھی مسلم لیگی کی مسلم لیگ میں کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ سابق صدر کی اب مسلم لیگ میں کیا حیثیت ہے؟ سو، ہم صدر تو ہیں مگر ایک ذرا سابق کا سابقہ لگ گیا ہے (قہقہہ)۔

سوال..... لیکن باقی صدر تو ابھی تک خود کو صدر ہی سمجھتے ہیں۔

پیر صاحب..... اپنے گھر میں تو ہر ایک صدر ہوتا ہے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں اپنے گھر میں صدر نہیں، کیوں کہ وہاں کسی اور کی حکومت ہے۔

سوال..... نئی کابینہ کی تشکیل میں آپ کا مشورہ بھی شامل ہو گا؟

پیر صاحب..... مشورہ ان کا ہوتا ہے جو شامل ہوتے ہیں۔ ہماری طرف سے مشورے دینے کے لیے تو بس ہمارا ایک ہی نمائندہ کافی ہے، جسے ہم ان کے حوالے کر چکے ہیں۔

سوال..... صدر جنرل محمد ضیاءالحق نے کہا ہے کہ موجودہ منتخب ایوانوں نے اسلام کی ترویج اور بہبود کے لئے کچھ نہیں کیا۔

پیر صاحب..... توانہوں نے کون سا کام کیا ہے؟ انہوں نے تو اسلام کے لئے ایک آنے کا کام بھی کر کے نہیں دیا۔

سوال..... یہ بتائیں کہ سندھ میں مسلم لیگ کی کیا حالت ہے؟

پیر صاحب..... بر صغیر میں اسلام سندھ سے پھیلا۔ مسلم لیگ اور پاکستان بھی سندھ ہی سے چلے۔ آج بھی ہم مسلم لیگ کا ہراول دستہ ہیں۔

سوال..... آئندہ انتخابات کب ہوں گے؟

پیر صاحب..... یہ تو "ان" سے پوچھیں۔ ہم نے تو اذانوں اور دعاؤں کا ذکر کیا تھا اب بہتر ہے انہی سے پوچھیں کہ MID (درمیان) کہاں آتا ہے۔

سوال..... ایم آر ڈی والے لاہور میں جلسہ عام کر رہے ہیں، جس میں سبھی شریک ہوں گے۔ آپ کوئی جوابی کارروائی نہیں کر رہے؟

پیر صاحب..... ہم جوابی کارروائی کیوں کریں؟ ہم منفی نہیں، مثبت طریقے سے کام کرتے ہیں۔ اب دیکھئے نا، وہ نسوار کھاتے ہیں ہم تو نہیں کھا سکتے۔ اور اگر کھائیں تو (قہقہہ لگاتے ہوئے) کیسے کھائیں؟

سوال..... جو لوگ مسلم لیگ چھوڑ کر دوسری جماعتوں میں چلے گئے تھے، اگر وہ واپس آ جائیں تو کیا آپ انہیں اپنائیں گے؟

پیر صاحب..... ضرور اپنائیں گے۔ لیکن فیصلہ مسلم لیگ کے صدر کا ہو گا۔ میں تو بس یہ کہوں گا کہ ان کا سیاسی حدود اربعہ مجھ سے ضرور پوچھ لیں۔

سوال..... لوگ کہتے ہیں کہ مسلم لیگ اور الکحل میں ہر چیز حل ہو جاتی ہے؟

پیر صاحب..... وہ تو انڈسٹریل الکحل ہوتی ہے اور مسلم لیگ کے پاس کوئی انڈسٹری نہیں۔ مسلم لیگ کا نشہ ایک بار چڑھ جائے تو اترتا ہی نہیں۔

سوال..... گزشتہ دنوں ایک سفارتی تقریب میں ولی خان اور وزیر اعظم جونیجو کی حادثاتی ملاقات ہو گئی تھی۔ اس ملاقات پر آپ کا تبصرہ کیا ہے؟

پیر صاحب..... بھائی میاں، حادثاتی ملاقاتوں کی کیا پوچھتے ہو۔ میری اور بھٹو صاحب کی بھی ایک حادثاتی ملاقات ہوئی تھی۔ مگر ہم آخر وقت تک ایک نہ ہو سکے۔ اس قسم کی حادثاتی ملاقاتوں کے نتیجے میں تو صرف حادثہ ہی ہو سکتا ہے، اور کچھ نہیں۔

سوال..... سنا ہے غلام مصطفےٰ جتوئی سے رات کے اندھیرے میں آپ کی ملاقاتیں ہوئی ہیں؟

پیر صاحب..... غلام مصطفےٰ اگر رات کو ملا تو کیا ملا؟ مزا تو جب ہے کہ دن دہاڑے ملاقات ہو۔ ویسے مجھے کوئی



کیوں گردش مدام سے گھبرانہ جائے دل............ پیرپگاراسوچ کاایک انداز

فرق نہیں پڑتا، جس وقت بھی آئے۔

سوال...... سنا ہے صدر مملکت مسلم لیگ بننے سے خوش نہیں؟

پیر صاحب...... صدر صاحب تو کسی کے بننے سے بھی خوش نہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ سب علیحدہ علیحدہ رہیں، مگر ہم نے اکٹھے ہونا مناسب سمجھا۔

سوال...... بعض پرانے مسلم لیگی حضرات نئی مسلم لیگ کو چیلنج کر رہے ہیں۔

پیر صاحب...... چیلنج تو عدالت میں آپ بھی کر سکتے ہیں۔ مگر آپ کو فیس دینا پڑے گی۔ وہ لوگ چونکہ وکیل ہیں، اس لئے بغیر فیس کے مزے لے رہے ہیں۔

سوال...... ایک عام خیال یہ ہے کہ مسلم لیگ کے موجودہ عہدوں کے لئے جان بوجھ کر کمزور عہدیداروں کا انتخاب کیا گیا ہے، کیونکہ آپ ایس ایم ظفر والا تجربہ دہرانا نہیں چاہتے تھے؟

پیر صاحب...... مسلم لیگ کے آئین میں معتبری صرف صدر کی ہوتی ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے کمیونسٹ پارٹی میں سیکرٹری معتبر سمجھا جاتا ہے۔ جب ہم صدر تھے تو ہماری معتبری آپ نے دیکھی، اور کچھ اور لوگوں نے بھی دیکھی جن کی اولاد بھی اسے یاد کرے گی ہم پیدائشی پیر ہیں۔ کوئی سند یافتہ پیر نہیں۔

سوال...... آپ کا اشارہ کس طرف ہے؟

پیر صاحب...... اس وقت تو سب کا اشارہ ایک ہی طرف ہے۔

سوال...... جماعت اسلامی مسلم لیگ سے تعاون کرے تو کیا مخلوط حکومت بن سکے گی؟

پیر صاحب...... اس طرح تو اسے دیمک لگ جائے گی۔ دیمک والا لطیفہ یاد ہے نا؟ (قہقہہ)

سوال...... آج کل آپ جی ایچ کیو کے کھانوں میں کم جاتے ہیں۔

پیر صاحب...... اصل میں اب وہاں کھانے والوں کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ پہلے تو کالعدم جماعتوں کے کالعدم لیڈر ہی جایا کرتے تھے، جن کی تعداد آٹھ دس سے زیادہ نہ تھی اب خیر سے افراد بڑھ گئے ہیں۔ ۲۳۷ تو قومی اسمبلی کے اراکین ہوئے، ۹۰ کے قریب سینیٹر ہیں...... اب تو باری کا انتظار کرنا پڑے گا۔



جنرل صاحب کی پارٹی

۱۳فروری۱۹۸۶ء

اسلام آباد

سوال...... مخدوم زادہ حسن محمود نے پگارا مسلم لیگ کو رجسٹرڈ کرانے کا جو اعلان کیا ہے' اسے آپ کی تائید حاصل ہے؟

پیر صاحب...... اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو خود مختار کیا ہے۔ میں بھلا کسی کو کیسے روک سکتا ہوں۔ اب دیکھئے نا' چٹھہ صاحب ہمارے ساتھ ہیں مگران کے نام پر چٹھہ لیگ موجود ہے۔ اسی طرح ملک قاسم کی اپنی مسلم لیگ ہے۔ ایسے میں میرے نام اگر کوئی مسلم لیگ رجسٹرڈ ہو جائے تو اس میں کیا خرابی ہے؟

سوال...... آپ کی جمہوری حکومت کیسی چل رہی ہے؟

پیر صاحب...... یہ پارلیمینٹ جنرل صاحب کی توقعات اور پروگرام کے مطابق قائم ہوئی ہے۔ سولازماً ان کی امیدوں پر پوری اتر رہی ہوگی۔

سوال...... قومی اسمبلی کے ۴۹ اراکین کی نااہلی کا جو معاملہ اس وقت سپیکر کے زیر غور ہے' اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

پیر صاحب...... آپ یہ دیکھیں کہ کون کس کو نشست سے محروم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ جو کسی کو نشست سے محروم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہی اس پر بیٹھنا بھی چاہتے ہوں گے۔

سوال...... قومی اسمبلی میں صدر مملکت کے خلاف پیش ہونے والی تحریک استحقاق پر آپ کا کیا تبصرہ ہے؟

پیر صاحب...... آپ اس ایوان کی بات کر رہے ہیں جس کے دروازے میں بھی میں کبھی داخل نہیں ہوا۔ میں تو دوسروں میں سے ہوں۔ دوسرے ایوان والوں میں سے۔ اس لئے مجھے کیا پتا کہ ان کا مفاد کیا ہے؟

سوال...... سپیکر سید فخر امام جس مشکل میں ہیں' کیا وہ اس سے نکل سکیں گے؟

پیر صاحب...... دیکھئے' سپیکر ہمیشہ مشکل میں ہوتا ہے۔ جو بھی فتنہ ختم کرے گا' وہ ہمیشہ خود پرائے فتنے میں پھنس جائے گا۔

سوال...... کچھ لوگ آپ کی مسلم لیگ کے قیام پر معترض ہیں؟

پیر صاحب...... آپ لوگ اصلیت دیکھیں۔ آپ کو یاد ہو گا' کچھ لیڈروں نے کہا تھا کہ منتخب ایوان میں

مسلم لیگ کو ساٹھ ستر سے زیادہ نشستیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اب آپ دیکھیں' وہی لیڈر کیا کر رہے ہیں؟ ان سے پوچھئے کہ اب ان کی کیا رائے ہے۔ جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے' وہ تو پہلے ہی سے موجود تھی۔ بس سرکاری طور پر رجسٹریشن باقی تھی۔ (قہقہہ)

سوال...... رجسٹریشن کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

پیر صاحب...... بھئی' ہم تو قانون کے مطابق چلنے والے لوگ ہیں۔ جیسا قانون بنا' ہم نے اس کے مطابق کیا۔

سوال...... بعض لوگوں کو حساب پیش کرنے پر اعتراض ہے۔

پیر صاحب...... مجھے تو قانون کا پتا نہیں۔ مگر نئی رجسٹریشن کے لئے اسے ضروری سمجھا گیا ہے۔ اور یہ قانون تو پیپلز پارٹی کے دور کا ہے۔ میں نے ہمیشہ کہا ہے کہ پیپلز پارٹی جنرل صاحب کی پارٹی ہے۔ اسی پر مہربانی کے لئے یہ قانون بنایا گیا تھا۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے' ہم تو اکاؤنٹس (حسابات) سے زیادہ اکاؤنٹ ایبلیٹی Accountability (احتساب) پر یقین رکھتے ہیں۔

سوال...... آپ کے خیال میں کیا یہ احتساب کریں گے؟

پیر صاحب...... یہ نہیں کریں گے تو اسمبلی ضرور کرے گی۔

سوال...... سنا ہے اصغر خان کو ایم آر ڈی توڑنے کے لئے الگ کیا گیا ہے؟

پیر صاحب...... کس نے کیا ہے؟ اصغر خان کو تو خود پتا نہیں۔ ہمارے نزدیک تو ہوا میں اڑنے والے سب عقل کے لحاظ سے برابر ہوتے ہیں۔ (قہقہہ لگاتے ہوئے) ہوا میں اڑنے والے آپ سمجھتے ہیں نا؟

سوال...... اور جماعت اسلامی؟

پیر صاحب...... میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جماعت دیمک ہے۔

سوال...... آپ کی حکومت اسے ساتھ لے کر چلے گی یا نہیں؟

پیر صاحب...... میری حکومت؟ ارے بھائی' میری حکومت نہیں۔ یہ صدر صاحب کی حکومت ہے جسے صدر صاحب کے وزیر اعظم چلا رہے ہیں۔ اب یہ اتفاق کی بات ہے کہ صدر صاحب کے وزیر اعظم اتفاق سے' عارضی طور پر' میری پارٹی کی قیادت بھی کر رہے ہیں۔ مگر وہ وزیر اعظم بہر حال صدر کے ہیں' میری جماعت کے نہیں۔ میری جماعت نے انہیں عارضی طور پر قبول کیا ہے۔ سال بھر بعد کونسل فیصلہ کرے گی کہ آئندہ کیا کرنا ہے۔ شاید کونسل لیڈر تبدیل کرنے کا فیصلہ ہی کرلے کیونکہ لیڈر کا انتخاب تو وقت کی نزاکت کے حساب سے کیا جاتا ہے۔

سوال...... آپ ایک بزرگ مسلم لیگی کی حیثیت سے اب کیا محسوس کرتے ہیں؟

پیر صاحب...... (ہنستے ہوئے) میں بزرگ نہیں' جوان ہوں۔ ویسے جوانی اور ذہانت کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

سوال......درمیانی مدت کے انتخابات سے متعلق آپ کی پیش گوئی کیا ہوئی؟ موجودہ بحران کا ایک حل یہ بھی تو ہو سکتا ہے؟

پیر صاحب......میں نے تو یہ کہا تھا کہ باری تعالیٰ کے دفتر میں دعائیں اور اذانیں جمع کروا رکھی ہیں۔ میں نے درمیانی مدت کی بات کبھی نہیں کی۔ ویسے آپ یہ تو بتائیے کہ اس وقت بحران کہاں ہے؟ ایوان میں اختلافِ آرا کا مطلب بحران تو نہیں ہوتا۔

سوال......ایوان نے تو صدر صاحب کے خلاف بھی تحریک پیش کر دی تھی۔

پیر صاحب......میں کہتا ہوں ' صدر صاحب کے گد گدی نہیں کی جانی چاہئے تھی۔ ایوان کو مارنا ہی تھا تو صدر صاحب کو مکا مارتے۔

سوال......اور اگر جواب میں صدر صاحب نے بھی مکا مار دیا تو؟

پیر صاحب...... صدر مکا مارے یا جوتا' میں تو ایوان کا آدمی ہوں۔ مگر یہ کتنی زیادتی ہے کہ میرے خلاف تحریک آئے تو کمیٹی کو چلی جائے اور صدر صاحب کے ساتھ بھی یہی ہو۔ ارے بھائی' وہ صدر ہیں۔ ان کے ساتھ تو خصوصی سلوک ہونا ہی چاہئے۔ ان کے لئے کم از کم Impeachment (مواخذہ) تو ہونا ہی چاہئے۔

سوال...... آپ صدر صاحب کی وردی کب اتروا رہے ہیں؟

پیر صاحب......میں کوئی درزی تو نہیں کہ کپڑے اترواتا یا پہناتا رہوں۔ یہ تو ان کا کام ہے کہ آپس میں نمٹیں اور وردی اتارنے یا اتروانے کا فیصلہ کریں۔

سوال...... منتخب حکومت کی اب تک کی کارکردگی کیسی رہی ہے؟

پیر صاحب......اس کارکردگی سے یہ تو ہوا ہے کہ قوم کے تھکے ہارے ذہنوں کو نئی راہ ملی اور بہتری کی صورت پیدا ہوئی ہے۔ مگر اصل اور ٹھوس قسم کے نتائج تو ظاہر ہے کہ جماعتی نقطہ نظر کے مستقل ہونے کے بعد ہی ظاہر ہوں گے۔

سوال......خواتین سے آپ سب خوف زدہ ہیں۔

پیر صاحب......وہ بیگم تو نہیں' لڑکی ہے بچیوں سے کوئی خوف زدہ نہیں ہوتا ہے۔

سوال......صدر اور پارلیمنٹ کے درمیان موجودہ اختلافات کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

پیر صاحب......یہ تو محض قانونی معاملات ہیں۔ اگر کوئی اختلاف ہوتا تو پھر بائیکاٹ ہوتا۔ یہ تو صدر صاحب کے پروگرام کے مطابق بنائی گئی اسمبلی ہے۔ اس میں اختلافات دور ہو ہی جائیں گے۔

سوال...... کہیں سلسلے اور رابطے ٹوٹنے کا خطرہ پیدا تو نہیں ہو گیا؟

پیر صاحب......بھئی' یہ کوئی کرسی تو نہیں کہ ٹوٹ جائے۔ یہ ایوان ہے۔ یہ نہیں ٹوٹے گا۔ باقی قانونی معاملات چلتے رہتے ہیں اور اختلافات خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔

سوال......صدر صاحب سے آپ کے اختلافات تو نہیں ہو گئے؟

پیر صاحب...... صدر صاحب سے ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔ بس اتنا ہے کہ وہ فوجی ہیں اور ہم سیاسی۔ وہ غیر جماعتی ہیں اور ہم جماعتی۔ اب وہ خود ہمارے ساتھ شامل نہ ہونا چاہیں تو ہم کیا کریں؟ ہم سیاسی لوگ ہیں۔ وہ ہم میں شامل ہونے کی بجائے فوجی رہنا چاہتے ہیں۔

سوال...... اعلیٰ ترین حکومتی سطح پر اختلافات تو نہیں ہو گئے؟

پیر صاحب...... مجھے تو ایسا کچھ نظر نہیں آیا۔ ابھی تک کسی نے انہیں چیلنج نہیں کیا۔ چار سال بعد انہیں مقابلہ کرنا ہے۔ پھر دیکھیں گے۔

سوال...... وزیر اعظم نے پینتیس رکنی کابینہ تشکیل دی ہے۔ آپ کے خیال میں اتنی بڑی وفاقی کابینہ ملک کے موجودہ حالات میں ایک بڑا بوجھ ثابت نہیں ہوگی؟

پیر صاحب...... میں تو اسے بوجھ نہیں سمجھتا۔ بلکہ اس میں مزید توسیع ہونی چاہیے اور پینتیس سے ترپن تک نوبت آنی چاہیے۔ آخر یہ لوگ کسی ایک نظریئے کے تحت تو نہیں آئے کہ کم لوگ سب کی نمایندگی کر سکیں۔ یہاں تو سب اپنی نمایندگی خود کریں گے۔ ان کے خیلات مختلف نوعیت کے ہیں۔ قوم اور ایوان دونوں بکھرے ہوئے ہیں 'نظریاتی طور پر بھی' اقتصادی طور پر بھی۔ اس وقت ہمیں اتنے وزیر بنانے چاہئیں جتنے وقت کے تقاضوں کے مطابق ہوں۔ رہے اخراجات' تو وہ بڑے بڑے بیورو کریٹ حضرات کو نکال کر پورے کئے جا سکتے ہیں۔

سوال...... گزشتہ دنوں سیاسی وزرا اور ٹیکنو کریٹ حضرات کی جنگ زوروں پر رہی۔

پیر صاحب...... جنگ کہاں ہوئی؟ مجھے تو پتا نہیں۔ مگر ٹیکنو کریٹ بھلا سیاستدان کے مقابلے میں کہاں کھڑا ہو سکتا ہے۔ اس کا کیا مقام ہے؟ وہ تو ایک کلرک ہوتا ہے یا منیجر۔ اور آپ مالک رکھیں یا منیجر۔ پھر یہ بھی ہے کہ ایک محکمہ میں دو سیکرٹری رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ ٹیکنو کریٹ وزیر رکھیں یا سیکرٹری رکھیں۔ ایک ہی بات ہے۔

سوال...... مگر آپ نے آخر کار ٹیکنو کریٹ وزیر بھی لے ہی لیا۔

پیر صاحب...... وہ تو صدر صاحب نے رکھا ہے۔ ہمارے نزدیک تو سیاسی فیصلے سیاسی لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ ٹیکنو کریٹ تو صرف نقشے یا تصویریں بنا کر پیش کر سکتے ہیں۔ مگر حتمی فیصلہ سیاسی فکر کے حامل لوگ ہی کر سکتے ہیں۔

سوال...... یہ جو آئے دن دھماکے ہو رہے ہیں' یہ کون کر رہا ہے؟

پیر صاحب...... وہی جو بم پلانٹ کر کے رکھ جاتا ہے۔ وہی یہ سب کچھ کرا رہا ہو گا۔ آپ یا میں تو ایسا نہیں کر سکتے۔ ویسے یہ سوال ڈی آئی بی کے چیف سے پوچھیں جس پر مجھے اعتماد نہیں کیونکہ وہ فوجی ہے وہ ہمیں سچ تو نہیں بتائے گا۔ یا پھر یہ سوال جنرل صاحب سے پوچھا جانا چاہیے۔ لیکن ایک بات میں یقین سے کہہ سکتا ہوں اور وہ یہ کہ زیادہ سے زیادہ تین ماہ میں روک تھام ہو جائے گی۔

سوال...... مسلم لیگ نے رجسٹریشن کے لئے دی گئی درخواست پر آپ کے گھر کا پتا دیا ہے' اور مخدوم زادہ حسن محمود آپ کا نام استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

پیر صاحب...... بھئی، ہر کسی کا کوئی نہ کوئی پتا تو ہوتا ہی ہے۔ میرا گھر مسلم لیگ کا ہے کیونکہ وہ مسلم لیگی کا گھر ہے۔ باقی رہی پگارا لیگ کی بات، تو اس کی رجسٹریشن میرے سالار جنگ کے پتے پر ہوگی۔

سوال...... بائیں بازو) (لیفٹ) کی جماعتوں کے اتحاد پر آپ کا کیا تبصرہ ہے؟

پیر صاحب...... لیفٹ کی جماعت ہے کون سی یہاں تو ہم نے جو بھی لیفٹسٹ دیکھا' کروڑ پتی دیکھا۔ ایک مرحوم جو پنجاب کا کروڑ پتی لیفٹسٹ تھا' وہ اپنا اخبار بھی نکالتا تھا۔ ایسا لیفٹسٹ تو میں بھی بننا چاہتا ہوں۔ روس' چین' کیوبا' جو بھی چاہے مجھے ایسا لیفٹسٹ بنادے۔ ویسے ان لوگوں کا یہاں کوئی مستقبل نہیں کیونکہ انقلابات نظریات سے آتے ہیں' اور یہاں یہ حال ہے کہ لیفٹسٹوں میں نظریے پر یقین رکھنے والے لوگ ہیں ہی نہیں۔

سوال...... کچھ مستقبل کے بارے میں بتایئے؟

پیر صاحب...... آپ چنگیز خان کی سوانح عمری پڑھ لیں' جس کی اب یہاں ضرورت ہے۔ وہ چنگیز خان قریب آپہنچا بلکہ گلی کے کونے تک آگیا ہے دیکھنا یہ ہے کہ آپ کس رفتار سے کونے تک پہنچ کر اس سے ٹکراتے ہیں' اور جواباً وہ آپ کے مزاج پوچھتا ہے۔ ویسے وہ بہت قریب آچکا ہے۔

سوال...... اور اگر اس نے آپ کے مزاج پوچھ لئے تو؟

پیر صاحب...... مجھے تو وہ جھک کر سلام کرے گا۔

سوال...... گویا اسے آپ کی آشیرواد حاصل ہے۔

پیر صاحب...... میری آشیرواد نہیں' بلکہ حالات نے اسے مجبور کر دیا ہے۔

سوال...... ملک میں امن وامان کی صورت حال کیا ہے؟

پیر صاحب...... سندھ میں روزانہ پانچ سات اغوا ہوتے اور مہینے بھر بعد واپس آجاتے ہیں' غرض جیسا سندھ جنرل صاحب نے دیا تھا' ویسا ہی ہے۔ باقی صوبوں کے لوگ یہاں موجود ہیں۔ ان کا حال ان سے پوچھیں۔

سوال...... گویا آپ کو صرف سندھ سے دلچسپی ہے؟

پیر صاحب...... نہیں' ہمیں پورے پاکستان سے دلچسپی ہے' اور مسلم لیگ کا تو دارومدار ہی پنجاب پر ہے۔

سوال...... اگر الیکشن کمیشن نے بعض اراکین کو ان کی نشستوں کیلئے نا اہل قرار دے دیا تو اس سے بحران پیدا نہیں ہو گا؟

پیر صاحب...... کیسا بحران؟ کہاں کا بحران؟ اگر الیکشن کمیشن یہ فیصلہ کر بھی دے تو بحران پیدا نہیں ہو گا۔ بس اتنا ہو گا کہ یہ ایوان گھر چلا جائے گا۔ اور صدر صاحب اپنی مرضی کی کابینہ بنالیں گے۔ مگر اس کی قانونی پوزیشن صدر صاحب اور ان کے وزیر قانون (اقبال احمد خان) ہی جانیں۔ میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا' سوائے اس کے کہ یہ پلاسٹک سرجری نہیں بلکہ ایک بڑا آپریشن ہو گا۔

سوال...... وزیر قانون ان کے ہیں یا آپ کے؟

پیر صاحب...... وزیر تو وہ انہی کے ہیں۔ میرے محض قانونی مشیر ہو سکتے ہیں' وزیر نہیں۔ میں تو ان کا محض مؤکل

ہوں۔

سوال...... سرحدی صورت حالات کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

پیر صاحب...... میں نے تو کوئی فوجی حرکت نہیں دیکھی۔ سرحدیں ضرور محفوظ ہوں گی۔ ہماری فوجیں بیرکوں میں ہیں یا پھر دفاتر میں بیٹھی ہیں۔ بلکہ بیٹھی نہیں، بٹھائی گئی ہیں۔

سوال...... سندھ میں فوج کی موجودگی پر بہت اعتراض ہو رہا ہے؟

پیر صاحب...... یہ محض سندھ ہی کا نہیں، پورے پاکستان کا معاملہ ہے۔ بلکہ اس کے ہیڈ آفس تو لاہور اور اسلام آباد میں ہیں۔

سوال...... دفاتر میں بیٹھے ہوئے فوجیوں کو کب فارغ کیا جائے گا؟

پیر صاحب...... یہ تو کابینہ اور اس کے وزراء پر ہے، ہمارا تو کوئی عمل دخل نہیں۔ جب فوجی حکومت ہوتی ہے تو حسب ضرورت فوجیوں پر بھروسا کیا جاتا ہے۔ اب عوامی حکومت ہے تو ظاہر ہے کہ عوامی لوگوں پر بھروسا ہو گا۔ رہے پرانے ٹھیکے اور کنٹریکٹ، تو دیکھنا یہ ہے کہ انہیں مانا جائے یا ختم کر دیا جائے۔ ویسے ایک بات بتا دوں، ہماری فوج "دی ریفرنڈم" کے زیر اثر چل رہی ہے اور ریفرنڈم کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسے الیکشن کمشن کی بجائے ایک کمیٹی کے ذریعے کرایا جائے۔

سوال...... اصل اختیارات کس کے پاس ہیں؟

پیر صاحب...... "دی ریفرنڈم" کے تحت بننے والی حکومت میں اختیارات ظاہر ہے صدر کے پاس ہوں گے، کیونکہ وہی سپیریئر ہے اور وزیر اعظم صدر کا آدمی ہے۔

سوال...... فوج اور مسلم لیگ کے درمیان تعاون کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟

پیر صاحب...... فوج اور مسلم لیگ کا ساتھ ضرور ہے مگر حکومت مشترکہ نہیں۔ مسلم لیگ نظریے کی محافظ ہے جب کہ فوج کو سرحدوں کی حفاظت کرنی چاہیئے ۔ لیکن ہو یہ رہا ہے کہ ان کی طرف سے ناجائز تجاوزات کا سلسلہ جاری ہے اور ہم انتظار میں ہیں کہ یہ توسیع اور تجاوزات کب ختم ہوں گے۔

سوال...... انہیں ختم کون کرے گا؟

پیر صاحب...... اللہ ہی کرے گا (قہقہہ)

سوال...... ایم آر ڈی والوں سے آپ کی بات چیت ہو گی؟

پیر صاحب...... سیاسی لوگ آپس میں ملتے ہی رہتے ہیں، نوابزادہ نصر اللہ خان مل گئے، خواجہ خیر الدین مل گئے، اسی طرح اور بھی مل گئے، مگر میرا شروع سے یہ نظریہ ہے کہ ایم آر ڈی تھی ہی نہیں۔ یہ علیحدہ علیحدہ پارٹیاں ہیں۔ رہا ان کے ساتھ آیندہ رابطہ کا معاملہ، تو اس کا فیصلہ محمد خان جونیجو کریں گے۔

سوال...... ایم آر ڈی کی پہلی میٹنگ تو آپ کے گھر میں ہوئی تھی؟

پیر صاحب...... میرے گھر میں پی این اے کی میٹنگ تھی۔ اس میں سے کچھ چلے گئے اور ہم باقی رہ گئے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙⊙⊙

چوہے اور بلے کا کھیل

۲۴فروری ۱۹۸۶

اسلام آباد

سوال......پیر صاحب، مسلم لیگ کی صدارت تو اب آپ سے گئی؟

پیر صاحب......دیکھو بھئی، ہم تو کالعدم مسلم لیگ کے کالعدم صدر ہیں، اور یہ وہ عہدہ ہے جو تاحیات ہمارے پاس رہے گا۔

سوال......مگر پیر صاحب موجودہ وزراء کا کیا ہو گا؟

پیر صاحب......یہاں یا تو لوگ ڈس مس ہوتے ہیں یا انہیں معطل کیا جاتا ہے، یا پھر مارشل لاء لگ جاتا ہے۔ لیکن حکومت اور اس کے وزیر کبھی کالعدم نہیں ہوتے۔

سوال......سپیکر سید فخر امام نے وزیر اعظم اور بعض دیگر اراکین کی نا اہلی کا معاملہ سماعت کے لئے منظور کر لیا ہے اور شاید اس سلسلے میں آپ لوگوں کو مشکل صورت حالات سے دوچار ہونا پڑے۔

پیر صاحب......(ہنستے ہوئے) آخری فیصلہ تو وہی ہو گا جو اکثریت کرے گی۔ میں آپ کی طرح قانون تو نہیں جانتا، مگر کامن سینس کی بات جانتا ہوں، اور اسی کی رولنگ دیتا ہوں۔

سوال......آج کل صدر مملکت ایک بار پھر منظر عام پر آ رہے ہیں۔ آپ نے ایک زمانے میں کہا تھا کہ صدر صاحب لالی پاپ دے رہے ہیں تو کیا......

پیر صاحب.(قطع کلام کرتے ہوئے) لالی پاپ کا دور گزر گیا۔ اس کے بعد ایک دور چیونگ گم کا آیا تھا اور اب جو دور جا رہا ہے، یہ چوہے اور بلے کا دور ہے۔ اب یہ بات مورخ لکھے گا کہ چوہا جیتا یا بلا۔

سوال......اس کھیل کے کتنے راؤنڈ ہوں گے؟

پیر صاحب......دو راؤنڈ باقی ہیں۔ لیکن شروع میں جو چوہا محض چوہا تھا، اب وہ "مائٹی ماؤس" بن چکا ہے۔

سوال......ڈزنی لینڈ والا مائٹی ماؤس؟

پیر صاحب......وہ تو محض تخیل تھا مگر یہ حقیقت ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مائٹی ماؤس بلے کو مارتا ہے یا خود اکھاڑا چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔

سوال......آپ نے مائٹی ماؤس کے دانت تو دیکھے ہوں گے۔

پیر صاحب......میں نے دانت نہیں دیکھے مگر آپ خود دیکھ لیں کہ مائٹی ماؤس کیسا ہے۔

سوال..... ایک دور تار امسیح کا بھی تو تھا۔ کہیں وہ تو واپس نہیں آ رہا؟

پیر صاحب..... یہ سب پرانی باتیں ہیں۔ تار امسیح کا دور تو لالی پاپ سے بھی پہلے بیت چکا۔

سوال..... گویا اب اکھاڑا صاف ہونے کو ہے؟

پیر صاحب..... اکھاڑا کہاں صاف ہوتا ہے۔ اب تو خیر سے چار چار پہلوان میدان میں ہیں۔

سوال..... آپ نے ابھی خود کو کالعدم صدر قرار دیا گیا کچھ اور صاحبان بھی کالعدم صدر بننے والے ہیں؟

پیر صاحب..... دیکھو بھئی، مجھے تو کسی نے بطور پیر پگارا ریٹائر نہیں کرنا' اس لئے مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو۔ ویسے، مسلم لیگ اور جی ایچ کیو کا پرانا رابطہ ہے۔ وہ ملک کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں تو ہم نظریاتی سرحدوں کے محافظ ہیں۔

سوال... پرانے مسلم لیگیوں کا کیا بنے گا؟ آپ ان کے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟

پیر صاحب..... ان کے ساتھ وہی ہو گا جو انہوں نے میرے ساتھ کیا (قہقہہ) ۔ہم نے تو ہر حال میں ان کا ساتھ دیا مگر اب پالیسیاں نئے صدر صاحب تیار کریں گے اور ظاہر ہے کہ بند کمرے میں کریں گے۔

سوال..... اب کی بار آپ کی لاہور میں اپنے سالار جنگ (مخدوم زادہ حسن محمود) سے ملاقات ہوئی؟

پیر صاحب..... وہ تو ہمارا محض باورچی ہے۔ باقی خوراک میں اپنی مرضی کی کھاتا ہوں۔

سوال..... انہوں نے اپوزیشن میں رہ کر شیڈو کابینہ بنالی ہے۔

پیر صاحب..... وہ جس میز پر بھی بیٹھے بجتا ہے، جبھی تو لوگ اس کے ساتھ بیٹھتے ہیں۔

سوال..... ملک قاسم نے کہا ہے کہ انہیں گورنری کی پیشکش ہوئی تھی؟

پیر صاحب..... وہ کہاں کا گورنر ہو گا؟ سندھ میں تو نامنظور ہے کیونکہ اس سے بہتر بھی کئی آدمی بیٹھے ہیں۔ باقی رہا مسلم لیگ کا معاملہ 'تو وہ کونسل جانے یا پھر صدر کو خبر ہو گی۔

سوال..... مس بے نظیر بھٹو بھی اب واپس آنے والی ہیں۔

پیر صاحب..... میں نے تو اسے آنے سے نہیں روکا۔ آئے اور چلی جائے۔ مگر وہ یہاں آئے گی تو یہاں بھی مشورے ہوں گے۔ پھر ہم بھی باہر جائیں گے۔ ہمارے پاس پرانے تجربے بھی ہیں جو ہم نئے آنے والوں کے حوالے کریں گے۔ ویسے ایک بات صاف ہے اور وہ یہ کہ اسے یہاں رہنا ہے تو بنا کے رہنا پڑے گا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے 'میں اس کی آمد پر یہیں ہوں گا اور اس کے بعد باہر جاؤں گا۔

سوال..... ویسے مس بے نظیر کی صحت کے حوالے.....

پیر صاحب..... بھئی' مجھے نہیں معلوم اسے کیا مرض ہے (قہقہہ) میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ میں دس اپریل کو اس کی آمد کے بعد باہر جاؤں گا۔ موجودہ راؤنڈ دس اپریل سے قبل' میرے اور آپ کے سامنے فائنل ہو گا۔ آپ دیکھ لینا۔

سوال..... اس کھیل میں آپ خود بھی شریک ہوں گے؟

پیر صاحب...... میں تو ہمیشہ تماشائی رہا ہوں۔ کبھی خود تماشا نہیں بنا۔

سوال...... سنا ہے صدر اور وزیر اعظم کے درمیان اختلافات پیدا ہو رہے ہیں۔

پیر صاحب...... دیکھو بھئی 'اگر ہیں بھی تو میرے سامنے تو ان میں سے کوئی نہیں مانے گا کہ اختلافات ہیں۔

سوال...... کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اندر خانہ آپ تینوں ایک ہیں؟

پیر صاحب...... (ہنستے ہوئے) ہم تینوں ایک ہی جنس (Sex) سے تعلق رکھتے ہیں۔

سوال...... گویا نتھا سنگھ اینڈ پریم سنگھ ون اینڈ دی سیم تھنگ والا معاملہ ہے؟

پیر صاحب...... ہم سکھوں کے علاقے میں نہیں رہتے۔ وہ ایک مہاراجہ تھا' پٹیالے کا۔ اس نے ایک پوری کرکٹ ٹیم رکھی ہوئی تھی (قہقہہ لگاتے ہوئے) خیر' جانے دو۔ وہ وقت گزر گیا۔

سوال...... آپ کی بھی پیش گوئیاں پوری ہو گئیں' سوائے مڈ ٹرم کے؟

پیر صاحب...... میرے پاس جنرل اقبال اور جنرل جیلانی ۱۹۷۲ء میں آئے تھے۔ ان سے میں نے جو باتیں کیں' وہ ۱۹۸۳ء میں پوری ہوئیں اور آپ محض چار سال کی بات کر رہے ہیں۔

سوال...... صدر صاحب نے کہا ہے کہ اگر میری باتوں سے اراکین کا استحقاق مجروح ہوتا رہا تو بات کیسے چلے گی؟

پیر صاحب...... وہ اپنے نشانے پر درست ہیں۔ اگر کوئی ایوان سے باہر کسی بھی قسم کی رائے دیتا ہے اور اراکین اسے اپنے استحقاق کا مسئلہ بنا لیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ منتخب ایوانوں کے اراکین بنیادی حقوق ختم کروانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر کسی کو دوسرے فرد کی رائے سے اختلاف ہے یا اس کی توہین ہوتی ہے تو اسے عام قوانین کے تحت عدالت میں ہتک عزت کا دعویٰ کرنا چاہیے۔ اب دیکھئے نا' اگر آپ اس قسم کی تحاریک استحقاق دیں گے تو انجام کیا ہو گا؟ آج تک جو تحاریک استحقاق آئیں' ان کا کیا بنا؟ میں تو وہ واحد رکن ہوں جس کے خلاف رکن ہونے کے باوجود تحریک استحقاق آ گئی۔ میری رائے میں منتخب اراکین کو چھوئی موئی نہیں بننا چاہیے۔ ہم قرآن و حدیث کے بارے میں تو بحث کر لیتے ہیں مگر اراکین کے بارے میں بات بھی کریں تو استحقاق مجروح ہو جاتا ہے۔ کیا ممبر حضرات قرآن و حدیث سے بھی بڑھ کر ہیں؟

سوال...... صدر کے چیف آف آرمی سٹاف رہنے کا معاملہ......؟

پیر صاحب...... یہ جی ایچ کیو کا مسئلہ ہے۔ ہم تو مسلم لیگ کے دفاتر پر غور کریں گے۔ البتہ اگر انہوں نے ہمارے معاملات میں مداخلت کی تو پھر وزیر اعظم ایک مقتدر وزیر دفاع بھی ہے۔

سوال...... کیا وہ واقعی مقتدر ہیں؟

پیر صاحب...... اتنا ہی جتنا کسی مارشل کے معاملے میں کوئی انٹلیکچوئل ہو سکتا ہے۔ ویسے یہ صدر' ان کے وزیر اعظم اور کابینہ کی مشترک ذمے داری ہے اور انہیں انٹیلی جنس اور وزارت قانون کی معاونت حاصل ہے۔ اب بھٹو ازم کی کوئی گنجائش نہیں۔

سوال...... وہ آپ کا قرضے پر دیا ہوا آدمی بھی تو ہے۔

پیر صاحب...... ہم ابھی سود در سود وصول کر رہے ہیں۔ اصل زر نہیں۔

سوال...... بعض لوگ مارکوس کے الیکشن اور پاکستان کے ریفرنڈم کو آپس میں مماثل قرار دیتے ہیں۔

پیر صاحب...... اصل میں ' کاغذ پر کچھ لیڈروں نے جنرل صاحب کے ساتھ مل کر ریفرنڈم کا بائیکاٹ کیا تھا۔ اب وہی اس قسم کی باتیں کر کے لوگوں کو دام میں لانا چاہتے ہیں۔ مگر لوگ ان کے دام میں نہیں آئیں گے۔ رہا میں ' تو آپ ریکارڈ دیکھ لیں۔ میں اس وقت بھی ان لوگوں کی مخالفت کر رہا تھا۔

سوال...... اور جماعت اسلامی بھی؟

پیر صاحب...... (ہنستے ہوئے) ہاں ' جماعت اسلامی بھی۔

سوال...... ابھی آپ نے وزارت قانون اور انٹیلی جنس کی بات کی ہے ' مگر کچھ روز قبل آپ انٹیلی جنس کے سربراہ پر اظہار عدم اعتماد کر چکے ہیں۔

پیر صاحب...... دیکھو بھئی ' میری تو کوئی سروس نہیں ' مگر جس شخص کا سول سروس سے تعلق نہ ہو اسے سول سروس میں بٹھانا غلط ہے۔

سوال...... سپیکر سید فخر امام کی برطرفی کے بارے میں جو افواہیں گشت کر رہی ہیں ' کیا وہ درست ہیں؟

پیر صاحب...... مجھ سے تو محمد خان نے بات نہیں کی ' نہ مجھے کچھ پتا ہے۔ ہم تو بھئی اپنے چیئرمین سے خوش ہیں۔ رہا سپیکر کا معاملہ تو نہ میں اس کا سامنا کرتا ہوں نہ وہ مجھ سے معاملہ کرتا ہے۔ مگر وہ بہر حال میری برادری کا ہے ' یعنی سید۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم آپس میں اتفاق نہیں کرتے کیونکہ اپنی جگہ ہر سید تیس مار خان ہوتا ہے۔ ویسے آپ کو سپیکر کی فکر کیوں ہے؟ کیا آپ نے کبھی کسی سید کو بھی چیف آف آرمی سٹاف بنے دیکھا ہے؟

سوال...... اچھا یہ بتائیے کہ چوہے اور بلے کے کھیل میں چوہا کون ہے؟

پیر صاحب...... "کسوٹی کسوٹی" کھیلنے کی اجازت نہیں۔ بس اتنا یاد رکھیں کہ ریفری جب ایک بار سیٹی بجا دے تو کھیل ناک ڈاؤن تک جاری رہتا ہے۔



بلا کون ہے' چوہا کون؟

۳ مارچ ۱۹۸۶

اسلام آباد

سوال...... آپ کا چوہے بلے والا مکالمہ کافی مشہور ہوا۔ قومی اسمبلی میں بھی اس کی بازگشت سنی گئی۔

پیر صاحب...... جب لوگوں میں کامن سینس نہ ہو تو یہی ہوتا ہے۔

سوال...... آج کل صدر مملکت ایک بار پھر قومی منظر نامے پر دکھائی دینے لگے ہیں' بلکہ آج تو انہوں نے قومیائی گئی صنعتوں کے بارے میں ایک پالیسی بیان بھی دیا ہے۔

پیر صاحب...... دیکھو بھئی' گورنمنٹ ہمیشہ صدر کی ہوتی ہے۔ وزیر اعظم تو محض اس کی پالیسیوں کا اعلان کرتا ہے۔ جہاں تک فائنل منظوری کا تعلق ہے' تو وہ ظاہر ہے کہ صدر کی ہوتی ہے۔ گورنمنٹ اس کی ہوتی ہے جو آخری دستخط کرے۔ رہا پالیسی بیان دینے کا معاملہ' تو یہ کسی اخبار نویس کے سوال کا کرشمہ ہو گا۔ آپ لوگ الٹے سیدھے سوال کریں تو جواب تو دینا ہی پڑتا ہے۔

سوال...... پہلے بھی تو صدر صاحب اخبار نویسوں سے ملتے تھے؟

پیر صاحب...... پہلے وہ چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر تھے' آپ ان سے گھبراتے تھے۔ اب وہ صدر بھی ہیں اور فوجی بھی۔ اس لئے آپ لوگوں نے زیادہ منہ لگنا شروع کر دیا ہو گا۔

سوال...... آپ کے چھوٹے بھائی نورانی میاں نے کراچی میں خوب جلسہ لگایا۔

پیر صاحب...... دیکھو بھائی' چھوٹے بھائی کو گرجنے کا پورا پورا حق ہے۔ مگر جہاں تک برسنے کا تعلق ہے تو وہ میں برسوں گا۔ یعنی مسلم لیگ برسے گی' کیونکہ کہ رحمت الٰہی ہمارے ساتھ ہے۔

سوال...... آج کل اسمبلی میں پارٹیاں تبدیل کرنے پر پابندی عائد کرنے والی شق یعنی "**ڈیفیکشن** کلاز" موضوع نزاع بنی ہوئی ہے۔

پیر صاحب...... ہر جماعت کی صورت حال ایوان میں بھی وہی ہوتی ہے جو باہر ہو۔ جو ذہنی طور پر مطمئن نہ ہو' وہ تو ایسے ہی چل پھر کر تماشا دیکھے گا۔ بہر حال مسلم لیگ ایک نظریاتی جماعت ہے' جس کے اپنے اصول ہیں۔ اب بھلا جو آدمی اصولوں ہی کو تسلیم نہ کرے' وہ اس میں کیسے رہ سکتا ہے۔ جو ان اصولوں کو نہیں اپنائے گا' وہ ظاہر ہے کہیں اور جائے گا۔ ویسے آپ کو بتاؤں' یہ بھی بلے اور چوہے ہی کے کھیل کا حصہ ہے۔

سوال...... بلے چوہے کا کھیل کہاں تک پہنچا ہے؟

پیر صاحب...... آپ خود آنکھیں کھلی رکھیں اور کمپیوٹر آن رکھیں۔ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ بلا کون ہے اور چوہا کون' تو بھائی نہ محمد خان چوہا ہے اور نہ جنرل صاحب بلا ہیں۔ یہ تو سیاست کا کھیل اور اصولوں کی لڑائی ہے۔ کچھ لوگ اپنے مفادات کی خاطر یہ چاہتے ہیں کہ پارٹی مضبوط نہ ہو' حکومت کمزور رہے اور امن و امان مسئلہ ہی بنا رہے۔

سوال...... مگر یہ لوگ ہیں کون؟

پیر صاحب...... مجھے نہیں پتا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ یہ تو آخر ہی میں پتا چلے گا کہ بلا کون تھا اور چوہا کون۔ اب دیکھئے نا' قوم نے جن لوگوں کو منتخب کر کے ایوان میں بھیجا ہے' وہ بھی بلے چوہے کے اس کھیل کو بند کرانے کی بجائے' اسی مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

سوال...... تو بلے چوہے کا معاملہ کیا ہوا؟

پیر صاحب...... آپ اسے بھی لالی پاپ اور چیونگم کی طرح سیاسی تناظر میں دیکھیں تو بہتر ہے۔

سوال...... پیر صاحب' آخر ہو گا کیا؟

پیر صاحب...... یہ جو کھیل کھیلا جا رہا ہے' اس کا نتیجہ یا تو جماعتی بنیادوں پر انتخابات کی صورت میں نکلے گا یا پھر چوتھا مارشل لا لگ جائے گا۔ ہم نے تو ریفرنڈم کے دوران ہی یہ بات کہہ دی تھی۔ مگر کھل کر اس لئے نہ کہی کہ اس صورت میں بند کر دیئے جاتے۔

سوال...... صدر صاحب وردی کب اتار رہے ہیں؟

پیر صاحب...... میں تو یہ جانتا ہوں کہ جب وہ وردی پہنتا ہے تو اتارتا بھی ہے۔ ظاہر ہے روزانہ وردی اتار کر ہی سوتا ہے۔ اب ضروری تو نہیں کہ ایک رات اتارنے کے بعد دوسرے روز بھی پہنے۔ کبھی وہ شیروانی پہنا ہے' میری طرح واسکٹ بھی پہنتا ہے۔

سوال...... آپ کہیں واسکٹ بدل بھائی تو نہیں؟

پیر صاحب...... (متانت سے) میرے اور اس کے سائز میں فرق ہے (قہقہہ)۔

سوال...... پنجاب میں تو مسلم لیگ ہی حکومت اور مسلم لیگ ہی اپوزیشن ہے۔ اس پر آپ کا کیا تبصرہ ہے؟

پیر صاحب...... مسلم لیگ ہر اس شخص کو تسلیم کرے گی جو مسلم لیگی ہے۔ میں تو آنے اور جانے والے دونوں کا شکر گزار رہا کرتا تھا۔ اب موجودہ مسلم لیگیوں سے پوچھیں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

سوال...... آپ نے باہر جانے کے لئے دس اپریل کا ٹارگٹ کیوں دیا؟

پیر صاحب...... دراصل ۲۷ رجب المرجب کی تاریخ ہماری خانقاہ میں منائی جاتی ہے۔ اس بار یہ تاریخ ۵ یا ۷ اپریل کو آ رہی ہے۔ اس کے بعد ظاہر ہے کہ دس ہی آتی ہے۔

سوال...... ۱۴ اپریل کو بھی تو ایک برسی منائی جاتی ہے؟

پیر صاحب...... پھر تو آپ فرسٹ اپریل سے شروع کریں۔ اس روز بھی تو کچھ منایا جاتا ہے۔

سوال...... کیا بے نظیر آپ کی بھتیجی ہے؟

پیر صاحب...... اللہ مجھے بھٹو جیسا بھائی نہ دے۔

سوال...... صدر اور وزیر اعظم کے درمیان افہام و تفہیم کی کیفیت کیا ہے؟

پیر صاحب...... یہ تو آپ صدر صاحب سے پوچھیں کہ وہ وزیر اعظم سے پوچھ کر تقریر کرتے ہیں یا وزیر اعظم ان سے پوچھ کر کرتا ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو آدمی دوسروں کے کام میں مداخلت کرے' وہ ہمیشہ غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے۔ میں تو ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔

سوال...... جی ایچ کیو سے آپ کے پرانے تعلقات ہیں۔ وہاں کوئی تبدیلی تو نہیں ہو رہی؟

پیر صاحب...... ہم تو ووٹ کے وقت اپنی طاقت استعمال کریں گے۔ وزارت سازی میں ہمارا کوئی عمل دخل نہیں۔

سوال...... آپ کا ادھار کا آدمی کیسا جا رہا ہے؟

پیر صاحب...... بھئی' اب تو وہ مسلم لیگ اور حکومت دونوں کا انچارج ہے۔ آپ اس سے بھی تو کچھ پوچھیں۔

سوال...... اس سے تو جناب اب ملاقات ہی نہیں ہوتی۔

پیر صاحب...... آپ سے نہیں ملتا تو مجھے کہاں ملے گا۔ میری تو اب وہ گلی سے بھی نہیں گزرتا۔ پہلے اسے صرف اپنا کام تھا' اب پرایا بھی اپنا ہو گیا ہے۔ اسی سے پوچھیں کہ وہ کتنا مصروف ہے۔

سوال...... اب تو جی ایچ کیو بھی مسلم لیگ کے ماتحت آ گیا ہے۔

پیر صاحب...... ہر ایک کی ذمے داریاں اپنی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جی ایچ کیو ایک ایسا زیر دست ہے جو جب چاہے سرپرست کو بھگا دے۔ مگر سرپرست اس زیر دست کو نہیں نکال سکتا۔

سوال...... امریکی سفیر ڈین ہنٹن نے بھی جماعتی انتخابات کی حمایت کی ہے۔

پیر صاحب...... اس نے کون سی نئی بات کی ہے؟ ہم بھی ہمیشہ صدر صاحب کو یہی مشورہ دیتے رہے...... دیکھو بھئی' ہم تو شروع ہی سے سیدھی بات کرتے آئے ہیں مگر آپ لوگ خود کو دھوکا دیتے رہے اور ہمیں مسخرہ قرار دیتے رہے۔ دیکھ لو' ہم نے جو کچھ کہا' آخر کار پورا ہو گیا۔

سوال...... اگر بے نظیر یہاں آ کر ایسی صورت حال پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئی کہ اپنی شرائط منوا سکے تو کیا ہو گا؟

پیر صاحب...... دیکھو بھئی' فوج سے شرائط منوائی نہیں جاتیں بلکہ محض اسے پیش کی جاتی ہیں۔ جبکہ مسلم لیگ کو یہ شرائط پیش کرنے کے لئے ادب و احترام سے پیش آنا بھی لازم ہے۔ کیونکہ یہ ایک دستوری اور نظریاتی جماعت ہے۔ اب جب تک ان کے پاس بھی نظریہ نہ ہو' کام نہیں چلے گا۔

سوال...... پیپلز پارٹی میں تو اب نوجوان قیادت کو آگے لایا جارہا ہے۔

پیر صاحب...... ہر جماعت کی اپنی ضروریات اور نظریات ہوتے ہیں۔ ویسے مسائل زور بازو (مسل پاور) سے حل نہیں ہوتے بلکہ یہ ذہنی صلاحیت (برین پاور) سے حل کئے جاتے ہیں۔ اس وقت وہی کرنا پڑے گا جو ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔

سوال...... آج تو یوں لگتا ہے جیسے آپ صدر صاحب کا کیس بیان کر رہے ہیں؟

پیر صاحب...... میں تو محض اپنا کیس بیان کر رہا ہوں۔ میں اس کا کیس کیوں بیان کروں؟ میں نے ہمیشہ کھل کر کہا کہ ہم ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔

سوال...... میاں طفیل محمد کا کہنا ہے کہ صدر صاحب انہیں دروازے تک چھوڑنے آتے ہیں۔

پیر صاحب...... جو بڑوں کی جتنی عزت کرے گا' ثواب پائے گا۔ ویسے ہم جیسا کوئی سر پھرا آ گیا تو انہیں ایوان صدر کے سامنے بھی نہیں گھومنے دے گا۔

سوال...... مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے گذشتہ اجلاس میں بعض اراکین نے اپنے رکنیت فارم واپس طلب کئے تھے۔

پیر صاحب...... یہ تو صدر کا استحقاق ہے کہ وہ کسے لیتا ہے اور کسے چھوڑ دیتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان کی بعد میں گفتگو بھی ہوئی ہو گی۔ جہاں تک میری رائے کا تعلق ہے' تو کوئی شخص جب چاہے اپنا مذہب تبدیل کر کے دوسرا مذہب اختیار کر سکتا ہے۔

سوال...... اور رکنیت سے محرومی کا معاملہ...........؟

پیر صاحب...... یہ آپ وزیر قانون سے پوچھیں۔ قانون سب کے لئے برابر ہے۔ ویسے یہ بھی چوہے بلے کے کھیل کا ایک حصہ ہے۔

سوال...... بلے چوہے کے اس کھیل میں کہیں برتن ہی تو نہیں ٹوٹ جائے گا؟

پیر صاحب...... بلا بھی سمجھ دار ہے اور چوہا بھی۔ کھانے کی چیز کبھی نہیں توڑیں گے' کیونکہ یہ برتن تو دونوں کے کام آتا ہے۔

سوال...... ممتاز بھٹو کی کنفیڈریشن کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

پیر صاحب...... بھئی' یہ میرا کام نہیں۔ پاکستان سب کے لئے ایک سا ہے۔

سوال...... سندھ کی صورت حال کیسی ہے؟

پیر صاحب...... دیکھو بھائی' میری تو وہاں جائیداد ہے' زمینیں ہیں۔ میں اس کے بارے میں آپ سے زیادہ فکر مند ہوں۔ اگر خدانخواستہ وہاں کچھ ہو گیا تو آپ تو مجھے چائے کی پیالی پلا کر محض دعا ہی دے سکتے ہیں' جبکہ میرا اس سے ایک واضح تعلق ہے۔

⊙⊙⊙⊙⊙⊙⊙⊙⊙

دمادم مست قلندر

۸مارچ۱۹۸۶
اسلام آباد

سوال..... آج کل ملک بھر میں ایک نئی بحث چل رہی ہے کہ مارشل لا کس نے ختم کرایا۔ ایم آر ڈی' آزاد گروپ' جماعت اسلامی' وزیر اعظم جونیجو' نورانی میاں اور صدر ضیاء الحق سبھی اس بات کے دعویدار ہیں کہ مارشل لا انہوں نے ختم کرایا۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

پیر صاحب..... میں صرف جنرل صاحب اور جماعت اسلامی کا ذکر کروں گا۔ جماعت اسلامی والے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم نے پاکستان بنایا اور پاکستان کی فلاسفی کی حمایت کی۔ مگر کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ اس کے مخالف رہے۔ مارشل لا کے بارے میں بھی ان کا بیان اسی قسم کا ہے۔ رہے جنرل صاحب' تو میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ جو لگاتا ہے وہی اٹھاتا بھی ہے۔ اور محمد خان کے تو وہ سرپرست ہیں' سو وہ انہی کی بات بولتا ہے کیونکہ میرا تو وہ خلیفہ بھی نہیں۔

سوال..... مگر یہ فیصلہ کس کا تھا؟

پیر صاحب..... یہ جی ایچ کیو کی کونسل کا فیصلہ تھا جس میں ہم جی ایچ کیو کے ساتھ تھے۔ ہم نے ان کے ساتھ مل کر' ان کے راستے پر چل کر' مارشل لا ختم کرایا اور انہیں تھوڑی دیر کے لئے "بائی بائی" کہہ دیا۔ اب یہ آپ کی کارگزاری پر منحصر ہے کہ یہ "تھوڑی دیر" کتنی تھوڑی دیر ہوتی ہے؟

سوال..... صدر صاحب نے دو روز قبل سردار عبدالقیوم خان کی دعوت کے دوران' آپ کی موجودگی میں' اخبار والوں کو جو کھری کھری سنائیں' ان پر آپ کا تبصرہ کیا ہے؟

پیر صاحب..... میں بھی کچھ اسی قسم کی باتیں دبے دبے لفظوں میں عرض کرتا رہتا ہوں۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ حاکم وقت ہے' بولتا ہے تو خوب بولتا ہے جبکہ میں دبے لفظوں میں بات کرتا ہوں۔ ویسے آپ پریشان نہ ہوں۔ صدر صاحب کے الفاظ کے کئی معنی ہو سکتے ہیں۔ آپ دیکھیں کون سا درست ہے۔ آکسفورڈ ڈکشنری دیکھ لیں۔ اس میں ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی موجود ہیں۔ شاید کوئی آپ پر بھی چپک جائے۔ (قہقہہ لگاتے ہوئے) اور آپ کو پسند بھی آ جائے ویسے آج کل سپیشلائزیشن (تخصص) کا زمانہ ہے۔ بین الاقوامی امور پر لکھنے والا پیاز کا بھاؤ نہیں بتا سکتا۔ اور صدر صاحب کے نزدیک جو آدمی صرف ایک بات جانتا ہے وہ جاہل

ہے۔ کیونکہ کرسی سب سے بہتر سمجھتی ہے اور صدر صاحب کرسی پر بیٹھے ہیں۔ فیلڈ مارشل نے بھی اپنے آخری دنوں میں یہی کہا تھا۔

سوال..... اس تقریب میں آپ صدر سے بغل گیر بھی ہوئے..... جبکہ دو روز قبل آپ نے لاہور ریس کورس میں جیتنے والوں کو انعامات بھی دیئے۔ گویا آج کل آپ مختلف تقریبات میں شریک ہو رہے ہیں۔

پیر صاحب..... دیکھو بھئی' میں انہی دنوں میں ایک ہارے ہوئے کھلاڑی سے بغل گیر ہوا ہوں۔

سوال..... بغل گیر ہوتے ہوئے آپ نے کیا محسوس کیا؟

پیر صاحب..... اس سے بغل گیر ہوتے ہوئے میں نے ہمدردی محسوس کی۔

سوال..... تو ہارے ہوئے کھلاڑی کی داستان آپ نے سن لی؟

پیر صاحب..... ہارا ہوا کھلاڑی جیتے ہوئے کو اپنی داستان کبھی نہیں سناتا۔ وہ تو کسی ہارے ہوئے ہی کو سنائے گا۔

سوال..... صدر صاحب نے کہا ہے کہ اخبارات اگر سرکاری اشتہارات مانگتے ہیں تو سرکاری پالیسیوں کی تائید بھی کریں۔

پیر صاحب..... بھئی جو دیتا ہے' کچھ لینے کی امید ہی سے دیتا ہے۔ ایسی بات ہے تو آپ مت لیں

سوال..... مگر دینے والا ذاتی حیثیت میں تو نہیں دے رہا؟

پیر صاحب..... ہاں' وہ قوم کے خزانے ہی سے دیتا ہے۔ مگر اس لئے کہ وہ قوم کے لئے اپنی طرف سے بنائی ہوئی پالیسیوں کو آگے چلا سکے۔

سوال..... اشتہارات کے علاوہ کاغذ پر بھی حکومت کا کنٹرول ہے اور اس کی اجازت کے بغیر پیسے خرچ کر کے بھی اسے امپورٹ نہیں کیا جا سکتا۔

پیر صاحب..... بنیادی حقوق بحال ہو چکے ہیں۔ آپ کاغذ کے معاملے کو عدالت میں کیوں نہیں لے جاتے؟

سوال..... یوں لگتا ہے کہ مارشل لا کے بعد اخبارات کو ملنے والی آزادی با اختیار لوگوں کو پسند نہیں آئی۔

پیر صاحب..... اسلامی مارشل لا کے وقت کہا گیا تھا کہ آپ کسی بھی قسم کے سرکاری ملازم کے خلاف سچ بھی نہیں کہہ سکتے۔ اب آپ کو جو آزادی ملی ہے اور آپ ذرا کچھ کچھ سچ لکھنے لگے ہیں تو تکلیف تو ہوگی۔ پرسوں بھی میں نے یہی محسوس کیا اور شدید جھنجھلاہٹ کی کیفیت دیکھی۔

سوال..... جماعت اسلامی نے مطالبہ کیا ہے کہ صدر اور وزیر اعظم ایک ایک عہدہ چھوڑ دیں۔

پیر صاحب..... مسلم لیگ کو تو تشکیل نو کے بعد پہلا نیا چہرہ ملا ہے' جو ہم فوری طور پر تبدیل نہیں کر سکتے۔ انہیں چاہئے کہ اپنا چہرہ تبدیل کریں' جو میاں صاحب ہونے نہیں دیتے۔

سوال..... میاں طفیل محمد نے کہا ہے کہ اس ملک کو بوجوہ جمہوریت راس نہیں آتی۔

پیر صاحب...... اگر میاں صاحب کو جمہوریت راس نہیں آتی تو مارشل لا اٹھانے کا کریڈٹ کس بات پر لیتے ہیں؟

سوال...... کیا یہ ممکن ہے کہ ملک میں جمہوریت کے فروغ کے لئے کچھ عناصر مجتمع ہو کر کام کریں؟

پیر صاحب...... ایوان میں سب لوگ اکٹھے ہیں اور جماعتیں اکٹھی ہو کر کام کر رہی ہیں۔ اب ایوان کے باہر جو بھی ہو' اس سے فرق نہیں پڑتا کیونکہ فیصلہ تو ایوان کے اندر ہو گا۔ ایوان کے باہر تو وہ منصورہ میں ہیں اور ہم ۳۳' ڈیوس روڈ پر۔

سوال...... سندھ کی ایک طالب علم تنظیم کی طرف سے نئے سندھیوں کے قتل عام کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

پیر صاحب...... مجھے تو ایسے کسی منصوبے کی کوئی خبر نہیں۔ مگر گوریلا سنٹر ہر تنظیم نے قائم کر رکھے ہیں۔ چاہے وہ نئے سندھی ہوں یا جئے سندھ والے۔

سوال...... مصطفےٰ کھر کے بقول بے نظیر نے پیپلز پارٹی والوں کو لندن اس طرح طلب کیا ہے جیسے ڈپٹی کمشنر پٹواریوں کو بلاتے ہیں۔

پیر صاحب...... یہ تو ان سے پوچھیں کہ وہ لیڈر بن کر گئے تھے یا پٹواری بن کر' یا ایسے ہی کسی اور کے مال پانی پر محض سیر کرنے کے لئے۔

سوال...... کیا آپ یہ محسوس نہیں کرتے کہ پیپلز پارٹی والے بے نظیر کی آمد کے لئے راہ ہموار کر رہے ہیں؟

پیر صاحب...... مجھے تو ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ ویسے ہم خود منتظر بیٹھے ہیں اگر وہ مجھ سے مشورہ لیتی تو میں بھی کچھ عرض کرتا۔

سوال...... کہا جاتا ہے کہ کھوکھراپار کے راستے تخریب کاروں کی آمد کا اندیشہ ہے۔

پیر صاحب...... مجھے تو اب کوئی اندیشہ نظر نہیں آتا۔ ویسے بھی تخریب کار پاسپورٹ لے کر نہیں آتے۔ ہم نے تو یہی دیکھا کہ بھارت سے جو آتا ہے' واپس نہیں جاتا۔ خواجہ خیر الدین کو دیکھیں۔ وہ بھارت سے بھی کچھ دور سے آیا مگر واپس نہیں گیا۔

سوال...... کیا بہاریوں کے عوض خواجہ خیر الدین کو واپس کر دیا جائے؟

پیر صاحب...... یہ تو آپ ان سے پوچھیں کہ خواجہ خیر الدین انہیں قبول ہے یا نہیں۔ ہم تو بہاریوں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔

سوال...... عبدالولی خان آپ کے متعلق بڑے گرم بیانات دے رہے ہیں۔

پیر صاحب...... ایک تو ولی' دوسرا خان...... دو گرم چیزیں۔ ولی اپنے جلال کی وجہ سے گرم ہوتا ہے اور خان تو ویسے بھی گرم ہوتا ہے' چاہے روزہ سے ہو یا نہ ہو۔

سوال...... بزنجو نے کہا ہے کہ اگر ہمارا پی پی پی سے اختلاف نہ ہوتا تو مارشل لا نہ لگتا۔

پیر صاحب...... اب دیکھیں کہ ان کے اور پیپلز پارٹی کے درمیان اختلاف کیسے پیدا ہوا۔ ظاہر ہے کہ پیپلز پارٹی کی گری ہوئی کارگزاریوں کی وجہ سے یہ اختلاف پیدا ہوا۔ اب وہ دوبارہ محض اس لئے قریب ہوئے ہیں کہ اپنی

کار گزاری نہیں دکھا سکے۔ پیپلز پارٹی اقتدار میں آ گئی تو پھر وہی کچھ کرے گی' مگر اب کی بار اسے ہٹایا نہیں جا سکے گا۔

سوال...... ممتاز بھٹو نے بھی ذوالفقار علی بھٹو کے انداز میں دمادم مست قلندر کا نعرہ لگایا ہے۔

پیر صاحب...... آپ قلندر کے مزار پر دیکھیں۔ وہاں تو روز دمادم مست قلندر ہوتا ہے' اور قلندر روز گاتے ہیں میں تو جب مانوں گا اگر ممتاز بھٹو خود الفی پہن کر دمادم مست قلندر کرے گا۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لئے' بھٹو نے دمادم مست قلندر کا نعرہ پاکستان کو دو ٹکڑے کرنے کے لئے لگایا تھا۔ یہ کس لئے لگا رہا ہے؟

سوال...... این ڈی پی کے ایک رہنما حاجی غلام احمد بلور نے کہا ہے کہ پاکستان عبدالغفار خان نے بنایا تھا۔

پیر صاحب...... یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ گلاس آدھا خالی ہے یا آدھا بھرا ہوا ہے۔ بات تو ایک ہی رہے گی۔ بھارت کو انگریزوں کے غلبے سے آزادی دلانے میں وہ ضرور حصہ دار تھے' مگر تقسیم کی بات تو مسلم لیگ اور قائداعظمؒ نے کی۔ گویا انگریزوں کو نکالنے میں تو ان کا ہاتھ تھا' مگر ہندو کی غلامی سے نکالنے میں ان کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔ مسلمان اپنا حصہ الگ مانگتے تھے اور یہ لوگ اکھنڈ بھارت کے حامی تھے۔

سوال...... آپ کے ایک پرانے ساتھی نے بٹوارا کمشن کی بات کی ہے۔

پیر صاحب...... میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں ۱۹۵۴ء تک واپس جانا چاہئے۔ کیونکہ ہم پٹڑی سے وہیں اترے تھے۔

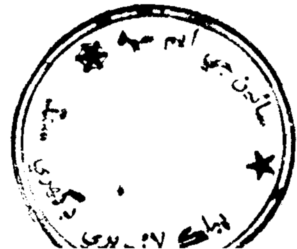
سوال...... صدر مملکت سے میاں طفیل محمد اور تنویر الحسینی کی ملاقاتوں کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

پیر صاحب...... یہ آپ ان سے پوچھیں جو ملے یا جو ملا۔ بہر حال' جنرل صاحب نے دونوں کو مسکراہٹ کے ساتھ سنا ہو گا۔ کرنا انہوں نے وہی ہے' جو مسکراہٹ کے پیچھے ہے۔ کیونکہ صدر صاحب کی مسکراہٹ سے ان کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اور ہونا بھی یہی چاہئے۔ حاکم کے پاس تو پالیسی کا معاملہ ہوتا ہے۔ یہ محض رشتے داری کی بات نہیں ہوتی۔

سوال...... ائیر مارشل اصغر خان نے کہا ہے کہ چہرے نہیں نظام تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔

پیر صاحب...... میرے خیال میں چہرے نہیں پالیسی بدلنی چاہئے۔ چہرہ کوئی بھی ہو' پالیسی تبدیل ہونا چاہئے کیونکہ ۱۹۸۱ء سے لے کر اب تک پالیسی ایک ہی رہی ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اب ہم کوشش کر رہے ہیں کہ آہستہ آہستہ پالیسیاں تبدیل کریں جبکہ دوسری طرف "دی یفرنڈم" کا سایہ برقرار رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مگر ہم اس کے باوجود آہستہ آہستہ تھوڑی بہت تبدیلی لا رہے ہیں۔





"دی ریفرنڈم" کا سایہ

۱۳ر مارچ ۱۹۸۶ء

لاہور

سوال...... پیر صاحب' سنا ہے آپ پھر مسلم لیگ کا چارج سنبھالنے والے ہیں۔

پیر صاحب...... نہیں' نہیں۔ مسلم لیگ کا معاملہ بالکل ٹھیک چل رہا ہے اور میں فی الحال آرام کے موڈ میں ہوں۔

سوال...... یہ آرام کب تک جاری رہے گا؟

پیر صاحب...... ابھی تو ہم آؤٹ اسکرٹ پر ہیں ۔ جب یہ سلسلہ ختم ہونے کے بعد بلا پنجرے میں بند ہو جائے گا اور صرف چوہا میدان میں پھدکتا رہ جائے گا' تب تک ہم آرام کریں گے اور سینٹ کی پچھلی نشست سے اٹھ کر خاموشی سے گھر چلے جاتے رہے گے۔

سوال...... بلا پنجرے میں بند کب ہو گا؟

پیر صاحب...... وقت آتا رہے گا' ہم تو محض امید ہی کر سکتے ہیں اور شاید پلان بھی یہی تھا۔ یہاں البتہ قدرت از خود کوئی فائنل فیصلہ کر دے تو اور بات ہے۔

سوال...... پھر بھی کوئی ٹائم ٹیبل تو ہو گا۔

پیر صاحب...... یہ تو دوڑنے والوں پر منحصر ہے کہ وہ کتنا تیز دوڑتے ہیں۔ جتنا تیز دوڑیں گے' اتنی جلدی کھڈے میں گریں گے۔ آپ تو صرف اس بات پر نگاہ رکھیں کہ بلا کتنی تیزی سے دوڑتا ہے۔

سوال...... آپ اس کی رفتار نہیں دیکھ رہے؟

پیر صاحب...... رفتار دیکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ "عن قریب"۔ اب اس "عن قریب" کو آپ کھینچ کر لمبا کر لیں یا جتنا ہے اتنا ہی رہنے دیں۔ مگر اسے چھوٹا کریں یا لمبا رکھیں' دونوں اپنی رفتار سے جا رہے ہیں۔ یہ تو کھیل ہے۔ ایک دور ختم ہو گا تو دوسرا شروع ہو گا۔ کھیل میں یہی ہوتا ہے۔

سوال...... اس کھیل میں آپ کا کردار کیا ہو گا؟

پیر صاحب...... ہم مائٹی ماؤس کی دُم اتنی بھاری کر کے دکھا رہے ہیں جس کے مقابلے میں بلا چھوٹا اور بے حیثیت دکھائی دے۔ (ہنستے ہوئے) ویسے آپ لوگ اس معاملے کو مت الجھائیں۔ اتنا ہی رہنے دیں' اور کوئی اور سوال کریں۔

سوال..... اب نواب زادہ نصراللہ خان اور بے نظیر بھٹو بھی نئے انتخابات پر بات چیت کے لئے آمادہ ہیں؟

پیر صاحب..... سوال تو یہ ہے کہ جب انتخابات ہوئے تو انہوں نے اس وقت بائیکاٹ کیوں کیا؟ اب وہ اپنی غلطی چھپانے کے لئے نئے انتخابات کی بات کر رہے ہیں۔ آج دوسرا انتخاب مانگ رہے ہیں۔ کل تیسرا مانگیں گے۔ مگر وہ جس راستے پر چل رہے تھے اس میں تو انتخابات تھے ہی نہیں۔ اب اگر دوسرے انتخابات ہوئے تو بھی وہ مخالفت ہی کریں گے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو انتخابات کے بائیکاٹ کا مشورہ دیتے رہے لیکن لوگوں نے دھڑا دھڑ ووٹ دیئے..... ہاں البتہ "دی ریفرنڈم" میں صرف فرشتوں ہی نے شرکت کی تھی۔

سوال..... ان کی اس گمراہی سے ملک و قوم کو تو کسی نقصان کا اندیشہ نہیں؟

پیر صاحب..... ایسے حضرات کی گمراہی صرف انہی کے وجود کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ رہا ملک، تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ملک بلے کے بند ہو جانے کے بعد ترقی کرے گا۔

سوال..... کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ حکومت عوامی توقعات پر پوری اتری ہے؟

پیر صاحب..... عوامی توقعات بھی آہستہ آہستہ ضرور پوری ہوں گی۔ جو راستہ بند پڑا تھا وہ بلڈوز ہو کر کھلا ہے اور اب لوگ جمہوری عمل اور جمہوریت کے راستے پر گامزن ہیں۔

سوال..... مارشل لا حکومت نے اپنے سے پہلی حکومت کے احتساب کی جو داغ بیل ڈالی تھی، کیا آپ بھی اسے جاری رکھیں گے؟

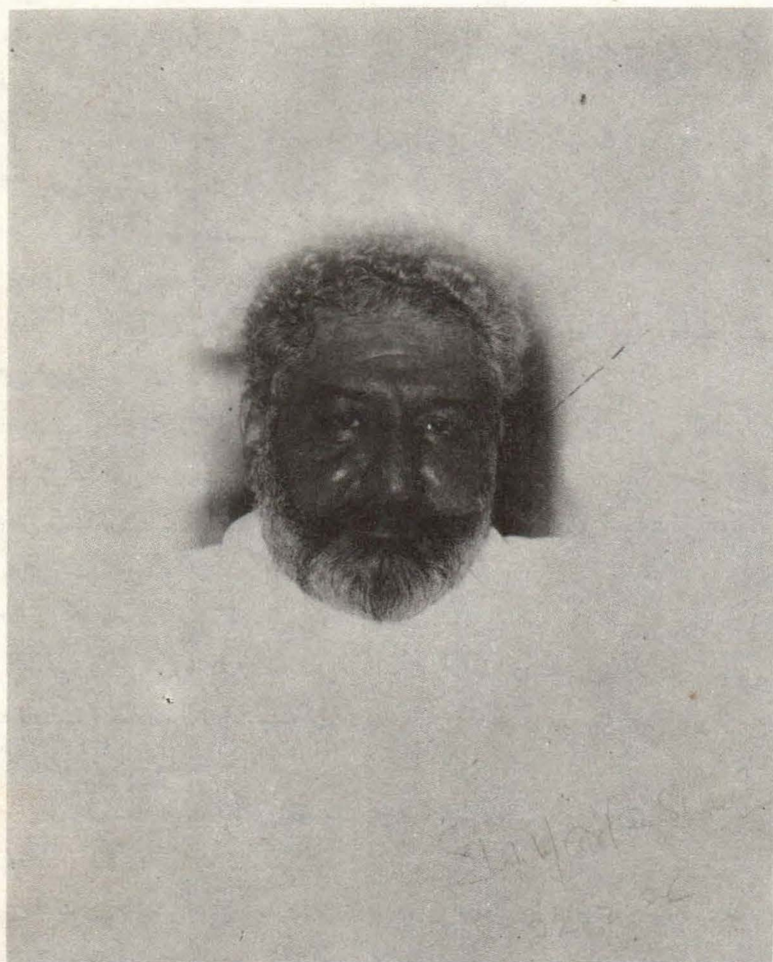
پیر صاحب..... دیکھو بھئی، پہلے والی حکومت نے تو احتساب کی محض بات ہی کی تھی، اور یہ سب لوگوں کو مطمئن کرنے اور بے وقوف بنانے کے لئے کیا گیا۔ عملی صورت تو یہ ہے کہ اس حکومت نے ان تمام افسروں کو ترقی دی جن کے نام وائٹ پیپر میں شائع ہوئے۔ اس حکومت نے ان تمام افسروں کو بلیک میل کر کے ان سے اپنی مرضی کے کام کروائے۔ سیاستدانوں کو بھی اسی طرح استعمال کیا۔ اب جب حکومت صحیح طریقہ سے چلے گی اور مضبوط ہو گی تو ان سب کا احتساب بھی ہو گا کیونکہ احتساب کا وعدہ قومی اتحاد نے کیا تھا۔ اور مسلم لیگ قومی اتحاد میں باقی رہ جانے والی آخری جماعت ہے۔ اب تو کوئی صاحب بہادر بھی مشکل ہی سے بچے گا اور جو بچ گیا، اس کا احتساب مسلم لیگ کی حکومت کرے گی۔ آپ یہ بات نہ بھولیں کہ حکومت مسلم لیگیوں کی ہے، مسلم لیگ کی نہیں۔ مسلم لیگ کی حکومت اس کے بعد آئے گی، اور وہ موجودہ دور تک احتساب سے بچ رہنے والوں کا بھی احتساب کرے گی۔

سوال..... آپ کے خیال میں گزشتہ ساڑھے آٹھ برسوں کے دوران پیپلز پارٹی کو کیا نقصان پہنچا ہے؟

پیر صاحب..... یہ تو آپ ان سے پوچھیں۔ میرے نزدیک تو پی پی پی پنجاب کی جماعت ہے۔ ۱۹۷۰ء میں روٹی کپڑا مکان کا طوفان پنجاب ہی میں آیا تھا۔ لیکن ایک بات یاد رہے، اور وہ یہ کہ اگر اب کی بار یہ طوفان برپا ہو گیا تو جو تھوڑا بہت روٹی کپڑا میسر ہے، یہ بھی ختم ہو جائے گا اور لوگ ایک دوسرے کو کھانے لگیں گے۔

سوال..... یہ بتائیے کہ مسلم لیگ نفاذ اسلام کے بارے میں کب کوشش کرے گی؟

پیر صاحب..... اسلام تو آتا ہی رہے گا، اور اس پر عمل بھی ہوتا رہے گا۔ مگر یہ اسی وقت ممکن ہے جب لوگوں میں



شاہ مردان شاہ پیر پگارا۔

مذہبی شعور بیدار کیا جائے۔ جیسی تربیت گزشتہ آٹھ سالوں کے دوران دی گئی ہے' اگر یہی جاری رہی تو نہ شعور پیدا ہو گا نہ اچھے کلرک پیدا ہوں گے' اور ان مایوس لوگوں کو نوکری بھی مشکل ہی سے ملے گی۔ کیونکہ باروالوں نے تو انہیں قبول کرنے سے پہلے ہی انکار کر دیا ہے۔ ہم نے بھی انکار کر دیا تو وہ دل لگا کر پڑھیں گے اور اچھے کلرک بنیں گے۔

سوال...... سنا ہے بے نظیر کی آمد پر بھی اسی انداز کی ایک مزدور کسان کانفرنس منعقد کی جا رہی ہے جیسی ۱۹۷۰ء میں ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ہوئی تھی؟

پیر صاحب...... دیکھو میاں' وہ محض اپنی ضروریات پر زور دیتے ہیں۔ عوام کی مشکلات اور ان کے مسائل سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں۔ ایسے میں کانفرنس سے کیا ہو گا؟

سوال...... پیپلز پارٹی کی اوور ہالنگ سے مسلم لیگ کو تو کوئی خطرہ نہیں؟

پیر صاحب...... اس سے صرف ان کے اپنے وجود کو خطرہ ہے' اور کسی کو خطرہ نہیں۔

سوال...... قومی اسمبلی کے ایک رکن نے کہا ہے کہ مارشل لا کے خاتمے کے بعد موجودہ اسمبلیوں کی بقا کے بارے میں ریفرنڈم کرایا جائے؟

پیر صاحب...... دیکھو بھئی' اسمبلیوں کا اصل مقام تو وہی جانتا تھا جس نے یہ اسمبلیاں بنائیں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ مگر یہ دور چونکہ بلے چوہے کا ہے' اس لئے کھیل جاری ہے۔ ورنہ عوام نے تو اسمبلیوں کو پانچ سال کے لئے ووٹ دیئے ہیں' اور یہ بہر حال پانچ سال پورے کریں گی۔ ہاں اگر کوئی "حالات" پیدا ہوئے تو پھر اس وقت دیکھیں گے' مگر جب یہ "حالات" پیدا ہوئے۔ ابھی سے کیا کہیں؟

سوال...... مگر عوام نے تو غیر جماعتی اسمبلیوں کو اعتماد کا ووٹ دیا تھا؟

پیر صاحب...... غیر جماعتی اسمبلیوں کو ووٹ دیا تھا' مگر یہ نہیں کہا تھا کہ اس سے دوستی نہ کرنا' اس سے ہاتھ نہ ملانا اور اکیلے پھرتے رہنا۔ اصل بات یہ ہے کہ اراکین ووٹروں کی مشکلات حل کر رہے ہیں اور جہاں یہ حل ملے گا' عوام وہیں جائیں گے۔

سوال...... سندھ کے معاملات و مسائل کے بارے میں کیا رائے ہے' اور وہاں امن و امان کی صورت حال کیسی ہے؟

پیر صاحب...... معاملات تو ہمارے اوپر والوں سے چل رہے ہیں' اور وہ ہیں پانی اور ملازمتوں کے کوٹے کے۔ رہی امن و امان کی صورت حال' تو حالات بھی تب درست ہوں گے جب بلا پنجرے میں بند ہو گا۔ تب سندھ میں بھی جرائم ختم ہو جائیں گے۔ ویسے ہمارا کام نہ سندھ کی کابینہ کرتی ہے' نہ مرکزی اور نہ پنجاب کی۔ اس لئے انہی سے پوچھیں کہ وہ مطمئن ہیں یا نہیں۔

سوال...... نواب زادہ نصر اللہ خان سے آپ کی بہت ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ کہیں وہ آپ کو "ٹریپ" تو نہیں کر رہے؟

پیر صاحب.....وہ پچاسی سال کا بوڑھا مجھے کیا ٹریپ کرے گا۔ (ہنستے ہوئے) ہمارا ان سے پرانا دوستانہ ہے۔ کبھی وہ ہمارے پاس آتے ہیں اور کبھی ہم انہیں ملنے چلے جاتے ہیں۔

سوال.....خدائے نور نے کہا ہے کہ نواب زادہ نصر اللہ خان جی ایچ کیو کے آدمی ہیں؟

پیر صاحب.....وہ تو ہے نور خدا' اگر خدا کا نور نہ ہوتا تو ہم بھی کوئی بات کرتے۔ رہا جی ایچ کیو' تو اس کے ساتھ ہر پاکستانی کے تعلقات ہیں۔ اب یہ محض ظاہر کرنے کی بات ہے۔ جو جتنا اظہار کرے۔ جی ایچ کیو ہمارا دفاع کرتا ہے' ہمارا تحفظ کرتا ہے' ہم پر حکومت کرتا ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ وہ تحفظ کم اور حکومت زیادہ کرتا ہے۔

سوال.....جی ایچ کیو کا بڑا آدمی کون ہے؟

پیر صاحب.....یہ تو آپ ان سے پوچھیں۔ ہمارا بڑا آدمی تو محمد خان ہے' اور میں اس کا خاص ووٹ ہوں۔

سوال.....سندھ کے تعلیمی اداروں میں بے اطمینانی کی کیفیت پر آپ کیا کہتے ہیں؟

پیر صاحب.....یہ سب بلے کے دم قدم سے ہے۔ جب بلا بند ہو جائے گا تو یہ سب بھی ختم ہو جائے گا۔

سوال.....پنجاب یونیورسٹی میں اسلامی جمعیتِ طلبہ نے پاکستان کا جھنڈا اتار کر اپنا لگا دیا۔ آپ کو اس کی خبر ہے؟

پیر صاحب.....ہم سمجھتے ہیں' یہ سب بلے کی میاؤں ہے۔

سوال.....پیپلز پارٹی کے ایک لیڈر شیخ رشید نے کہا ہے کہ سندھ میں ٹکا خان کی زمینیں ہاریوں میں بانٹ دی جائیں۔

پیر صاحب.....انہیں دوسروں کی جائیداد کے بٹوارے کا کیا حق پہنچتا ہے؟ اگر یہ زمین غیر قانونی ہے تو بٹوارا خود بخود ہو جائے گا۔ اگر قانونی ہے تو اس کا حق ہے' جس سے دوسرے کسی شخص کو سروکار نہیں ہونا چاہئے۔

سوال..... کھر نے کہا ہے کہ بھٹو کو بیرون ملک سے پارٹی کے لئے امداد ملتی تھی؟

پیر صاحب.....سوال تو یہ ہے کہ یہ امداد پارٹی کی سیاست کو توڑنے موڑنے کے لئے تھی یا دانے پانی کے لئے۔ ویسے خلیج کی ریاستیں پاکستان سے محبت رکھتی ہیں اور ہمیں ان سے ایسی ہی امید رکھنی چاہئے جو محبت کی مظہر ہو۔

سوال..... مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے۔

پیر صاحب..... اگر آدمی چاہے تو اللہ بھی مل ہی جاتا ہے۔ مگر یہ تو دیکھنا پڑے گا کہ کون سا اسلام نافذ کرنا ہے؟ مسلمانوں کا یا جماعت اسلامی کا؟ مسلم لیگ تو مسلمانوں کو ان کے اجتماعی شعور کا حامل اسلامی نظام دینا چاہتی ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ان اخلاقی اقدار کو تعمیر کیا جائے جو بدل چکی ہیں۔

سوال.....ایک عام تاثر یہ ہے کہ آپ اس ملک کے سب سے بااختیار سیاسی لیڈر ہیں......

پیر صاحب..... (بات قطع کرتے ہوئے) میں تو عوام کا دوست ہوں۔ لیڈر محمد خان ہے۔

سوال..... کالاباغ ڈیم کے بارے میں کیا رائے ہے؟

پیر صاحب.....ڈیم بننے چاہئیں' مگر سندھ کو اس کا حق ملتے رہنا چاہئے۔ ہمیں کسی ڈیم سے اختلاف نہیں۔ ہمیں

تو محض پانی چاہئے۔ باقی معاملہ سرحد والوں سے طے کر لیں۔

سوال...... آپ نے ریٹائر ہونے والے سرکاری ملازموں کی توسیع کے معاملے کو "دی ریفرنڈم" کا سایہ قرار دیا تھا۔ کیا یہ سایہ برقرار رہے گا؟

پیر صاحب...... دیکھو بھئی ' یہ تو لوگوں پر ہے کہ وہ اذانیں دیں اور دعائیں مانگیں تاکہ یہ کالا بادل اٹھے اور لوگوں کو نجات ملے۔

سوال...... سنا ہے ' پنجاب کی کابینہ آپ کی اجازت سے بنی ہے؟

پیر صاحب...... (تیزی سے) نہیں ' نہیں۔ پنجاب کی کابینہ کے بارے میں میری کوئی اجازت نہیں لی گئی۔ یہ تو گورنر ' صدر اور وزیر اعظم کا معاملہ ہے۔ میرا تو اس صُوبے سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ ہاں البتہ یہ میرے سسرال کا صو ضرور ہے۔

سوال...... گویا آپ پنجاب کی قیادت سے مطمئن نہیں ہیں؟

پیر صاحب...... دیکھو بھئی ' پنجاب کی قیادت بھی ۱۹۵۸ء کے بعد ختم ہو گئی۔ کیونکہ اس کے بعد تو پورے ملک میں کوئی قیادت نہیں ابھر سکی۔ اب دور آیا ہے تو پنجاب میں بھی لوگوں کو سیاست کی راہ پر چلنے اور قیادت پیدا کرنے کی اتنی ہی اجازت ہے جتنی سندھ یا بلوچستان میں ہو سکتی ہے۔ یہ الگ بات کہ راستے میں ٹھگوں کا ٹولہ ہے اور انہیں چاہئے کہ اس سے بچ بچا کر چلیں۔

سوال...... آپ کا شہری بابو کیسا جا رہا ہے؟

پیر صاحب...... یہ تو اس کی کابینہ یا اس کے سیکرٹری سے پوچھیں۔

سوال...... یہاں شہری اور دیہاتی قیادت کا جو معاملہ چلا تھا ' کیا وہ ختم ہو گیا؟

پیر صاحب...... جب حکومت بیورو کریسی اور فوج کی ہو تو شہری لوگ ان کے لئے زیادہ فائدہ مند ہوتے ہیں ' اور جاتے ہوئے اپنے انہی وفاداروں کو حکومت دے جاتے ہیں۔ اب یہ حالات پر منحصر ہے یا پھر عوام پر کہ وہ اسے کہاں تک برداشت کرتے اور اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ میں تو صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ آج جو شہری نظر آ رہے ہیں ' کل کو جماعتی ہو جائیں گے اور پھر یہ فیصلہ جماعت کرے گی کہ وہ کس کو لاتی ہے۔

سوال...... گویا کوئی تبدیلی متوقع ہے۔

پیر صاحب...... یہ فیصلہ تو جماعت کرے گی کہ بعد میں کس کو لانا ہے۔



صرف ایک آدمی کا دفاع

۲ر اپریل ۱۹۸۶ء
اسلام آباد

شاہ مردان شاہ پیر آف پگارا شریف نے کہا ہے کہ اس وقت ملک کی حکومت مناسب ہاتھوں میں نہیں ہے اور وہ اسے اسی وقت مناسب ہاتھوں میں تصور کریں گے جب یہ خود ان کے ہاتھوں میں آجائے گی۔ آج دوپہر اپنی اقامت گاہ پر خصوصی انٹرویو میں پیر صاحب نے کہا کہ انہیں مس بے نظیر بھٹو کے لیئے پاکستان میں کوئی خطرہ دکھائی نہیں دیتا۔ کیونکہ خطرہ تو اس کو ہوتا ہے جو خطرناک کام میں حصہ لے' اور یہ سوال ان سے کیا جانا چاہئے کہ وہ کس خطرناک کام میں حصہ لے رہی ہیں' جس کے نتیجے میں ان کی جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ملک میں چوہے بلے کا کھیل ختم نہیں ہوا بلکہ یہ اپنی پوری شدت کے ساتھ جاری ہے اور انہیں اس کھیل کے فائنل راؤنڈ کا انتظار ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے بے نظیر بھٹو کے باپ کو بھی سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔ ہم بھلا بے نظیر کو کیسے سنجیدگی سے لے سکتے ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے مسٹر بھٹو کو ہم نے مشکل وقت میں سہارا دیا اور مخدوم زادہ حسن محمود جب مجھ سے ناراض ہوں تو یہی طعنہ دیتے ہیں کہ بھٹو کو آپ ہی نے پروموٹ کیا تھا۔ بے نظیر کے دورہ روس پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ چاہے کہیں سے بھی ہو کے آجائے ہم تو بہر حال وہیں کے وہیں بیٹھے ہیں۔ اور روس میں کیا ہوتا ہے؟ جو کچھ ہونا ہے وہ تو یہیں ملک کے اندر ہونا ہے۔ اور یہاں یہ کیفیت ہے کہ ہم موجود ہیں اور وہ غیر حاضر ہے۔

ایم آر ڈی کے جلسوں کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے پیر صاحب پگارا نے کہا' جلسوں سے کیا ہوتا ہے۔ وہ جتنے جلسے چاہیں کرتے رہیں بلکہ مجھے تو یہ بھی پتا نہیں کہ محمد خان اتنے جلسے کیوں کرتا ہے۔ میں اس کی جگہ ہوتا تو محض پالیسی بیان کے لئے کبھی کبھی جلسے کرتا۔ کیا کروں میں تو اب کالعدم صدر ہوں اور یہ تاثر غلط ہے کہ میں کوئی سوپر سمجھ دار آدمی ہوں اور اندر سب احمق بیٹھے ہیں۔ بلکہ اصل صورت حال یہ ہے کہ "سوپر سمجھ دار" تو وہ ہیں جنہوں نے ہمیں کالعدم کر کے سارے ہاؤس پر قبضہ کر لیا ہے۔ تاہم میں انہیں بے مثال ذہین ضرور کہتا ہوں' بے نظیر نہیں کیونکہ جس کی کوئی نظیر نہ ہو وہ تو تجریدی آرٹ بن جاتا ہے اور میں کوئی شاعر تو نہیں کہ تجریدی باتیں کروں۔ میں تو ایک عملی آدمی ہوں اور کام کا ہر آدمی عملی ہوتا ہے۔

اس سوال کے جواب میں کہ آپ کی اسلام آباد آمد کے بعد صدر مملکت کل ایبٹ آباد جا رہے ہیں' پیر صاحب نے کہا' آپ کو یاد ہو گا میں نے کہا تھا کہ صدر صاحب کو فیس کرنے کے لیئے ایوان میں جا رہا ہوں۔ اب یہ عجیب اتفاق ہے کہ جب وہ ایوان میں آتے ہیں تو میں نہیں ہوتا اور جب میں آتا ہوں تو وہ نہیں آتے۔ اب تو یہ انتظام تقریباً مستقل ہی ہو گیا ہے کہ وہ صدر رہیں گے اور ہم کالعدم صدر رہیں گے۔ کیونکہ انہیں قوم اور فوج نے یہ اعزاز دیا ہے اور ایم این اے حضرات نے صدر بنا رکھا ہے۔ اب جب تک وہ چاہیں گے صدر صاحب بھی موجود رہیں گے۔

ڈاکٹر اسرار احمد کے اس بیان پر کہ بلے نے محض پردہ کیا ہے' تبصرہ کرتے ہوئے پیر صاحب نے کہا "اس کا بلا کوئی اور ہو گا" انہوں نے کہا کہ صدر ضیا سے ہمارا پرانا اختلاف ہے۔ کیونکہ وہ غیر سیاسی ہیں' ہم سیاسی ہیں وہ غیر جماعتی ہیں ہم جماعتی ہیں۔ جب کسی جماعت میں شامل ہوں گے تو ہم دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے۔ اب تو ہم ان کے ساتھ اختلاف ختم کرنے کے لئے محض کھانا کھاتے ہیں اور بغل گیر ہو کر واپس آجاتے ہیں۔ مگر چھری میز پر ہوتی ہے' بغل میں نہیں۔ ہم نے صدر صاحب کو کبھی بلا یا چوہا نہیں کہا' وہ اشرف المخلوقات ہیں۔ اب یہ الگ بات ہے کہ اخبار والے ہماری باتوں کا جو بھی مطلب نکال لیں۔ اصل مسئلہ انگریزی محاورے کا ہے۔ جسے انگریزی سکول میں پڑھے ہوئے بھی ٹھیک نہ سمجھ سکے تو اردو سکول والا کیا سمجھے گا؟

بے نظیر بھٹو کی آمد پر ہونے والے ممکنہ جلسوں پر تبصرہ کرتے ہوئے پیر صاحب نے کہا! ابھی تو ڈراما باہر ہو رہا ہے۔ وہ یہاں آئے تو ہم بھی دیکھ لیں گے۔ مگر ایک بات واضح رہنی چاہیئے' اور وہ یہ کہ جب تک آدمی قانون کا احترام کرے اسے اجازت ہوتی ہے۔ مگر جب وہ قانون توڑنے لگے تو پھر ریفری کی جگہ ڈنڈے والا لے لیتا ہے اور تمام کھیل بند کر دیتا ہے۔ اس موقع پر ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ مجھے ریفری یا ڈنڈے والا بھی نظر نہیں آ رہا بلکہ ایک طرف بلٹ اور بیلٹ ہے' دوسری طرف قلم اور کاغذ ہے۔ مگر بلٹ اور بیلٹ کے ساتھ فوج ہیں جب کہ قلم اور کاغذ والا تنہا ہے۔ اب جس نے حالات سے سبق نہ سیکھا وہ اپنی کمزوریوں اور غلط کاریوں کے ہاتھوں خود ہی مارا جائے گا۔

انہوں نے کہا کہ صدر صاحب کا دفاع کرنے کے لئے اتنی بڑی فوج موجود ہے جبکہ وہ ایک تنہا آدمی ہیں۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس اکیلے آدمی کا دفاع کہاں تک کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے معنی خیز انداز میں کہا کہ جو لوگ اپنے وزیر دفاع کا دفاع نہ کر سکے' وہ اپنے سالار اعظم کا دفاع کیسے کر سکیں گے۔ یہ درست ہے کہ فوج کا کام ملک کا دفاع ہوتا ہے مگر ہمارے ہاں چونکہ ملک کو کوئی خطرہ نہیں' اس لیے فوج صرف ایک آدمی کے دفاع میں مصروف ہے۔ موجودہ وزیر دفاع کا دفاع کرنے کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ اس کا دفاع تو اسمبلی والے کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ وزیر دفاع کو منتخب ایوان نے اعتماد کا ووٹ دیا ہے جب کہ موجودہ سالار اعظم بھٹو صاحب کی مہربانی سے اپنی سنیارٹی کے علی الرغم' سات آدمیوں کو پھلانگ کر یہاں تک پہنچے ہیں۔



"فخر" اور "امام"

۱۶ مئی ۱۹۸۶
اسلام آباد

مسلم لیگ کے سابق سربراہ اور سینٹر شاہ مردان شاہ پیر پگارا نے کہا ہے کہ قومی اسمبلی کے سپیکر سید فخر امام کی برطرفی کی خواہش اور کوشش صدر جنرل ضیاء الحق کی جانب سے کی جارہی ہے کیونکہ وہ اپنی امپیچمنٹ (مواخذہ) کے موقع پر اپنی مرضی کا سپیکر چاہتے ہیں۔

آج دوپہر لاہور روانگی سے قبل، خصوصی بات چیت کرتے ہوئے پیر صاحب پگارا نے کہا کہ صدر ضیاء الحق نے ملک میں منتخب سول حکومت کے باوجود چوتھے مارشل لا کی جو بات کی ہے، اس کے نتیجے میں انہیں اس بات کا خدشہ ہے کہ قومی اسمبلی میں ان کے خلاف امپیچمنٹ کا معاملہ اٹھایا جائے گا، اور ان کی خواہش اور کوشش یہ ہے کہ اس موقع پر سپیکر ان کی مرضی کا ہو تا کہ اس معاملے کو ان کی خواہش کے مطابق نمٹایا جاسکے۔

صدر مملکت کی طرف سے جاری کئے جانے والے نئے آرڈیننس پر تبصرہ کرتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ یہاں دو قسم کی آرڈیننس فیکٹریاں چل رہی تھیں۔ ایک کی کارکردگی نسبتاً کمزور تھی۔ اب وہ بھی چالو ہو گئی ہے اور اس میں بھی ایمپلائمنٹ شروع کر دی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مختلف حالات میں مختلف قسم کے بارود کی ضرورت ہوتی ہے اور فوج کے پاس ہر قسم کے ہتھیار اور ہر قسم کا بارود ہوتا ہے۔ تاہم جنہوں نے اس دوسری قسم کی آرڈیننس فیکٹری کو استعمال کیا ہے، ان سے یہ ضرور پوچھا جانا چاہئے کہ انہیں اس کی اچانک کیا ضرورت پڑ گئی تھی؟ اور کس کو ضرورت تھی؟۔ اس موقع پر پیر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا کہ ابھی کوئی دھواں وغیرہ تو ہم نے اٹھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

قومی اسمبلی کے سپیکر سید فخر امام کے بارے میں ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ "فخر" اور "امام" دونوں بڑی باتیں ہیں۔ جو فخر کرتا ہے، اس کا انجام کچھ اچھا نہیں ہوتا۔ رہی امامت، تو یہ بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔ میں تو اس ایوان میں ہوں ہی نہیں، نہ مجھ سے کسی نے پوچھا ہے۔ ویسے ایک بات بتا دوں کہ اس دور میں امام اگر پیروکاروں کی مرضی کے مطابق نہیں چلے گا تو اس کی امامت خطرے میں پڑ جائے گی۔ کیونکہ یہ کوئی دینی امامت تو ہے نہیں۔ یہ سیاسی امامت کا معاملہ ہے اور اس کا فیصلہ قومی اسمبلی کے اراکین کریں گے، جو ابھی تک خاموش ہیں، اور کچھ نہیں بول رہے۔

صدر کا مواخذہ

۲جون ۱۹۸۶

اسلام آباد

سوال...... آپ نے پچھلے دنوں یہ کہا تھا کہ پیپلز پارٹی کی تحریک محض چند شہروں تک محدود تھی اور اس پر تقریباً ۳۵ کروڑ روپے خرچ آئے' اور یہ کہ آئندہ ایسی کسی تحریک پر زیادہ خرچ اٹھے گا۔ کیا آپ ہمیں اس تخمینے کی بنیاد بتائیں گے؟

پیر صاحب...... میں آپ کو اپنے تخمینے اور تجزیئے کی بنیاد تو نہیں بتا سکتا' مگر جس قسم کی تحریک پر یہ پروگرام ہوا تھا' اس کے حوالے سے میں نے دوگنے اخراجات کی جو بات کی تھی وہ محض اس ماحول کیلئے تھی جو اس وقت درپیش تھا۔ جو حالات اس وقت پیدا ہو رہے ہیں' ان میں میرا اندازہ یہ ہے کہ انہیں پہلے سے کم از کم تین گنا زیادہ رقم خرچ کرنا پڑے گی۔ پھر یہ بھی ہے کہ بی بی بے نظیر نے اپنے حاضرین کو مایوس کیا ہے۔ اتنی تعداد میں آنے والے لوگوں کو انہوں نے صاف بتا دیا کہ انہیں حالات کی خبر نہیں تھی۔ تو اب آپ ہی بتایئے کہ کسی بے خبر کی بات کون سننے جائے گا؟ اب حالات کو سمجھنے کیلئے انہیں جو وقت در کار ہے' وہ کم از کم تین سال کا تو ہو گا۔ اس کے بعد وہ غور کریں گی' اور یوں چار سال بعد وہ عوام سے دوبارہ رابطے کے قابل ہو سکیں گی' اور عوام ۱۹۸۹ء میں انہیں سننے جائیں گے۔

سوال...... آپ کے خیال میں کوئی بھی ملک گیر تحریک سرمائے کے بغیر نہیں چل سکتی؟

پیر صاحب...... چل سکتی ہے' اور پی این اے کی تحریک چلی بھی تھی۔ شروع میں کوئی سرمایہ نہیں تھا۔ بعد میں جو کچھ سرمایہ اکٹھا بھی ہوا تو وہ محض جماعتوں کے اپنے حسابات کی حد تک ہی محدود رہا۔ باقی تو سارا معاملہ دعاؤں اور جذبات کا تھا۔ اس تحریک کی بنیاد ضروریات پر نہیں تھی۔ اب ایسے حالات نہیں۔ اب تو کوئی ظلم نہیں ہو رہا کہ لوگ اذانیں دیں اور دعائیں مانگیں۔ اب تو مخصوص قسم کے لوگوں کی خدمات حاصل کرنے کیلئے انہیں سرمایہ خرچ کرنا پڑے گا۔ جیسے انگریز کے زمانے میں ہندوستان اور افغانستان کی سرحد پر ہوتا تھا کہ ان لوگوں کو اگر ادھر سے مدد مل جاتی تو ادھر والوں کو رگید ڈالتے' اور اگر ادھر سے مدد مل جاتی تو ادھر والوں پر حملہ کر دیتے تھے۔ اس وقت تو انگریز پیسہ دیتا تھا۔ اب پتا نہیں کون دے گا۔ مگر دے گا اسی حساب سے کہ بموں کے کتنے دھماکے ہوئے' تخریب کاری کی کتنی وارداتیں کی گئیں۔ اسی حساب سے رقم بھی ملے گی۔

سوال...... توڑ پھوڑ کی کارروائیاں ۱۹۶۹ء اور ۱۹۷۷ء میں بھی ہوئیں۔ کیا ان کے پیچھے بھی غیر ملکی سرمایہ کارفرما تھا؟

پیر صاحب...... دیکھو بھئی' اب کی بار تو اتنے بڑے پیمانے پر اخراجات ہوئے ہیں کہ اس سے پہلے اس کی مثال ہی نہیں ملتی۔ پھر جب سربراہ مملکت بھی بیرونی امداد کی بات کرے تو یہ بات تسلیم کر لی جانی چاہئے کہ اب کی بار باہر سے سرمایہ آ رہا ہے۔ یوں بھی جو لوگ سامنے دکھائی دے رہے ہیں' یہ دینے والے تو ہیں نہیں۔ یہ تو لینے والے ہیں۔ سو پیسہ تو آ رہا ہے اور جو پیسہ آ رہا ہے کسی یتیم خانے یا رفاہی ادارے کو بھی نہیں جا رہا۔ یہ تو صاف صاف شریر اور عاقبت نااندیش لوگوں پر خرچ ہو رہا ہے۔

سوال...... تو مس بے نظیر بھٹو کی حالیہ تحریک اور بیانات پر آپ کا تبصرہ یہی ہے؟

پیر صاحب...... میں طالب علموں پر کبھی تبصرے نہیں کیا کرتا۔ بے بی بھٹو تو خود اپنے بقول ابھی سمجھنے' سوچنے اور دیکھنے کی منزل میں ہیں' اور یہ کام میں بھی کر رہا ہوں۔ رہی پیپلز پارٹی' تو ملک میں جتنے صوبے ہیں' ان سے زیادہ اس کے اندر جماعتیں بن چکی ہیں۔ اب نہ انہیں ایک ہونا ہے اور نہ الیکشن لڑنا ہے۔ آپ ذرا اخبار والوں سے پوچھیں کہ اس جماعت کے اندر کتنے دھڑے موجود ہیں۔ پھر بے نظیر کو ابھی "کوچیئرمین" بنایا گیا ہے۔ یہ "کو چیئرمینی" بھی گویا اس کی تربیت کا حصہ ہے کہ سنے اور سمجھے اور دیکھے۔ اور وہ یہ کام کر رہی ہے۔ مگر آپ یہ بات نہ بھولیں کہ کوچیئرمین بہرحال جونیئر ہوتا ہے اور اسے کسی بھی وقت برطرف کیا جا سکتا ہے۔

سوال...... کیا آپ یہ محسوس نہیں کرتے کہ نیا آرڈیننس لائے بغیر بھی حکومت کا کام چلایا جا سکتا تھا؟

پیر صاحب...... میرے نزدیک کچھ قانونی خامیاں تھیں جن سے ابہام پیدا ہو سکتا تھا۔ یہ خامیاں کم سمجھی کی وجہ سے رہ گئیں اور انہیں دور کرنا ضروری تھا۔ یہ خامی مسلم لیگ کی نہیں تھی' کیونکہ مسلم لیگ میں تو خامی ہوتی ہی نہیں۔ ان خامیوں کا ذمے دار محکمہ قانون کا متعلقہ شعبہ تھا۔ یا پھر اس محکمے کے انچارج کو ان کا ذمے دار قرار دیا جا سکتا ہے۔

سوال...... ان خامیوں کے ذمے دار افراد کے بارے میں آپ کیا کر رہے ہیں؟

پیر صاحب...... اس کے بارے میں آپ وزیراعظم سے پوچھیں کہ وہ انہیں کیا سزا دے رہے ہیں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ تمام قوانین ہمیں ان اثاثوں کی شکل میں ملے تھے جو مارشل لا نے بطور ترکہ چھوڑے۔ اب قانون سازی یا قانون کی مین میخ سے آگاہی تو وزارت قانون کا کام ہے۔ میں کسی کی اہلیت یا نیت پر شُبہ نہیں کرتا' مگر وزیراعظم کو اس تمام معاملے کی وجہ معلوم کر کے ایسا انتظام کرنا ہو گا کہ آئندہ ایسا نہ ہو۔

سوال...... ایک عام تاثر یہ ہے کہ فخر امام کی برطرفی کا معاملہ بے نظیر سے عوامی توجہ ہٹانے کیلئے حکومت نے خود کھڑا کیا تھا۔

پیر صاحب...... مجھے تو ایسی کوئی بات معلوم نہیں۔ مگر جو اور جس کی توجہ بے نظیر کی طرف ہو سکتی ہے' وہ فخر امام کی طرف نہیں ہو سکتی۔

سوال...... کہتے ہیں فخر امام کو ایک ایسی رولنگ کی سزا دی گئی جو پسندیدہ نہ تھی؟
پیر صاحب...... میری رائے یہ ہے کہ جو آدمی سپیکر کے دفتر میں تھا' اس کا یہ استحقاق تھا کہ جو فیصلے مناسب سمجھے' کرے۔ اسی طرح جو آدمی اب اس دفتر میں بیٹھا ہے' اس کا بھی یہ استحقاق ہے کہ اپنی دانست کے مطابق درست فیصلے کرے۔
سوال...... سنا ہے سید فخر امام کے بعض حامیوں اور پیپلز پارٹی کے درمیان بھی رابطہ ہوا تھا؟
پیر صاحب...... دیکھو بھئی' ہر ایک کا اپنا اپنا تجزیہ ہوتا ہے۔ مگر یہ تجزیئے کامن سینس کی بنیاد پر کئے جائیں تو بہتر ہے۔ ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ لوگ ایسی صورت میں حکومت کی مخالف جماعتوں سے رابطہ کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں پیپلز پارٹی سب سے بڑی جماعت ہوگی۔ سو وہ بے نظیر کے گرد گھومتے رہتے ہوں گے۔
سوال...... صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ نے کہا ہے کہ مرکز کے پاس صرف چار محکمے رہنے چاہئیں۔ کیا مسلم لیگ کی پالیسی یہی ہے؟
پیر صاحب...... وہ ابھی پورا مسلم لیگی نہیں بنا۔ لیکن رائے صاحب نے زونل فیڈریشن کی جو بات شروع کی تھی' لگتا ہے اس پر عمل شروع ہو گیا ہے۔
سوال...... لیکن کیا ایسی باتوں کے نتائج ملک کیلئے مفید ہوں گے؟
پیر صاحب...... یہ بات تو اسے سوچنی چاہئے جس کا وہ آدمی ہے۔
سوال...... موجودہ حکومت نے چاروں صوبائی وزراء اعلیٰ کے ذریعے قومی اسمبلی میں ووٹ حاصل کرنے کی جو رسم ڈالی ہے' اس پر بہت تنقید ہو رہی ہے۔ آپ کیا کہتے ہیں؟
پیر صاحب...... میں اس بات کو دوسرے انداز میں دیکھتا ہوں۔ مارشل لا دور میں یہ روایت تھی کہ اہم فیصلوں پر عمل در آمد گورنروں کے ذریعے کرایا جاتا تھا۔ اب جمہوری دور آیا ہے تو وزراء اعلیٰ نے ان کی جگہ لے لی ہے۔ مگر جوں جوں جمہوری روایات مستحکم ہوں گی' یہ رسم بھی ختم ہو جائے گی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ مرکز کے معاملات میں مداخلت کر رہے ہیں۔ میرے نزدیک یہ حق صرف مرکز کو حاصل ہے کہ وہ مداخلت کرے۔ لیکن اب جبکہ اراکین بھی ناراضی کا اظہار کر رہے ہیں اور یہ ناراضی بڑھتی جا رہی ہے تو ذمے دار افراد کو بھی اس کا علم ہو جائے گا اور وہ اسے کم کرنے کی کوشش کریں گے۔
سوال...... وہ کہتے ہیں ۱۹۷۳ء کے آئین کے تحت دی جانے والی صوبائی خود مختاری بحال کی جائے۔
پیر صاحب...... ۱۹۷۳ء کے آئین میں کوئی خود مختاری تھی ہی نہیں۔ اگر ہوتی تو پھر نظر بھی آتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان لوگوں کی سیاسی سوچ بے بنیاد ہے' ورنہ ۱۹۷۳ء کا آئین تو اب صرف لائبریری میں مل سکتا ہے۔ اب تو پاکستان پیپلز پارٹی بھی ۱۹۸۵ء کے آئین کی بات کرتی ہے۔ مسلم لیگ نے تو اسی وقت کہہ دیا تھا کہ وہ پوزیشن باقی نہیں رہی۔
سوال...... مگر آئین کو تبدیل بھی تو کیا جا سکتا ہے؟

پیر صاحب..... یہ تو جو اگلا منتخب ایوان ہو گا' یعنی مسلم لیگ کا ایوان 'اور مسلم لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے لوگ اسمبلی میں آئیں گے' وہ فیصلہ کریں گے کہ آئین کو تبدیل کرنے کی ضرورت کہاں تک ہے۔ ظاہر ہے اس کیلئے دو تہائی اکثریت درکار ہو گی۔

سوال..... آپ ابھی تک کالعدم صدر چلے آرہے ہیں۔ آپ کے حاضر سروس صدر بننے کا امکان کب اور کہاں تک ہے؟

پیر صاحب..... میں سمجھتا ہوں کہ کالعدم ہو کر میں نفع میں ہوں۔ ذمے داری کچھ نہیں۔ جسے جو جی میں آئے کہہ دے۔ اللہ تعالیٰ نے جسمانی طور پر فٹ رکھا ہے۔ لوگ سمجھیں یا نہ سمجھیں مگر جنہیں غلط فہمی ہے 'انہیں وقت آنے پر ہماری فٹ نس کا اندازہ خود بخود ہو جائے گا۔

سوال..... وزیر اعظم کے دورۂ امریکہ سے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا وہ وہاں سے اپنے کسی ساتھی کے لئے نیا باس لے کر آئیں گے؟

پیر صاحب..... دیکھو بھئی' اگر ان سلے کپڑے لانا ہیں تو انہیں ہانگ کانگ جانا پڑے گا۔ امریکہ سے تو صرف سلے سلائے ملبوسات ملتے ہیں۔ اب اگر بطور صدر مسلم لیگ اور بطور وزیر اعظم وہ کسی ایک دوست کے لئے کچھ لائیں تو ان کے خلاف عدم اعتماد ہو جائے گا۔ اندریں حالات یا تو وہ سب کے لئے لائیں گے یا نہیں لائیں گے۔

سوال..... ایک خاتون ایم این اے نے کہا ہے کہ تیس دن کے اندر اندر جماعتی بنیادوں پر دوبارہ انتخابات کرائے جائیں۔ اس بارے میں آپ کے کیا جذبات ہیں؟

پیر صاحب..... کسی بے پتا خاتون کے بارے میں میرے کیا جذبات ہو سکتے ہیں۔ پہلے نام پتا بتائیے۔

سوال..... سیدہ عابدہ حسین نے کہا ہے۔

پیر صاحب..... اس کیلئے تو ہمارے جذبات ہو ہی نہیں سکتے۔ انہوں نے غیر جماعتی انتخابات میں حصہ لیا اور منتخب ہو کر ایوان میں آنا پسند کیا۔ اب جماعتی ہوتے تو دیر لگے گی۔ انتظار کریں۔

سوال..... آپ مڈٹرم انتخابات کے بانی ہیں..........

پیر صاحب..... میں مڈٹرم کا بانی نہیں ہوں۔ میں نے یہ لفظ کبھی استعمال نہیں کیا۔ میں نے ۱۹۸۳ء میں کہا تھا کہ دعائیں اور اذانیں باری تعالیٰ کے دفتر میں جمع ہیں۔ جن کے نتیجے میں انتخابات ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۰ء کے درمیان ہوں گے۔ پھر ۱۹۸۴ء میں ہم نے کہہ دیا کہ انتخابات ۱۹۸۵ء میں ہوں گے۔ لیکن لوگ ہماری بات تسلیم کرنے کی بجائے ہم پر ہنستے رہے۔ اب آپ دیکھ لیں کہ ۱۹۸۵ء میں انتخابات تو ہو گئے۔ اس کے بعد کا معاملہ وزیر اعظم کا ہے کہ وہ کب صدر کو آئندہ انتخابات کا مشورہ دیتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ فیصلہ پارٹی کرے گی۔ لیکن ایک بات واضح رہنی چاہئے کہ وزیر اعظم تو ایک بار پھر بلا مقابلہ منتخب ہو جائے گا۔ فکر تو ان کو کرنی چاہئے جو پانچ یا سات سو ووٹوں سے جیت کر ایوان تک پہنچے ہیں۔

سوال..... اب تو آپ بھی عملی سیاست میں آچکے ہیں۔ کیا اس بات کا امکان ہے کہ آپ بھی کسی بڑے انتخاب میں حصہ لیں؟

پیر صاحب..... مجھے تو انتخاب لڑنا نہیں۔ اگر ضرورت پڑی تو پھر آٹھ یا نو ارکین کا گھیراؤ کر لوں گا اور سینٹ میں آجاؤں گا۔

سوال..... سب سے اوپر والی کرسی کیلئے انتخاب لڑنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔
پیر صاحب..... اس کرسی کے نیچے تو کبھی بم پھٹتا ہے، کبھی میزائل گرتا ہے۔ ہم بھلا اس آتش بازی کے قریب کیوں جائیں؟
سوال..... چوہے بلے کے کھیل کے بارے میں آپ کی اب کیا رائے ہے۔
پیر صاحب..... یہ کھیل ابھی جاری رہے گا۔ وقت بتائے گا کہ کھیل کب ختم ہوتا ہے ابھی ختم ہو تو ہم بھی کچھ بتائیں۔
سوال..... یہ کونسا راؤنڈ چل رہا ہے؟
پیر صاحب..... جب دو پہلوانوں کی کشتی ہوتی ہے تو راؤنڈ ز ہی ہوتی ہے اور جب تک کوئی ناک آؤٹ نہ ہو، یا میدان چھوڑ کر بھاگ نہ جائے، مقابلہ جاری رہتا ہے۔
سوال..... آپ کے خیال میں پیپلز پارٹی ضمنی انتخابات میں حصہ لے گی؟
پیر صاحب..... اب جبکہ انہوں نے "دی ریفرنڈم" سے اب تک کے معاملات قبول کر کے ایک طرح سے حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے، تو انہیں اپنی غلطیوں پر پچھتانا چاہئے اور ان لوگوں سے معافی مانگنا چاہئے جنہیں انہوں نے انتخابات میں شریک ہونے سے روکا۔ ان لوگوں کا اعتماد اب ان پر سے اٹھ گیا ہے۔
سوال..... پیپلز پارٹی اپنا جو دوسرا راؤنڈ شروع کرنے والی ہے، اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟
پیر صاحب..... رائے کیا ہونی ہے۔ باہر سے پیسے آئیں گے، لوگوں کو ملیں گے اور اس مہنگائی میں ان کے حالات سدھر جائیں گے۔ ان کارکنوں کے ساتھ ساتھ ملک کی حالت بھی بہتر ہوگی۔ کیونکہ باہر سے زر مبادلہ آئے گا۔ مجھ سے تو کوئی رائے پوچھتا نہیں۔ ورنہ ہم تو یہی کہیں گے کہ ان کی حوصلہ افزائی کرو۔ ہاں البتہ اگر کوئی توڑ پھوڑ کرے تو اسے پکڑ کے جیل میں بند کر دو۔
سوال..... سنا ہے آپ نے غلام مصطفےٰ جتوئی کو کوئی پیغام ارسال کیا تھا؟
پیر صاحب..... میں نے انہیں کوئی پیغام ارسال نہیں کیا۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ مسلم لیگ میں وہ آئیں گے جن کی ٹانگیں جیلی کی بنی ہوئی نہ ہوں۔ کیونکہ جیلی کی بنی ہوئی ٹانگوں والا کوئی شخص مسلم لیگ میں ٹک نہیں سکتا۔ مگر اس کے باوجود مجھے یقین ہے کہ ایوان میں مسلم لیگ کی اکثریت میں اضافہ ہو گا۔ لوگ جوں جوں قائل ہوتے جائیں گے، مسلم لیگ میں پکے ہوتے جائیں گے۔
سوال..... لوکل باڈیز کے اراکین کو سیاسی عناصر کی طرف سے استعفےٰ کا جو مشورہ دیا گیا ہے، اس پر آپ کی کیا رائے ہے؟
پیر صاحب..... لوکل باڈیز کے انتخابات آئندہ سال ہونے والے ہیں۔ اگر کوئی شخص ابھی سے اپنی ذمے داریوں سے سبک دوش ہونا چاہتا ہے تو اس میں کیا برائی ہے؟ اگلے برس پھر منتخب ہو جائے گا۔
سوال..... آپ کے برادر عزیز حسن محمود نے کہا ہے کہ غلام حیدر وائیں اور اقبال احمد خان کی اسناد چیک کی جائیں۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟
پیر صاحب..... برادر عزیز اپنے خاندانی وقار کے بل پر منتخب ہوتا ہے۔ اس کی سوچ اپنی ہے اور ہماری اپنی۔ اس نے مجھے کوئی مشورہ نہیں دیا۔ لیکن یہ دلچسپ بات ہے کہ وہ ایک منتخب ایوان میں موجود ہو کر بھی کالعدم نہیں، جب کہ میں کالعدم ہو چکا ہوں۔

سوال.....وہ کس طرح؟
پیر صاحب.....وہ تو ابھی تک خود کو نائب صدر کلیم کرتا ہے (قہقہہ)
سوال.....بھٹو ازم کا مقابلہ آپ کیسے کریں گے؟
پیر صاحب.....بھٹو ازم کا بٹوارا اتنا ہو گیا ہے کہ پہلے وہ آپس میں نمٹ لیں۔ پھر ہم بھی ان کے بارے میں سوچیں گے۔ ابھی تو ان کی ایک ایک صوبے میں چار چار جماعتیں ہیں۔
سوال.....امریکی صدر ریگن اور روسی صدر گورباچوف کی متوقع ملاقات کے نتیجے میں آپ پاکستان میں کوئی تبدیلی دیکھتے ہیں؟
پیر صاحب.....دیکھو بھئی، گلوبل پالیسیاں ساری دنیا پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ تبدیلی یہاں اکیلے تو نہیں آئے گی۔ پھر یہ ہے کہ کسی ایک کے کرسی سے اتر جانے یا نئے آدمی کے آ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ویسے بھی ہم حساس علاقہ ضرور ہیں، حساس ملک نہیں کہ ہمیں پریشانی ہو۔
سوال..... تحریک استقلال نے موجودہ اسمبلیوں کو فوری طور پر توڑ دینے کا مطالبہ کیا ہے۔ آپ کے نزدیک اس مطالبے کے پیچھے کون سا جذبہ کارفرما ہے؟
پیر صاحب..... ان کے پیچھے صرف ان کی سوپر سمجھ داری ہے اور کچھ بھی نہیں (قہقہہ)۔
سوال.....بے نظیر بھٹو کا کہنا ہے کہ انہوں نے اکثر چاند میں اپنے والد کا چہرہ دیکھا ہے۔ وہ یہ بھی کہتی ہیں کہ بھٹو کی قبر کی خاک سے لوگوں کے امراض دور ہو جاتے ہیں۔
پیر صاحب..... اگر اس کی مٹی میں شفا ہوتی تو میں انگلستان کی بجائے وہاں جاتا۔ رہی چاند والی بات تو یہ دوبارہ نہ کیجئے گا۔ صدر صاحب ناراض ہو جائیں گے (ہنستے ہوئے) کیونکہ وہ تو وہاں صرف میاں طفیل کو دیکھتے ہیں۔
سوال..... آپ کے نزدیک اس بات کے امکانات کہاں تک ہیں کہ بھٹو کی قبر سندھ میں ایک روحانی مرکز بن جائے؟
پیر صاحب..... مرکز تو وہ پہلے ہی بنا ہوا ہے، مگر سوال یہ ہے کہ جو اپنے گھر والوں کو بھلائی نہیں دے سکتا، وہ کسی اور کو کیا دے گا۔
سوال.....ایک طبقے کا کہنا ہے کہ مارشل لا اٹھنے کے بعد ملک عدم استحکام کا شکار ہوا ہے؟
پیر صاحب..... مارشل لا کے بعد سیاسی عمل شروع ہوا، اور جب ایسا ہوتا ہے تو اس کی کمزوریاں بھی سامنے آتی ہیں۔ مگر اس وقت جو عدم استحکام نظر آ رہا ہے، وہ جلد ہی دور ہو جائے گا، اور آج کی نرمی آہستہ آہستہ سختی میں تبدیل ہو جائے گی۔
سوال..... صدر صاحب نے کہا ہے کہ اقتدار کے بھوکوں کو اس سے محروم رکھا جائے گا۔
پیر صاحب..... مگر ہم تو یہ جانتے ہیں کہ اقتدار کے بھوکے انہی کے نام پر ایوان کا چکر لگاتے رہے، اور فخر امام کی "شہادت" میں ان کوفیوں کا ہاتھ ہے جو مضبوط مرکز سے ہو کر آتے رہے۔
سوال.....اللہ بچائیو لغاری نے کہا ہے کہ مس بے نظیر بھٹو نے ایک بار خودکشی کی کوشش کی تھی۔
پیر صاحب..... اللہ بچائیو کے اس کے گھر والوں سے ایسے تعلقات ہو سکتے ہیں کہ اسے معلوم ہو۔ مجھے معلوم نہیں۔ البتہ اس سے اُس ڈاکٹر کا نام ضرور معلوم کریں جس نے مس بے نظیر کا معدہ صاف کیا تھا۔

سوال..... جنرل عباسی نے کہا ہے کہ مس بے نظیر ایک پانچ نکاتی سمجھوتے کے تحت ملک سے باہر گئی تھیں۔
پیر صاحب..... آپ عباسی صاحب سے یہ پوچھیں کہ آپ نے اس کی ماں سے جو ملاقات کی تھی، وہ کتنے گھنٹوں کی تھی۔ اصل معاملات تو وہاں طے ہوئے ہوں گے۔ اب آپ ماں سے ہو کر بیٹی تک پہنچ گئے۔
سوال..... جنرل عباسی اور بیگم بھٹو کی اس ملاقات کے بارے میں آپ کا تاثر کیا ہے اور آپ کی اطلاع کے مطابق دونوں میں کتنی ملاقاتیں ہوئیں؟
پیر صاحب..... افواہ تو ایک ہی ملاقات کی تھی۔
سوال..... مگر معاہدہ کس سے ہوا، ماں سے یا بیٹی سے؟
پیر صاحب..... ممکن ہے بیٹی ہی سے ہوا ہو۔ مگر ہم تو یہ پوچھتے ہیں کہ ماں کے ساتھ کیا ہوا؟
سوال..... امریکی سینٹر سولارس کی مس بھٹو سے حالیہ ملاقات پر آپ کا کیا تبصرہ ہے؟
پیر صاحب..... وہ چونکہ اس علاقے میں سپیشلائز (تخصیص) کر رہا ہے، اس لئے سب سے ملتا پھرا۔ مجھ سے بھی ملنا چاہتا تھا، مگر وقت طے نہ ہو سکا۔ لیکن اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔ اگر کوئی اہم معاملہ ہوتا تو اس کے آنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ امریکی سفیر اس سے بہتر طور پر معاملہ کر سکتے تھے۔
سوال..... اگر فخر امام کے ۷۲ ساتھی اسمبلی سے مستعفی ہو جائیں تو کیا صورت بنے گی؟
پیر صاحب..... ہم سے تو کسی نے استعفے کے سلسلے میں مشورہ نہیں کیا، اور محمد خان نے کچھ کہا نہیں۔ ان سے کہو وہ استعفا دیں۔ لیکن میں آپ کو بتا دوں، ان کی یہ غلط فہمی، غلط فہمی ہی رہے گی۔ بلکہ اگر موجودہ سپیکر کا نام پہلے سے بتا دیا جاتا تو شاید ان کے حق میں ۷۲ ووٹ بھی پورے نہ ہوتے۔
سوال..... کہا جا رہا ہے کہ روس کے ایٹمی مرکز کی تباہی سے پیدا شدہ تابکاری پاکستان کو بھی متاثر کر رہی ہے۔
پیر صاحب..... دیکھو بھئی، ہمارے ہاں اور قسم کی تابکاری ہوتی ہے اور ہو رہی ہے۔ برسات کے دنوں میں جھولے چلیں نہ چلیں، بھنگڑے ضرور ہوں گے، ہو جمالو ضرور ہو گی۔ تابکاری بہت قسم کی ہوتی ہے۔ ہم اس قسم کی تابکاری سے گزر رہے ہیں جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ یعنی ہو جمالو اور بھنگڑے شروع اور سڑکیں بند۔ یہاں اگرچہ کارنیوال کا دستور نہیں مگر اب کی بار اس تابکاری کے نتیجے میں یہ بھی شروع ہونے کو ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ شروع ہو رہا ہے تو ٹھیک ہی ہے۔
سوال..... آپ کے خیال میں یہ تابکاری آئندہ خزاں تک عروج پر پہنچ جائے گی؟
پیر صاحب..... میرے خیال میں عید کے بعد ڈیڑھ دو ماہ عید ملن کے نام پر دعوتیں ہوں گی، اور بڑی عید پر قربانی کیلئے بکرے تیار کئے جائیں گے۔ پھر جو قربانی کے بکرے قدرت کی طرف سے الاٹ کئے جائیں گے، وہ قربان ہو جائیں گے۔ مگر پہلے کھلائی پلائی کا دور ضرور آئے گا۔
سوال..... پنجاب کے وزیر اعلیٰ نے کہا ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے زرعی ٹیکس نہیں لگ سکتا۔
پیر صاحب..... یہ پہلا صنعت کار ہے جو انڈسٹری کی بجائے زراعت کے لئے سوچتا ہے۔ میری دعا ہے کہ باقی صنعت کار بھی اسی طرح سوچیں اور ٹیکس دیں، جس سے زرعی شعبے کو فائدہ پہنچے۔ مگر اس بجٹ میں تو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ وزیر اعلیٰ پنجاب کے اب بولنے کا کیا فائدہ؟ پہلے بولتا تو کوئی بات بھی تھی۔ اب بجٹ کے بعد تو میں بھی بول سکتا ہوں۔ خیر، اگلے برس دیکھیں گے۔
پیر صاحب..... مس بے نظیر بھٹو نے کہا ہے کہ بجٹ میں دی گئی رعایات محض ان کے جلسے جلوسوں کی وجہ سے

ہیں۔
پیر صاحب...... میرے خیال میں تو یہ رعایات تیل کی قیمت میں کمی کا نتیجہ ہیں۔
سوال...... جنرل ٹکا خان نے کہا ہے کہ ملک میں کوئی تحریک نہیں چلائی جا رہی ہے۔
پیر صاحب...... ریٹائرڈ فوجی میرے اور جتوئی صاحب کے مقابلے میں جی ایچ کیو کے کہیں زیادہ نزدیک ہوتا ہے۔
سوال...... غلام مصطفےٰ جتوئی نے کہا ہے کہ مس بے نظیر بھٹو کنفیڈریشن کی حامی ہیں۔
پیر صاحب...... جب ان دونوں میں سے کوئی میرے ساتھ بات کرے گا تو کچھ عرض کر سکوں گا۔
سوال...... حاجی سیف اللہ نے کہا ہے کہ حکومت موجودہ منتخب ایوانوں کو اپنے قبضے میں رکھ کر چلانا چاہتی ہے۔
پیر صاحب...... ہر حکومت جیسے چلتی ہے' ویسے ہی یہ بھی چل رہی ہے۔ اور پیپلز پارٹی کے "عوامی جمہوری" ایوان سے تو بہتر ہی چل رہی ہے۔
سوال...... قومی اسمبلی کے آزاد گروپ کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ اس کے بعض اراکین ایوان سے باہر کی سیاسی جماعتوں سے روابط کے بارے میں غور کر رہے ہیں؟
پیر صاحب...... جو سیاسی جماعتیں باہر موجود ہیں' وہ تو انہیں تسلیم نہیں کرتیں۔ ان حالات میں انہیں وہاں سے کیا ملے گا؟ ایک ہم ہی تھے جو انہیں تسلیم کرتے تھے اور ابھی تک کرتے چلے آ رہے ہیں۔
سوال...... میر ظفر اللہ خان جمالی نے کہا ہے کہ حکومت یک جماعتی نظام کی طرف بڑھ رہی ہے اور اسمبلی سے باہر بھی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہتی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اب صدر ضیاء الحق کی امپیچمنٹ (مواخذہ) کا معاملہ بھی اسمبلی کے سامنے لایا جا سکتا ہے۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟
پیر صاحب...... جمالی صاحب سے میری اتنی بے تکلفی نہیں ہے کہ یہ عرض کر سکوں کہ وہ کس سوچ کے مالک ہیں اور سوچ بھی اپنی ہے یا پرائی۔ لیکن بظاہر تو وہ پڑھا لکھا ہی لگتا ہے۔ اب اگر ایوان ایک پارٹی بنانا چاہتا ہے تو اس میں محمد خان کا کیا قصور؟ جمالی کو چاہئے کہ اگر روک سکتا ہے تو اسمبلی کو روک لے۔ رہا اسمبلی سے باہر طاقت کے اظہار کا مسئلہ تو یہ پارٹیوں کا کام ہے اور مسلم لیگ بھی ایک سیاسی پارٹی ہے۔ جہاں تک امپیچ کرنے کی بات ہے تو یہ آزاد گروپ والوں سے پوچھیں کہ ان کے آئندہ کیا ارادے ہیں۔ مکا بھی وہی ماریں گے جو گدگدی کرتے ہیں۔ ہم کیوں امپیچ کریں۔ ہم تو میز پر بیٹھ کر صدر صاحب سے بات کر سکتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ تحریک استحقاق پر کوئی بولا نہیں۔ اب بولیں گے۔ مگر یہ جمہوری عمل کا حصہ ہے امپیچمنٹ کیلئے کم از کم ساٹھ آدمی چاہئیں۔ اب یہ ان کے سوچنے کی بات ہے کہ بہتر اراکین جو اکٹھے کئے تھے' وہ انہیں کھو کیسے بیٹھے ہیں؟
سوال...... غلام مصطفےٰ جتوئی نے بھی فوری انتخابات کی بات کی ہے؟
پیر صاحب...... انہیں چاہئے کہ وہ اپنے حلقے میں انتخابات کرا لیں اور اپنے قومی یا صوبائی اسمبلی کے رکن سے استعفا دلا کر ان کی جگہ خود منتخب ہو جائیں۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔
سوال...... بھارتی وزیر اعظم راجیو گاندھی نے اپنے صدر کے خیر سگالی دوروں کے سوا ہر قسم کے غیر ملکی دوروں پر پابندی لگا دی ہے۔ آپ کے خیال میں اس بات کا کہاں تک امکان ہے کہ یہاں بھی خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑ لے؟
پیر صاحب...... یہاں کے خربوزے کو رنگ پکڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہاں کے خربوزے تو پہلے ہی رنگیلے ہوتے ہیں۔ مگر منطق اسی میں ہے کہ صدر محض خیر سگالی دوروں ہی پر جائے اور باقی معاملات ملک کے انتظامی سربراہ پر

چھوڑ دیئے جائیں۔

سوال...... *مسلم لیگ میں کسی ریٹائرڈ جنرل کی کوئی ضرورت ہے؟*

پیر صاحب...... کالعدم مسلم لیگ میں کسی ریٹائرڈ جنرل کی کوئی ضرورت نہیں۔

سوال...... *صدر کے ساتھ آپ کے تعلقات آج کل کیسے ہیں؟*

پیر صاحب...... دراصل ہمارے لوگوں کو صدر کے بارے میں شاید پوری طرح علم ہی نہیں۔ وہ صدر کے ساتھ بھی وہی سلوک کرنا چاہتے ہیں جو کسی عام رکشے والے' تانگے والے' اخبار والے یا پیر پگارا کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ حالانکہ صدر کا مقام ہی اور ہے' اور اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اگر صدر کے ساتھ کچھ کرنا ہے تو یہ تحریک استحقاق سے نہیں ہو گا۔ صدر کی تو صرف امپیچمنٹ ہو سکتی ہے۔ باقی رہیں افواہیں' تو یہ ان لوگوں نے پھیلائی ہیں جن کو یہ بھی پتا نہیں کہ حاکم اور رعایا کے تعلقات کیا ہوتے ہیں۔ سربراہ مملکت کے ساتھ کسی کے بھی ذاتی تعلقات نہیں ہوتے کیونکہ وہاں تو محض میٹر آف پالیسی ہوتا ہے۔ ہم اس بات کو سمجھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے تعلقات خوشگوار ہیں۔ ہم جب بھی ان کے پاس جاتے ہیں' وہ مسکرانے لگتے ہیں' اور ہم سوچنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کی مسکراہٹ ختم نہیں ہوتی اور ہماری سوچ ختم نہیں ہوتی۔ غرض وہ مسکراتے رہتے ہیں' ہم سوچتے رہتے ہیں۔ اور اسی طرح ملاقات ختم ہو جاتی ہے۔



بلا اور بورا

۳ جولائی ۱۹۸٦

اسلام آباد

سینیٹر شاہ مردان شاہ پیر آف پگارا نے کہا ہے کہ سال رواں میں انتخابات کے انعقاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور آیندہ جو الیکشن ہوں گے ' ان میں صرف مسلم لیگ ہی مسلم لیگ کامیاب ہو گی۔ تاہم انتخابات کے وقت کا تعین موجودہ حکومت کے ارباب بست و کشاد کریں گے کیونکہ انہیں عوام نے اعتماد کا ووٹ دیا ہے۔

پارلیمنٹ ہاؤس کے کیفے ٹیریا میں اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے پیر صاحب پگارا نے کہا کہ انتخابات ۱۹۹۰ء کے بعد تک بھی ملتوی ہو سکتے ہیں کیونکہ موجودہ ایوان عوام کے منتخب نمایندوں پر مشتمل ہے اور اس میں موجود اراکین عوام کے اعتماد کے حامل ہیں ' جبکہ ہمارے ملک میں روایت یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں بننے والی اسمبلی ۱۹۵۴ء تک چلتی رہی اور جنرل ضیاء الحق جو نوے دن کے لئے آئے تھے ' نوے ماہ تک جمے رہے۔ اندریں حالات اس امکان کو مسترد نہیں کیا جا سکتا کہ موجودہ حکومت کے پانچ سال بھی طوالت اختیار کر جائیں۔ ۱۹۸٦ء میں انتخابات کی باتیں کرنے والوں کو کراچی ریس کورس کے انتخابات پر گزارا کر لینا چاہیئے. کیونکہ اس سال تو وہی منعقد ہو سکتے ہیں ' البتہ بلدیاتی انتخابات اگلے سال ہوں گے۔

انہوں نے کہا کہ پانچ جولائی کو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے اجلاس شاید اسی لئے نہیں بلائے جا رہے کہ اگر کوئی یوم سیاہ والا ایوان میں موجود ہو تو اس کی غیر حاضری محسوس نہ ہو سکے۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا کہ اخبار والے انہیں اندھیرے میں لاٹھیاں چلانے پر مجبور کر دیتے ہیں ورنہ پانچ جولائی کو کوئی گڑبڑ نہیں ہو گی ' اور گڑبڑ کی پیدائش ہوتا ہے۔ اس وقت بھی مشرقی پاکستان کی گڑبڑ کی پیدائش لوگ گڑبڑ کا انتظار کر رہے ہیں اور توقع کرتے ہیں کہ گڑبڑ ہی میں کچھ بنے گا۔

پیر صاحب سے استفسار کیا گیا کہ گزشتہ شب رات گئے ایم آر ڈی کے ایک لیڈر ان سے ملنے آئے تھے۔ پیر صاحب نے جواب دیا کہ ہمارے دوست ہمیں ملتے رہتے ہیں مگر دن کو وہ کام میں مصروف ہوتے ہیں اور رات کو میں اپنے کام میں مصروف ہوتا ہوں۔ لوگوں سے رات کے دو تین چار بجے ملنا میرے توڑ پھوڑ کے پروگرام کا حصہ ہے مگر میری توڑ پھوڑ صرف سیاسی ہوتی ہے ' اور ہم اپنے دوستوں کو وہاں سے توڑ کر ساتھ لے آئیں گے۔ ایم آر ڈی کا یہ لیڈر بہادر تھا وہ رات سے قبل دن دہاڑے بھی ملنے آیا تھا۔

امریکی سفارت خانے کے پولیٹیکل شعبے سے تعلق رکھنے والے ایک سفارتی رکن سے اپنی ملاقات پر تبصرہ کرتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ مجھے جو لوگ ملے وہ اعلیٰ درجے کے نہیں تھے' یہ تو ریوڑیاں بھی نہیں بانٹ سکتے۔ اس سوال کے جواب میں کہ آپ نے جو آدمی ادھار دیا تھا' اب اس کا کیا حال ہے؟ پیر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا کہ اب بھی وہ آدمی مسلم لیگ کا ہے مگر صدر صاحب کا وزیر اعظم ہے' اور اس کے سود کی کیفیت کا اندازہ اس سے کر لیں کہ مسلم لیگ حکومت پر قابض ہو گئی ہے اور اصل زر ابھی باقی ہے۔

بے نظیر بھٹو کی طرف سے یوم سیاہ منانے کی اپیل پر تبصرہ کرتے ہوئے پیر صاحب نے کہا "جس کے نصیب ہی میں ماتم ہو' ہم اس کا کیا کر سکتے ہیں" ۔ پیپلز پارٹی کے مجوزہ لانگ مارچ کے بارے میں انہوں نے کہا کہ لانگ مارچ دو ہی تھے 'ایک ماؤزے تنگ کا اور دوسرا پی این اے کا۔ اس کے بعد کوئی لانگ مارچ نہیں ہو گا۔ اس لانگ مارچ میں غلام مصطفیٰ جتوئی کی ممکنہ شرکت کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ جتوئی ہمارے دوست ہیں مگر ان کی ٹانگیں لانگ مارچ کے لائق نہیں۔ جو اپنوں کا سامنا نہیں کر سکتا' وہ بھلا پوری قوم کا سامنا کیسے کرے گا۔ اور اگر اس نے کیا بھی تو بے نظیر کے خلاف لانگ مارچ کرے گا اور وہ صرف "شارٹ لانگ مارچ" ہو گا۔

مسٹر جتوئی کی زیر قیادت بننے والی ممکنہ قومی حکومت کے امکان پر تبصرہ کرتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ مسلم لیگ کو پارلیمنٹ میں واضح اکثریت حاصل ہے اور جتوئی صاحب کو تو آزاد گروپ نے بھی نہیں اپنایا۔ تاہم اگر وہ اپنا بھی لیں تو بھی اکثریت ان کی نہیں ہو گی اور وزیر اعلیٰ کی طرح وزیر اعظم کو انتخابی کامیابی کے بغیر نامزد نہیں کیا جا سکتا۔ اب اراکین مسلم لیگی ہیں جب کہ آئندہ مسلم لیگ بطور جماعت منتخب ہو کر آئے گی کیونکہ مسلم لیگ باشعور لوگوں کی جماعت ہے اور ہر باشعور آدمی کا مجھ سے اور مسلم لیگ سے تعلق ہے۔ انہوں نے کہا کہ بلے اور چوہے کی کہاوت بے شعوروں کے لئے معما ہے مگر پڑھے لکھے اس کا مفہوم جانتے ہیں۔ اور وقت آنے پر پتا چل جائے گا کہ واقعی کوئی بلا بھی تھا اور چوہا بھی۔ پارلیمنٹ ہاؤس میں گزشتہ دنوں پکڑی جانے والی بلی کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ اسے کوئی سمجھ دار آدمی لایا ہو گا کہ چوہے کو تلاش کرے اور چوہا اگر ہے تو مارا جائے۔ مگر حالات ایسے ہیں کہ بلی پکڑی گئی۔ اب یہ نہیں معلوم کہ اسے بورے میں بند کیا گیا یا ویسے ہی باہر پھینک دیا گیا۔ جب انہیں یہ بتایا گیا کہ اس بلی نے آخر کار سینٹ کے ایوان میں پناہ لی تھی تو پیر صاحب نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا' "ہم تو بہت سے لاوارثوں کے مائی باپ ہیں"۔

صدر مملکت کے ایک حالیہ بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ موجودہ اراکین کو عوام نے منتخب کیا ہے اور ان کا قائم کردہ نظام دھڑام سے نہیں گر سکتا۔ مگر چونکہ آج کل دھماکوں کا دور ہے' اس لئے کہیں نہ کہیں دھڑام ضرور ہو گا' اور اس کا اندازہ خود صدر صاحب کو بھی ہو گا۔ آٹھ جولائی کو پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں صدر مملکت کے متوقع خطاب پر تبصرہ کرتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ وہ ایوان کے موڈ کو دیکھ کر اپنی مرضی کے مطابق تقریر کریں گے اور اس سلسلے میں وہی بتا سکتے ہیں کہ ان کا ارادہ کیا ہے۔ کیونکہ میں تو

نہ ان کی تقریر لکھتا ہوں، نہ مشورہ دیتا ہوں اور نہ اسے منظور کرتا ہوں۔ پیر صاحب سے استفسار کیا گیا کہ کیا مسلم لیگ ہم خیال جماعتوں سے اتحاد کرے گی، تو انہوں نے جواب دیا کہ اس وقت ایوان میں حاجی بابا (حنیف طیب) پہلے ہی مسلم لیگ کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ اور پروفیسر غفور میرے ساتھ ہیں جبکہ میاں طفیل جنرل صاحب کے ساتھ ہیں۔ اندریں حالات آپ ہی بتائیے کہ علیحدہ کون ہے؟

تحریک استقلال اور اصغر خان کے بارے میں مختلف سوالات کا جواب دیتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ ان میں تحریک ہی تحریک ہے، استقلال نہیں، اور وہ بھٹوازم کے خلاف نہیں، کرسی کے لئے لڑ رہے ہیں، جو انہیں نہیں ملے گی۔ البتہ اپنے گھر کے لاؤنج میں یا صدر صاحب کے سامنے والی کرسی پر وہ ضرور بیٹھ سکتے ہیں۔ وزیر اعظم کے دورہ امریکہ کے بارے میں سوالات کا جواب دیتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ یہ دورہ ضرور کامیاب ہو گا کیونکہ اس قسم کے دورے کبھی ناکام نہیں ہوتے۔ ویسے بھی وہ بسم اللہ پڑھ کر جہاز میں بیٹھے گا۔ بے نظیر بھٹو کے بارے میں مختلف سوالات کے جواب میں پیر صاحب نے کہا کہ وہ صدر صاحب کی لندن سے آئی ہوئی مہمان ہے جو اپنی معلومات میں اضافہ کر رہی ہے۔ جب اس کی معلومات مکمل ہو جائیں گی تو ہو سکتا ہے وہ آرام سے واپس چلی جائے۔



شریعت بل نامنظور

۴جولائی۱۹۸۶

اسلام آباد

شاہ مردان شاہ پیر آف پگارا نے کہا ہے کہ شریعت بل کی منظوری پاکستان میں ایک سے زائد شریعتوں کی راہ ہموار کرنے کا حرف آغاز ہو گا۔ ہم ہر قیمت پر اس کی مزاحمت کریں گے اور فرقوں کے نام پر پاکستان کو تقسیم کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ آج دوپہر اسلام آباد کے بلوچستان ہاؤس کی ایک ضیافت میں خصوصی بات چیت کرتے ہوئے پیر پگارا نے کہا کہ وہ واحد مسلم لیگی ہیں جو شروع سے ملائیت کے خلاف رہے اور جنہوں نے ایک سے زائد شریعتوں کی مخالفت کی۔ مگر جنرل ضیاء الحق نے دو شریعتوں کی بات کی جس کے بعد یہ سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ صرف مودودی ازم اور اہل حدیثوں کی شریعت ہی پر عمل کیوں کیا جائے؟ انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں کہا "اگر یہی انداز ہیں تو پھر میری اور میرے چھوٹے بھائی نورانی میاں کی شریعت کو کیوں نظرانداز کیا جائے اور اسے کیوں قابل عمل نہ سمجھا جائے' جبکہ ملک میں ہمارے قادری' نقشبندی سلسلوں سے تعلق رکھنے والے کروڑوں مسلمان اس شریعت کے حامی ہیں ؟

پیر صاحب نے انتہائی درد بھرے لہجے میں کہا کہ برائے خدا پاکستان میں دین کے نام پر اتنی تقسیم نہ کی جائے کہ جس کے نتیجے میں اب کی بار ملک کے دین کے نام پر ٹوٹنے کا خدشہ پیدا ہو جائے۔ انہوں نے کہا کہ میرے وقت میں مسلم لیگ کی پالیسی یہ تھی کہ آخری خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ' کے دور کے نظام عدل اور نظام مال کو عمل میں لایا جائے۔ تاہم ہو سکتا ہے کہ مسلم لیگ نے اب یہ پالیسی تبدیل کر دی ہو اور اس سلسلے میں مسلم لیگ کے صدر اور جنرل سیکرٹری سے پوچھا جانا چاہیئے کہ اب ملک میں کتنی شریعتیں نافذ کی جائیں گی۔ پیر صاحب نے کہا کہ اب ملک میں مارشل لا کبھی نہیں لگ سکتا اور نو سال یا پندرہ سال بعد بھی جماعتی انتخابات تو ہو سکتے ہیں' مگر مارشل لا کے نفاذ کی راہیں ہموار کرنے والوں کو صرف ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا' اور مس بے نظیر اور ان کی پارٹی کبھی کامیاب نہیں ہو گی۔

انہوں نے کہا کہ ۱۹۸۳ء میں جتوئی صاحب کو سامنے لایا گیا' ۱۹۸۶ء میں بیٹی آئی اور اب شاید والدہ محترمہ آئیں گی۔ تاہم ان کی آمد کے وقت کا تعین وہی کرے گا جس نے سمجھوتا کر کے انہیں ملک سے باہر بھیجا۔ اب وہ انہیں سمجھوتا کر کے واپس لائے گا۔ مگر اس سلسلے میں رازہائے سربستہ نہ صرف جنرل عباسی کو ہی معلوم ہیں بلکہ ہمارے پاس بھی ان کی مکمل تفصیل موجود ہے۔ مگر ہم اسے افشا نہیں کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ مس بے نظیر

بھٹو یا ان کی والدہ کی کی آمد سے ان کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ تاہم اب کی بار ان کی آمد کا اثر سندھ کی بجائے پنجاب قبول کرے گا کیونکہ سندھ میں پہلے ہی دوبار کافی گھسائی پسائی ہو چکی ہے اب کی بار یہ رگڑا پنجاب کو سہنا پڑے گا۔ انہوں نے کہا کہ جس طرح ۱۹۷۷ء کی اسمبلی اپنی مدت سے کہیں زیادہ دیر تک چلی تھی' اسی طرح موجودہ اسمبلی بھی ۱۹۹۷ء تک چل سکتی ہے' جس کے بعد جماعتی بنیادوں پر الیکشن ہوں گے' اور یہ الیکشن مسلم لیگ کی کامیابی کے مظہر ہوں گے۔

انہوں نے کہا کہ پہلے مارشل لا اس لئے لگتے رہے کہ بعض ناواجب کام بھی روا رکھے گئے۔ مگر اب ایسا کوئی امکان نہیں اور نہ موجودہ حکومت ایسے حالات پیدا ہونے دے گی جو کسی نئے مارشل لا پر منتج ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ موجودہ حکومت کے استحکام سے گھبرا کر بیرونی مہمانوں کو بلایا جا رہا ہے لیکن مسلم لیگیوں کے اتحاد نے ان کی توقعات پر پانی پھیر دیا ہے' اور ہم نے تو ان کے آنے سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اب ملک میں بیگمات کا کھیل نہیں چلے گا اور ملک پر مسلم لیگ حکومت کرتی رہے گی۔ پیپلز پارٹی کے یوم سیاہ کے جواب میں مسلم لیگ کے ممکنہ یوم سفید کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے پیر صاحب پگارا نے کہا کہ مسلم لیگ کا ہر دن یوم سفید ہے کیونکہ یہ شعوری لوگوں کی جماعت ہے۔ انہوں نے کہا کہ لندن کے مہمان کے ساتھ اس کے میزبان کے چلے جانے کا کوئی امکان نہیں کیونکہ میزبان مہمانوں کے ساتھ گھر چھوڑ کر نہیں جایا کرتے۔ یوں بھی ابھی تو دونوں گھروں پر میزبان کا قبضہ ہے اور ہمیں ان کے گھر میں رہنے کی خواہش نہیں۔ پھر کسی اور کے لئے اسے خالی کیوں کرائیں؟ پیر صاحب نے کہا کہ جنرل ٹکا خان جو بات بھی کریں' اسے غلط سمجھا جانا چاہیئے کیونکہ ریٹائرڈ جنرل بہرحال جی ایچ کیو کا آدمی ہوتا ہے تا آنکہ وہ مسلم لیگی ہو جائے۔ پیر صاحب نے کہا کہ مسلم لیگ اپنے عہد حکومت میں ۱۹۵۴ء سے لیکر اب تک کی تمام حکومتوں کا احتساب کرے گی اور اس بات کا حساب لیا جائے گا کہ پاکستان کا ستیاناس کیوں کیا گیا۔ جب مسلم لیگ کی حکومت بنے گی تو وہ موجودہ آئین کو پاکستانی اور اسلامی بنانے کے لئے اس میں بھی ترامیم کرے گی اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے اپنے رفقا سے کہہ دیا تھا کہ جنرل صاحب جو کچھ کہتے ہیں' اسے منظور کر کے جان چھڑواؤ کیونکہ نیا ایوان اپنے نظریات کے مطابق ان ترامیم کو رکھنے یا مسترد کرنے کا فیصلہ کرے گا۔ موجودہ ترامیم تو محض پانچ سال کی بات ہے اور قومی معاملات میں ۵ سال کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

پیر صاحب نے کہا کہ وہ مس بے نظیر بھٹو کی لندن واپسی کے انتظار میں ہیں تاہم انہیں اتنی جلدی نہیں کیونکہ اب کی بار وہ وہاں آرام سے رہنے کے لئے جائیں گی۔ انہوں نے کہا کہ میری مس بھٹو سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی' البتہ بالواسطہ تعلقات تو ہوتے ہی ہیں۔ وہ آج تک کسی کے ساتھ اپنے وعدے پر پوری نہیں اتریں۔ ابھی تو ان کے ساتھ منطق اور دلیل کی بات کی جا رہی ہے لیکن اگر انہوں نے سمجھ داری کا مظاہرہ نہ کیا تو "ٹروجن ہارس" کا وقت بھی آسکتا ہے۔ مس بھٹو کی طرف سے بعض وزرا پر ملک سے باہر روپیہ بھیجنے کے الزام پر تبصرہ کرتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ اگر کوئی وزیر ایسا کر رہا ہے تو بے بی کے والد مرحوم کے نقش قدم پر ہی چل رہا ہے' کیونکہ جو روپیہ وہ باہر سے لا رہی ہیں' ان کے والد کے دور ہی میں باہر بھیجا گیا تھا اور نہ وہ خود تو اتنی کمائی

کسی طریقے سے بھی نہیں کر سکتیں۔ پیر صاحب کو بتایا گیا کہ مس بے نظیر نے گزشتہ روز کراچی میں امریکی قونصل سے ملاقات کی ہے اور وزیر اعظم کے دورے سے قبل اس ملاقات کو خصوصی اہمیت دی جارہی ہے۔ پیر صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا کہ محمد خان تو صدر ریگن سے ہاتھ ملانے جارہا ہے اور وہ قونصل جنرل سے ہاتھ ملا کر خوش ہو رہی ہیں۔ اسی سے ان کی خوشی کے معیار کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ بہت عرصہ بعد ملک میں جمہوری حکومت قائم ہوئی ہے اور اکثریت کا لیڈر امریکی دورے پر جارہا ہے۔ اسے وہاں جو عزت ملے گی اس سے اس کی پالیسیوں کو زیادہ وزن میسر آئے گا۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ یہ خارجہ پالیسی موجودہ حکومت کو ورثے میں ملی ہے اور اس میں جو تبدیلیاں لانا ہوں گی وہ آہستہ آہستہ ہی آئیں گی۔ پروفیسر غفور احمد کے ایک بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ ۱۹۷۷ء میں پیپلز پارٹی کی حکومت نے مذاکرات کو بے جا طوالت دی تھی اور سمجھوتے کا جو آخری مسودہ ۴ جولائی ۱۹۷۷ء کی دوپہر تیار ہوا تھا' اسے بھی پی این اے نے مسترد کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ کوئی متفق علیہ سمجھوتا وجود ہی میں نہیں آیا تھا ورنہ میاں طفیل مارشل لا کا استقبال کیوں کرتے۔ انہوں نے کہا کہ ایم آر ڈی کا کوئی مستقبل نہیں اور ہم نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس سے کسی کی مرادیں پوری نہیں ہوں گی کیوں کہ ان کا آپس میں کوئی لگاؤ نہیں اور سب کی پالیسی مختلف ہے۔ ایم آر ڈی نواب زادہ نصر اللہ خان اور نصرت بھٹو نے مل کر بنائی تھی۔ ان سے پوچھیں کہ انہوں نے کس کے کہنے پر اسے تشکیل دیا' الیکشن کا بائیکاٹ کرایا اور تحریک چلوائی۔

پیر صاحب نے جماعت اسلامی کے اس مئوقف کو مسترد کر دیا کہ دھماکوں سے حکومت کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ دھماکوں سے صرف جماعت اسلامی کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ تاکہ اسے مہاجروں میں اپنی معتبری قائم رکھنے کا موقع ملے اور لوٹ مار کے مواقع میسر آتے رہیں۔ پیر صاحب نے کہا کہ بلے اور چوہے کے کھیل کا دوسرا راؤنڈ ستمبر تک چلے گا اور ۸ جون کے بعد صرف اڑھائی ماہ کے اندر باری تعالیٰ چوہے کو کامیاب کر کے دکھادے گا۔ کیونکہ اس کی تائید و نصرت کے اظہار اور ثبوت کے لئے چوہے کا جیتنا ضروری ہے۔ پیر صاحب نے کہا کہ ایم آر ڈی کے مختلف سیاسی لیڈروں سے ہماری ملاقاتیں جاری ہیں اور ہماری سیاسی توڑ پھوڑ کی پالیسی آخر کامیاب ہو کر رہے گی۔ انہوں نے کہا کہ مس بے نظیر کی آمد سے اتنا فائدہ ضرور ہو رہا ہے کہ مسلم لیگ میں اتحاد بڑھ گیا ہے اور پتا چل گیا ہے کہ کون کس کے ساتھ ہے۔



ہاتھ کہاں پھرا

۷۔ جولائی ۱۹۸۶
اسلام آباد

شاہ مردان شاہ' پیر آف پگارا نے کہا ہے کہ نویں آئینی ترمیمی بل کی موجودگی میں شریعت بل کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بل جماعت اسلامی نے محض اپنی دکان چمکانے کے لئے پیش کیا ہے۔ آج شام سینٹ ہال سے ملحق کیفے ٹیریا میں ایک انٹرویو دیتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ جماعت اسلامی اور پیپلز پارٹی ملک میں ہنگامہ آرائی اور افراتفری کی کیفیت پیدا کرنا چاہتی ہیں اور شریعت بل کے نام پر گالی گلوچ کا سلسلہ شروع کرنے والے کسی طور پر اس ملک اور دین اسلام سے مخلص نہیں ہو سکتے' کیونکہ اگر کسی قانون کے بارے میں اعتراض ہے تو انہیں شریعت کورٹ سے رجوع کرنا چاہئے تھا۔ مگر بدقسمتی سے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف وہی مسلمان ہیں اور ان کے سوا سب لوگوں کا دین مشکوک ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج قومی اسمبلی کے باہر جو ہنگامہ کیا گیا وہ صرف ملاؤں کی بالادستی کے لئے تھا اور اس سے علماء حق کا وقار مجروح ہو گا۔ ہم اسلام کے پیروکار ہیں اور علما کو انبیاء علیہم السلام کی وراثت سمجھتے ہوئے ان کا قلبی احترام کرتے ہیں' مگر ملاازم کو کسی بھی صورت قابل قبول قرار نہیں دیا جاسکتا آج کے مظاہرے کے بعد ملک میں ملایت کی رہی سہی قدر بھی ختم ہو جائے گی کیونکہ عوام بجا طور پر استفسار کریں گے کہ دین کے نام پر گالی گلوچ کہاں کا اسلام ہے۔

انہوں نے کہا کہ پاکستان میں آیندہ دو ماہ بہت دلچسپ اور اہم واقعات سے بھرپور ہوں گے اور ملک میں بعض اہم تبدیلیاں رونما ہوں گی۔ پیر صاحب نے کہا کہ آج ان کے خلاف جو ہنگامہ آرائی ہوئی' وہ صدر مملکت کے ایما پر کی گئی کیونکہ انہوں نے اراکین پارلیمینٹ پر دباؤ ڈالنے کے لئے انگیخت کی تھی۔ یہ مظاہرہ کمزور اس لئے رہا کہ صدر صاحب نے اسے "فرض" کی بجائے محض "واجب" قرار دیا تھا۔ فرض کا حکم تو وہ صرف اپنی برادری ہی کو دے سکتے ہیں اور باہر ملک میں تو ان کے کہنے پر کوئی نوافل کے لئے بھی تیار نہیں۔ پیر صاحب نے کہا کہ وہ فوج والوں اور طلبا دونوں سے دور رہتے ہیں کیونکہ ان دونوں طبقوں میں دلیل کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ مگر بدقسمتی یہ ہے کہ ان سے مکمل گریز بھی ممکن نہیں کیونکہ ایک حکومت کرتا ہے اور دوسرا ننگ کرتا ہے۔ پیر صاحب نے کہا کہ آج جو گالی گلوچ ہوئی' وہ محض توڑ پھوڑ کی سیاست کو رائج کرنے' مارشل لا کے تسلسل کو برقرار رکھنے اور موجودہ عوامی جمہوری عمل کو ختم کرنے کی ایک سازش کا حصہ ہے کیونکہ اس ہنگامہ آرائی کے ذمے دار افراد

احتساب کے اس عمل سے ڈرتے ہیں جس سے ہم انہیں گزار کر رہیں گے۔ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ انہیں تو احتساب کرنے کا حق حاصل ہو، مگر کوئی اور ان کا احتساب نہ کرے۔

پیر صاحب نے کہا کہ دین کے نام پر مسلمانوں کو ٹکڑیوں میں بانٹنے سے یہ ملک ٹوٹ جائے گا اور کسی کو بھی کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ عوام یہ ضرور سوچیں گے کہ آج کی تحریک کے لئے "کال" کس نے دی تھی، اور یہ ظاہر ہے کہ یہ کام ہمارے کمانڈر انچیف نے کیا تھا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ جو دباؤ ایوان پر ڈالنا تھا، وہ مجھ پر پڑ گیا۔ لیکن عوام اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ جنرل صاحب اپنے لندن سے بلائے گئے مہمان اور آج کی تحریک کے ذریعے کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں آج ہمیں اسلیئے گالی دی گئی کہ ہم دین اور دینداروں کے ٹکڑیوں میں بانٹے جانے کی مخالفت کرتے ہیں اور لندن کی مہمان اس لئے گالی دیتی ہے کہ ہم ان کے والد کی "جمہوریت" کو اپنانے کے لئے تیار نہیں، جس میں قتل وغارت، توڑ پھوڑ اور ہر قسم کی غیر قانونی حرکت جمہوریت کے نام پر انتہائی غیر جمہوری انداز میں کی جاتی رہی ۔ لوگ ان کے والد کے عہد کو بھولے نہیں۔ جہاں تک مجھے گالی دینے کا تعلق ہے تو جماعت اسلامی کے ساتھ میری "انڈرسٹینڈنگ" تھی کہ ہم ایک دوسرے پر فائر نہیں کھولیں گے۔ لیکن آج میری عدم موجودگی میں میرا پتلا جلا کر انہوں نے مجھے سپرد آتش کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس کے جواب میں، میں انہیں سپرد آتش کرنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہوں اور یہ بد دعا دیتا ہوں کہ خدا ان کے گھروں اور خاندانوں پر آگ برسائے کیونکہ وہ محض اس لئے میرے پتلے جلا رہے ہیں کہ میں خدائے بزرگ و برتر کے دین کی یک جہتی اور بالادستی کے لئے آواز بلند کر رہا ہوں۔

پیر صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں کہا کہ شریعت کا نام لینے والوں نے آج جو "دینی زبان" استعمال کی، اس کے بعد وہ کس منہ سے اسلام کا نام لیتے ہیں۔ اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس جلوس کی قیادت وہ لوگ کر رہے تھے جن کے اپنے چہروں پر ڈاڑھی تک نہیں تھی۔ ان لوگوں کو قومی اسمبلی کی عمارت تک آنے کی اجازت محض اس لئے دی گئی کہ وہ صدر صاحب کی فرماں برداری کر رہے تھے۔ لیکن اب مجھے یا میرے چھوٹے بھائی نورانی میاں کو بھی حق حاصل ہو گیا ہے کہ ہم مودودی ازم کے خلاف اپنے کروڑوں ہم مسلک مسلمانوں کو میدان میں لے آئیں اور اب کی بار ہمیں بھی روکا نہیں جا سکے گا۔ پیر صاحب نے کہا کہ آدمی تدبیریں کرتا ہے مگر تقدیر اس پر ہنس رہی ہوتی ہے۔ مفتی محمود مرحوم ہمیشہ یہ کہتے رہے کہ جنرل صاحب قادیانی ہیں۔ مگر ہم نے اپنے اس موقف پر اصرار کیا کہ وہ جماعتِ اسلامی کے متفق ہیں اور انہوں نے اپنے تمام عہد میں محض جماعت اسلامی کی مدد کی ہے۔ اور جب ہم نے اس سلسلے میں ان سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ یہ میری مجبوری ہے۔ اس کے بعد ہم نے بھی انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ لیکن جو لوگ اپنا حلقہ نیابت تبدیل کرنا چاہتے ہیں، انہیں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ آدمی محض اپنے کردار سے پہچانا جاتا ہے اور خدا کے نام پر گالی گلوچ کروانے والوں کا کوئی حلقہ نیابت نہیں ہوتا۔ آج ان کی روائتی شرافت کا مظاہرہ ساری دنیا نے دیکھ لیا۔ چونکہ یہ ان کی "کال" پر ہوا تھا اس لئے میں بھی اپنا ٹکٹ کینسل کرا کے نتائج کا مظاہرہ دیکھنے کے لئے یہیں رہ گیا۔

پیر صاحب نے کہا کہ مجھے اس بات کی سزا دی جا رہی ہے کہ میں اس ملک میں ہر طرح کے دباؤ کے باوجود حق بات کہنے والا واحد آدمی ہوں۔ میں نے انتخابات سے پہلے کہا تھا کہ اب ہم بھی اکھاڑے میں آئیں گے اور ان کے ساتھ ہمارا نظریاتی اختلاف کھل کر سامنے آ جائے گا۔ شریعت بل مودودی ازم کو ترجیح دینے کی ایک سازش ہے اور اب مودودی ازم ایک باقاعدہ الگ فرقے کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ مسلمان تو محض کلمہ پڑھنے سے اسلام میں داخل ہو جاتا ہے' مگر مودودی ازم کا متفق بننے کے لئے ایک اور کتاب کا امتحان دینا پڑتا ہے۔ محض کلمہ گو ہونا ہی کافی نہیں سمجھا جاتا۔ یہ مت دیکھئے کہ آج کون کس کے پیچھے پڑا ہوا ہے' بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ آخر میں کون باقی بچتا ہے۔ اور جنرل صاحب کے ماموں جان کو شاید یہ اندازہ نہیں کہ جنرل صاحب کے پاس جو بھی جاتا ہے' آشیرواد لے کر واپس آتا ہے' مگر گھر آ کر سوچتا ہے کہ ہاتھ کہاں پھرا۔ پیر صاحب نے کہا کہ آئندہ انتخابات خزاں میں ہوں یا کسی اور وقت' مگر وہ جماعتی بنیادوں پر شرافت کی بالادستی کے لئے ہوں گے اور ان سے توڑ پھوڑ اور گالی گلوچ کی راہ ہموار نہیں ہو سکے گی۔



تبدیلیوں کا راؤنڈ اور ماما ازم

۲۱ ستمبر ۱۹۸۶ء
اسلام آباد

ممتاز روحانی پیشوا اور مسلم لیگی رہنما سینیٹر شاہ مردان شاہ پیر آف پگارا نے کہا ہے کہ ملک میں تخریب کاری اور دہشت گردی کی وارداتوں کے پیچھے بعض سیاسی عناصر کا ہاتھ کار فرما ہے' اور جب تک موجودہ پولیس حکام اور انتظامی مشینری کو تبدیل نہیں کیا جاتا' صورت حال پر قابو پانا مشکل ہے۔ آج دوپہر اپنی قیام گاہ پر ایک خصوصی انٹرویو میں پیر صاحب پگارا نے کہا کہ موجودہ افراتفری کے نتیجے میں چوتھے مارشل لا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' اور نہ مسلم لیگ کو کسی سیاسی اتحاد میں شامل ہونے کی ضرورت ہے۔ ہم اسلامی سوشلزم اور اسلامی "ماما ازم" دونوں کو مسترد کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ چوہے اور بلے کے کھیل کا جو تازہ راؤنڈ اب شروع ہوا ہے' وہ تبدیلیوں کا راؤنڈ ہو گا اور اس میں کنفیڈریشن اور چار نکات کی باتیں کرنے والوں کے علاوہ ان وزراء اعلیٰ کو بھی گھر جانا پڑے گا جو ۱۹۸۶ء میں ۱۹۵۳ء کے ممتاز دولتانہ والا کھیل رچانا چاہتے ہیں۔ اگر پنجاب مسلم لیگ کے نقطہ نظر سے انحراف کرے گا تو چھوٹا پنجاب بن کر رہ جائے گا۔ غلام مصطفیٰ کھر' غلام مصطفیٰ جتوئی' مسٹر حنیف رامے اور حامد رضا گیلانی جیسے مسترد شدہ لوگوں کا اب کوئی چانس نہیں' کیونکہ انہیں اقتدار دینے کا مطلب ملک توڑنے کی اجازت دینا ہو گا۔ مگر جس طرح بندر کو ڈرانے کے لئے کھال دکھائی جاتی ہے' اسی طرح اس ملک کے جمہوریت پسند عوام کو ڈرانے کے لئے کبھی بے نظیر' کبھی نصرت بی بی' کبھی مصطفیٰ کھر اور کبھی جتوئی صاحب دکھائے جاتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ ملک میں تخریب کاری اور دہشت گردی کی وارداتوں کے پیچھے بعض سیاسی عناصر کا ہاتھ کار فرما ہے اور موجودہ حکومت کو یہ ساری صورت حال ورثے میں ملی ہے۔ اب جب تک موجودہ پولیس حکام اور دیگر انتظامی مشینری کو تبدیل نہیں کیا جاتا' اس صورت حال پر قابو پانا مشکل ہے۔ انہوں نے کہا کہ پنجاب میں جو فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا ہوئی ہے' اس کے متعلق میں نے کراچی میں سنا تھا کہ یہ قومی اور صوبائی اسمبلی کے بعض اراکین کا کیا دھرا ہے تاہم یہ ناکامی وزیر اعظم جونیجو کی نہیں بلکہ جنرل ضیاء الحق کی ہے' جن کے گورنروں نے موجودہ وزراء اعلیٰ کو نامزد کیا تھا۔ یہ وزراء اعلیٰ محمد خان یا مسلم لیگ کے نامزد کردہ تو نہیں ہیں کہ ان کی ناکامی کے لئے محمد خان کو مورد الزام ٹھرایا جائے۔ یہ تو مارشل لا دور کی باقیات ہیں جو ہم پر مسلط کی گئیں اور ہم نے بامر مجبوری انہیں قبول کر لیا۔ اب ان وزراء جو دکو خاص طور سے انہیں جو کنفیڈریشن اور چار نکات کی بات کرتے ہیں' جانا ہی

چاہئے۔ اور چوہے بلی کے کھیل کا جو راؤنڈ اب شروع ہوا ہے' اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تبدیلیوں کا راؤنڈ ہو گا۔ اب یہ وقت بتائے گا کہ تبدیلی کس کس کی اور کس کس سطح پر ہوتی ہے۔ پہلے راؤنڈ کے پوائنٹس چوہے کے حق میں ہیں اور چوہا بہت مضبوط جا رہا ہے۔ اس وقت صدر صاحب امن و امان قائم رکھنے والے اجلاسوں کی صدارت میں اور وزیر اعظم کشمیر کے دورے میں اس لئے مصروف ہیں کہ ملک میں امن و امان کی جو صورت حال پیدا ہوئی وہ صدر صاحب ہی کی پیدا کردہ تھی' جو ایک حاضر سروس فوجی ہیں اور اب اس صورت حال کا مقابلہ بھی وہی کریں گے' کیونکہ یہ انہی کے دور کی پیدائش ہے۔ جہاں تک محمد خاں کا تعلق ہے وہ عوام کی پیدائش ہے اور ان کے ووٹوں سے منتخب ہو کر وزیر اعظم بنا ہے اس لئے وہ انہی سے رابطہ قائم کرے گا۔

موجودہ افراتفری کے نتیجے میں چوتھے مارشل لا کی راہ ہموار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' کیونکہ جنرل عارف صاحب شاعر ہیں اور جب وہ اپنی خودی کو بلند کریں گے تو چلتے چلاتے کسی روز اللہ میاں کے سامنے بھی پہنچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ دریافت فرمائیں گے کہ جنرل' بتا' تیری رضا کیا ہے؟ تو جنرل صاحب سیلوٹ مار کر کاغذات آگے کر دیں گے' مگر منہ سے کچھ نہیں بولیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کاغذ کو لے کر اوپر نیچے سے دیکھیں گے تو کوئی شعر لکھا ہوا ہو گا۔ ایک لائن آگے' ایک پیچھے' بیچ میں دو چھوٹی لائنیں۔ وہ سمجھیں گے کوئی نقشہ ہے اور حکم دیں گے کہ بچا کھچا ایف سولہ الاٹ کر دو۔ سو بھائی' اب ایف سولہ ہی الاٹ ہو گا' مارشل لا نہیں لگے گا۔

ملک کی تخریب کاری کی وارداتوں اور اسلام آباد میں روسی سفارت کار کے قتل پر تبصرہ کرتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ یہ تو وزیر داخلہ کو معلوم ہو گا کہ روسی سفارت کار کا قتل کس طرح ہوا۔ جب تک سارے مقدمہ کا پتا نہ ہو' میں کوئی رائے کیسے ظاہر کر سکتا ہوں کہ یہ کیوں ہوا' کیسے ہوا۔

نیشنل پیپلز پارٹی کی طرف سے قومی حکومت کے مطالبے پر تبصرہ کرتے ہوئے پیر صاحب پگارا شریف نے کہا کہ قومی حکومت تو پہلے ہی سے موجود ہے۔ باقی وزارت عظمیٰ کے چار امیدوار اور بھی ہیں' اور وہ ہیں رامے' کھر' حامد رضا گیلانی اور غلام مصطفیٰ جتوئی۔ سوال یہ ہے کہ عوام انہیں کس طرح وزیر اعظم بنائیں گے اور کیوں بنائیں گے؟ وزیر اعظم تو اکثریتی پارٹی سے ہوتا ہے اور اکثریتی پارٹی کا لیڈر محمد خان ہے۔ رہے حنیف رامے' مصطفیٰ کھر' غلام مصطفیٰ جتوئی اور حامد رضا گیلانی صاحبان' تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس ملک کا ستیاناس کیا۔ سقوط ڈھاکہ کے اندوہناک سانحے پر ان لوگوں نے مٹھائیاں بانٹیں اور خوشیاں منائیں۔ اب ان لوگوں کو پھر سے حکومت میں شامل کرنے کا مطلب صرف یہی ہو گا کہ باقی ماندہ ملک کو توڑ کر انہیں ایک بار پھر مٹھائیاں بانٹنے کا موقع دیا جائے۔

پیر صاحب نے کہا کہ مس بے نظیر بھٹو ٹرک سے اتر کر زمین پر تو کھڑی ہو گئی ہیں مگر اب ان کا مسئلہ یہ ہے کہ بیٹھیں کہاں۔ جب سیدہ عابدہ حسین نے کہا تھا کہ وہ ہم سے رابطہ کرنا چاہتی ہے' اس وقت بھی میں نے یہی کہا تھا کہ بے نظیر کو اگر اس ملک میں رہنا ہے تو ہم سے بنا کر رہے۔ اب اگر وہ سیاست میں حصہ لینا چاہتی ہے تو بھی ہم سے بنا کر رہنا پڑے گا۔ کسی نئے سیاسی اتحاد کے امکان کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے پیر صاحب پگارا

نے کہا کہ سیاسی اتحاد بہر حال کسی نہ کسی مقصد کے لئے قائم ہوتے ہیں۔ اس وقت کیفیت یہ ہے کہ مسلم لیگ اکثریتی جماعت ہے' اس لئے اسے کسی اتحاد کی ضرورت نہیں البتہ ایک جماعت نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا ہے' وہ ہے جمیعت العلماء پاکستان۔ یہ اتحاد قیام پاکستان کے وقت ہی سے چل رہا ہے۔ آئندہ جماعتی بنیادوں پر ہونے والے انتخابات میں مسلم لیگ بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گی اور موجودہ آئین میں عوامی خواہشات کے مطابق ترامیم کرے گی۔ باقی کسی بھی جماعت کو ایوان میں اتنی اکثریت حاصل نہیں ہو گی کہ وہ ان ترامیم کو روک سکے۔ وہ بولیں گے ضرور' مگر روک نہیں سکیں گے۔ اور اس ملک کا آئین مسلم لیگ کے نظریات اور اس کی روایات کے مطابق بنے گا۔

پیر صاحب نے کہا کہ بلی چوہے کے کھیل میں تبدیلیوں کا جو راؤنڈ اس وقت شروع ہوا ہے اس کے دوران بہت سی تبدیلیاں ہوں گی' مگر ابھی اس سلسلے میں کچھ بتایا نہیں جاسکتا۔ البتہ اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ تبدیلیاں ہوں گی اور بہت ہوں گی۔ اور جن کے دن پورے ہو چکے ہوں گے' ان کی چھٹی ہو جائے گی۔ اس راؤنڈ کے بارے میں تفصیلات مناسب موقع پر بتادی جائیں گی۔ انہوں نے کہا کہ ایم آر ڈی نے تحریک نہ چلانے کا فیصلہ کر کے بے نظیر پر رحم کیا ہے اور بے نظیر کی پٹائی کا وقت کچھ آگے کر دیا ہے' ورنہ یہ پٹائی جلد ہو جاتی کیوں کہ بے نظیر پٹائی پٹائی کرتی پھر رہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جب پٹائی ہوتی ہے تو عام طور پر یا تو کونے کی طرف منہ کر کے کھڑا کیا جاتا ہے یا ڈیسک پر چڑھا دیا جاتا ہے۔ اور وہ ٹرک سے اتر کر زمین پر تو کھڑی ہو گئی ہیں۔ پیر صاحب نے کہا کہ میں قومی اسمبلی میں نہیں بیٹھتا' سینٹ میں بیٹھتا ہوں اور اس میں تو وفاداریوں کی تبدیلی کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے۔

شریعت بل کے حوالے سے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ شریعت بل نہیں بلکہ پرائیویٹ بل ہے' اور حکومت کو اکثریتی پارٹی ہوتے ہوئے اس بات کی کیا ضرورت ہے کہ وہ اکاؔ دُکاؔ مُلاؔ کا بل پاس کرے۔ انہوں نے کہا کہ اب میں مودودی صاحب کا نام نہیں لوں گا کیونکہ پروفیسر غفور اور ہم بھائی بھائی ہو گئے ہیں۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ حضرت مودودی صاحب کا ذکر نہ کیا کرو۔ میں نے انہیں یقین دلایا ہے کہ میں حضرت مودودی صاحب کا ذکر نہیں کروں گا۔ لیکن آج سے یہ "ماما ازم" ہو گیا ہے اور دُنیا میں دو ہی ماموں ہیں - اوپر چندا ماموں اور نیچے طفیل ماموں۔ اور ماموں طفیل کی شریعت' جسے میں آیندہ "ماما ازم" کہا کروں گا' ہمیں قبول نہیں ہے۔ ہم اسلامی سوشلزم اور اسلامی ماما ازم دونوں کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جنرل عارف صاحب شاعر ہیں اور شاعر کی خودی کسی بھی وقت بلند ہو سکتی ہے۔ وقت آنے والا ہے جب وہ بچا کھچا ایف سولہ الاٹ کرا کے بیٹھ جائیں گے۔

پیر صاحب نے کہا کہ ۱۹۵۳ء میں پنجاب میں دولتانہ صاحب نے جو ترکیب چلائی تھی' اب ۱۹۸۶ء میں وہی ترکیب چلا کے کامیابی کا خواب دیکھنے والے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اب یہ آپ تاریخ میں دیکھیں کہ ۱۹۵۴ء میں دولتانہ صاحب نے کیا کرتب دکھائے تھے۔ پیر صاحب کو بتایا گیا کہ دولتانہ صاحب نے سیاسی فسادات کرائے تھے' تو پیر صاحب نے کہا کہ ہاں کرائے تھے' مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ پھر دولتانہ صاحب

کہاں گئے۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ نواز شریف نے یہ سب کچھ کرایا ہے' مگر جس نے بھی کرایا اور دولتانہ بننے کی کوشش کی ہے' وہ وزیر اعظم ہاؤس میں نہیں آئے گا بلکہ اپنے گھر ہی جائے گا اور تبدیلیوں کے راؤنڈ میں یہ سارا عمل مکمل ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ پنجاب پاکستان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اسے ہمیشہ مسلم لیگ کی لائن لے کر آگے چلنا چاہئے۔ اگر پنجاب مسلم لیگ کے نقطہ ء نظر سے ہٹے گا تو بہت چھوٹا پنجاب بن کر رہ جائے گا۔ ایک بار پنجاب مسلم لیگ سے ہٹا' تو پاکستان کا بہت بڑا حصہ کھو یا گیا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم نے خود اسے لات مار کے نکال دیا۔ اگر اب کی بار پنجاب پھر مسلم لیگ سے ہٹے گا تو بہت چھوٹا پنجاب بن کر رہ جائے گا۔ پنجاب کو چاہئے کہ وہ مسلم لیگ کو ہم سے زیادہ مضبوطی سے پکڑ لے۔ سندھ کی صورت حال کے بارے میں پیر صاحب نے کہا کہ یہ مارشل لا کی پیدائش ہے اور جنرل صاحب ہی کو اس کا سامنا کرنا ہے۔ پنجاب میں بھی جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ بھی جنرل صاحب اور ان کے سابق گورنر کی پیدائش ہے۔ مگر اس سے نمٹنا محمد خان نے ہے کیونکہ وہ جنرل صاحب کا وزیر اعظم ہے اور وہی اس سے نمٹ سکتا ہے۔ پھر وہ مسلم لیگ کا صدر بھی ہے اور بر صغیر کے مسلمانوں کی دعائیں اس کے ساتھ ہیں۔

پیر صاحب نے کہا کہ بلے چوہے کے موجودہ راؤنڈ کے خاتمے کے بارے میں پیش گوئی وقت آنے پر کی جائے گی۔ مگر ایک بات بتا دوں کہ چوہے بلے کا یہ کھیل لمبا چلے گا کیونکہ چوہا تھکنے والا ہے اور نہ بلا باز آنے والا ہے۔ مگر آخر کار یہی ہو گا کہ بلا اپنا تولیہ پھینک کر میدان سے بھاگ جائے گا۔ پہلوانوں کے مقابلے میں جب ایک تولیہ پھینک دے تو اسے "ہینڈز اپ" کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ چوہا تولیہ نہیں پھینکے گا۔ کیونکہ اس کے ساتھ دعائیں ہیں' اللہ کی رحمت ہے۔ یتیموں اور لاوارثوں کا وارث اللہ ہے اور چوہا یتیم غریب ہے۔ اسی لئے اللہ کی رحمت اس کے ساتھ ہے۔ فرشتے اس کے ساتھ ہیں۔

غلام مصطفیٰ کھر کو شیر پنجاب قرار دینے اور ان کی واپسی کے حوالے سے کئے جانے والے مختلف دعووں پر تبصرہ کرتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ ہم تو اشرف المخلوقات سے رابطہ رکھتے ہیں۔ حیوانات کا شعبہ ہمارے پاس نہیں۔ انہیں تو کہیں چڑیا گھر میں رکھنا چاہئے۔ ہم نے تو کبھی شیر نہیں پالا۔ ایک چیتا پالنے کی کوشش کی تھی' مگر وہ تشنج سے مر گیا۔ ویسے وہ ہمارے پاس آیا ہی بیمار تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے خلاف پوری قوم نے پورے شدومد سے اپنی نفرت کا اظہار کیا تھا۔ اسی لئے اب ان کا کوئی چانس نہیں۔ مگر جیسے بندر کو ڈرانے کے لیے کھال دکھائی جاتی ہے' ایسے ہی قوم کو ڈرانے کے لئے کبھی بے نظیر آ جاتی ہے' کبھی نصرت بی بی آ جاتی ہے' کبھی کھر صاحب آ جاتے ہیں تو کبھی جتوئی صاحب آ جاتے ہیں۔

پیر صاحب نے کہا کہ فرقہ وارانہ فسادات ہوتے رہتے ہیں۔' مگر کچھ ہوتے ہیں اور کچھ کرائے جاتے ہیں' جیسا کہ سنا گیا ہے لاہور کے فسادات کرائے گئے ہیں۔ تو کرانے والوں کا نتیجہ ہمیشہ خراب ہی ہوتا ہے۔ کرانے والوں کے خلاف قدرت اور قانون دونوں حرکت میں آتے ہیں۔ یہ ملک فرقہ واریت کے لیئے نہیں مسلم لیگ کے لئے بنا تھا۔ جب اس نے مسلم لیگ کو چھوڑا اور پیپلز پارٹی کے پاس گیا تو ہزار سال کی لڑائی کا نعرہ

لگانے والے دس روز بھی نہ لڑنے پائے۔ لوگ ملک میں نیا مارشل لا نہیں مانگتے' مگر غلط طور پر یہ سمجھ رہے ہیں کہ گزشتہ مارشل لا کی پیدائش کو نیا مارشل لا ہی ختم کر سکے گا۔ حالانکہ ہماری کوشش یہ ہے کہ مارشل لا کی اس پیدائش کو جمہوری طرز سے ختم کیا جائے۔

پیر صاحب نے کہا کہ تبدیلیوں کا راؤنڈ بہتری کے لئے ہو گا۔ عزت کے لئے ہو گا۔ جمہوری عمل کو بے عزتی ورثے میں ملی ہے' وہ عزت میں تبدیل ہو جائے گی اور ملک ترقی کرے گا۔



مجرم کون؟

۲۶ ستمبر ۱۹۸۶

اسلام آباد

شاہ مردان شاہ پیر آف پگارا نے کہا ہے کہ اب جب کہ پنجاب کے "سردار رنجیت شاہ رنگیلا" کی کمزوریاں کھل کر سامنے آتی جارہی ہیں اور اس نے اپنے بارے میں سچ بولنے والوں کے خلاف پولیس، تھانے اور تحصیل داروں کا استعمال شروع کر دیا ہے، تو جو بات نہیں ہونا تھی، وہ بھی ہو جائے گی اور صوبائی اسمبلی میں شروع ہونے والے معرکے سے پہلے ہی لوگ اس کے بارے میں کھل کر باتیں کرنے لگیں گے، جس کے نتیجے میں وہ بات بھی ہو جائے گی جو بصورت دیگر نہیں ہونا تھی۔ کیونکہ اس کے ہلکے پن نے ڈھکی چھپی باتوں اور رازہائے سربستہ کو بھی عیاں کرنا شروع کر دیا ہے، جس کے نتیجے میں "ہیوی ویٹ" کے اس "فیدر ویٹ" نمایندے کو ایک ہی ہاتھ میں اڑا دیا جائے گا اور اسمبلیاں ایک بار پھر اپنی قوت کا مظاہرہ کریں گی۔

آج شام سینٹ کے کیفے ٹیریا میں غیر رسمی بات چیت کے دوران پیر صاحب نے کہا کہ خالی میرے کہہ دینے سے کچھ ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی مگر پنجاب کے وزیر اعلیٰ کی جانب سے فوری اور شدید ردعمل کے اظہار نے گویا سب کو بولنے کی دعوت دے دی ہے اور اب آہستہ آہستہ ان کی تمام شخصی اور ذاتی کمزوریاں بھی لوگوں کے سامنے آتی چلی جائیں گی۔ حتیٰ کہ مظلوموں کا ساتھ دینے والے قوت والے کے ساتھیوں سے بڑھ جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اب معافی تلافی کا وقت گزر چکا ہے اور فیدر ویٹ نے اپنا موقع کھو دیا ہے جس کے بعد اس کی بنائی ہوئی عمارت کسی بھی وقت دھڑام سے گر جائے گی۔ میں تو آپ لوگوں کے سامنے زبان چلا کر چلا جاتا ہوں اور میرا کام یہ ہے کہ آپ اخبار والوں کے ساتھ بنا کر رکھوں، لیکن دوسروں کو خود مجھ سے بنا کر رکھنا چاہیئے کیونکہ میں ایک ایسا کالعدم ہوں جس پر کوئی ذمے داری نہیں آتی۔ اور جس شخص پر کوئی ذمہ داری نہ ہو، وہ بڑا خطرناک ہوتا ہے۔

میرے پہلے بیان کے جواب میں ایک اخبار نے جو اداریہ لکھا، یوں لگتا ہے جیسے وہ اداریہ فاضل مدیر کی بجائے کسی کلرک نے لکھا ہو۔ اب میں چند حقائق فاضل مدیر کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ وہ ان سے آگاہی کے بعد جسے اس قابل سمجھیں، اس کی مذمت کریں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ میرا مؤقف درست تھا یا کلرک کا لکھا ہوا ایڈیٹوریل صحیح تھا۔ میں نے تو ملک کی مجموعی صورت حال کا محض اجمالی سا تذکرہ کیا تھا کیونکہ بصورت دیگر، تفصیلی بیان کی صورت میں، مجھے براہ راست ہیوی ویٹ سے بات کرنا پڑتی۔ مگر یہ اداریہ عوام کے لئے رازہائے

سربستہ سے آگاہی کا ذریعہ بن گیا ہے اور اب وہ لوگ بھی بولنے لگیں گے جن کی زبانیں کسی نہ کسی وجہ سے بند تھیں۔ یہ لوگ اسی طرح بولتے چلے جائیں گے حتیٰ کہ آخر کار ہونے والی گنتی گھٹتی جائے گی اور جوں جوں اظہار ہوتا جائے گا' اقرار گھٹتا چلا جائے گا۔ یہ اداریہ جو سردار رنجیت شاہ رنگیلا کے کسی لکھنے لکھانے والے کلرک کا لکھا ہوا لگتا ہے' شامت الٰہی بن گیا ہے اور جدھر لوگوں کی توجہ نہیں تھی' ادھر مبذول کرا دی گئی ہے۔ میں جو چند حقائق فاضل مدیر کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں' ان میں مارشل لا کی افواہیں' قومی حکومت کی باتیں' مرکز کے لئے محض چار محکموں کی تجویز' ۱۴ اگست کو وزیر اعظم کی اجازت کے بغیر لاہور میں جلسہ عام کا اعلان اور اس طرح کے دیگر تمام ایسے حقائق شامل ہیں جن کی ذمے داری رنجیت شاہ رنگیلا کی حکومت پر ہے۔ اور پھر جب مسلم لیگیوں نے اپنی مصلحت اور مصالحت کے باعث معاملات کو روبہ اصلاح کر لیا تو مذہب کے نام پر ہنگامہ کرا دیا گیا جس میں بعض ایم پی اے اور ایم این اے حضرات بھی ملوث تھے۔ اس کے بعد وزیر اعظم کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پر دستخط کروانے کی کوشش کی گئی۔ پھر جتوئی کی قومی حکومت کا قصہ چھیڑا گیا اور ڈرائی کلین کھر کو لایا گیا۔ اب اداریہ نویس کلرک بتائے کہ کیا یہ جنرل عارف اور جنرل ضیاء الحق میں سے کسی کے پروگرام کا حصہ ہے یا یہ ہمارے وزیر اعلیٰ صاحب کی کارستانیاں ہیں۔ اداریہ نویس کلرک کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف نشاندھی کرے بلکہ جائز تنبیہہ بھی کرے اور اگر تنبیہہ کرنے کی ہمت نہیں تو صرف نشاندھی کر دے پھر میں آپ مل کر "مور اوور" کرتے رہیں گے۔

پیر صاحب نے کہا کہ میں نے جسے لائٹ ویٹ قرار دیا تھا' وقت نے ثابت کر دیا کہ وہ محض فیدر ویٹ ہے' اور اس قسم کے حالات میں ہیوی ویٹ جلد تھک جایا کرتا ہے جبکہ فیدر ویٹ تو ایک ہی ہاتھ میں اڑ جاتا ہے۔ تاہم پیر صاحب نے اس سلسلے میں کوئی حتمی تاریخ دینے سے گریز کرتے ہوئے کہا کہ ہماری گھڑی میں الارم نہیں جو بجنے لگے اور میں تو اس قسم کا گھنٹا گھر لے کر چلتا ہی نہیں ہوں اس وقت ملک میں جو نظام چل رہا ہے' وہ ہیوی ویٹ کا اپنا تشکیل کردہ ہے۔ شروع میں اس نے کہا کہ تم غیر جماعتی غیر نظریاتی بلدیاتی ادارے ہو۔ پھر کبھی اوپر کرتا رہا' کبھی نیچے' کبھی سوکن بناتا رہا' کبھی آل ان آل سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اصل میں کیا ہیں؟ کبھی وہ محمد خان کو آگے کرتا ہے' کبھی خود امن وامان کے اجلاسوں کی صدارت کرتا ہے' کبھی محمد خان کو باہر بھیج دیتا ہے' کبھی خود سربراہان سے "تھینک یو" وصول کرنے پہنچ جاتا ہے۔ غرض ایک ہاتھ سے لیکر دوسرے ہاتھ سے لے لینے والے اس دور میں پتا ہی نہیں چلتا کہ آگے کون ہے اور پیچھے کون۔ پیر صاحب نے کہا کہ میاں تو جو جیب کاٹ گیا تھا" اس کی اپنی جیب بھی کٹ گئی ہے اور وہ بھی تلاش کرتا پھرتا ہے۔ مگر پہلے اداریہ نویس کلرک فتویٰ دے کہ مجرم کون ہے۔ پھر ہم مور اوور کریں گے اور دیکھیں گے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی سب کچھ ہونے لگا اور ہوتا ہی جائے گا۔ یہ محض "اس" کا ہلکا پن ہے جس نے ڈھکی چھپی بات ظاہر کر دی اور جوابی مور اوور سے اس کا راز فاش ہو گیا۔

پیر صاحب نے کہا کہ جس طرح شریعت بل کے بارے میں میرے اسی انداز کے بیان کے جواب میں گالی

گلوچ کا بازار گرم کر کے نجی اراکین کے اس بل والوں نے اپنا بھانڈا پھوڑ دیا اور اب ٹانگیں توڑنے کی دھمکی دینے والوں کی اپنی ٹانگیں خطرے میں پڑ گئی ہیں' اسی طرح یہاں بھی راز کھلنے لگے ہیں اور جو بات نہیں ہونا تھی اب وہ بھی ہو جائے گی۔ اور ہم جو صبح سے نیا امیدوار ڈھونڈتے پھرتے تھے ہمیں خود بخود گجرات کا ایک امیدوار مل گیا ہے جس کا نام ہم نے سنا ہے اس موقع پر ایک اخبار نویس نے پیر صاحب کو بتایا کہ گجرات والے پر چیلیاں والے والوں کو اعتراض ہو گا تو پیر صاحب نے جواب دیا کہ چیل کی بات چیل جانے ہمیں اس سے کیا۔ انہوں نے کہا کہ اٹک کے کسی امیدوار نے ان سے رابطہ نہیں کیا مگر وہ بھی ہو جائے تو کوئی مضایقہ نہیں کیونکہ اللہ کا یار بھاری ہوتا ہے اور اللہ کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے' اور اللہ بھی اپنے یاروں کو فراموش نہیں کرتا۔ محمد خان جونیجو نے میرے ساتھ اپنی پسند و ناپسند کے حوالے سے بات نہیں کی بلکہ اس قسم کی باتیں وہ اس سے کرتا ہو گا جس کا وہ وزیر اعظم ہے۔

جب پیر صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ کس کے سر پر ہاتھ رکھیں گے تو انہوں نے کہا کہ جو بھی اپنا سر ہمارے ہاتھ کے قریب لائے گا' ہم اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیں گے۔ مگر فیدرویٹ نے اس کا موقع بھی گنوا دیا اور ہمیں بولنے کا موقع فراہم کر دیا۔ اب بھلا ان کا منہ کون بند کرے گا جواب تک خاموش بیٹھے رہے۔ گزشتہ دنوں شہباز شریف کو کھانا کھلانے کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں پیر صاحب نے کہا کہ کھانا تو ہم کھاتے بھی ہیں اور کھلاتے بھی ہیں۔ ہمارے کھانے پر ماما ازم والے' چاچا ازم والے 'سبھی آتے ہیں کیونکہ مسلم لیگ سب کو جانتی ہے۔ انہوں نے کہا' یہ تو درست ہے کہ اتفاق میں برکت ہوتی ہے مگر یہ وہ والا ''اتفاق'' نہیں جو اس کا ہے کیونکہ وہاں شوگر مل کی مشینری بنتی ہی نہیں۔ مگر ایک بک گئی تھی۔ فیدرویٹ کے ساتھ لائٹ ویٹ بھی آ گیا تو کوئی پروا نہیں کیونکہ یہ تو ان کا مسئلہ ہو گا جو کام کر رہے ہیں۔ ہم تو کالعدم ہیں اور ''انوکی'' کو جو بھی چیلنج کرے گا' وہی بھگتے گا۔

پیر صاحب نے کہا کہ سندھ کے حالات پنجاب سے بہت مختلف ہیں۔ وہاں کے وزیر اعلیٰ کو تبدیل کرنے والا کوئی امیدوار نہیں اور میرے بیٹے اسے چچا سمجھتے ہیں جبکہ وہ خود ہمارا دوست ہے اور کسی میں اتنی سکت نہیں کہ ہمیں بائی پاس کر کے وزیر اعلیٰ بن جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ کسی کو نیا گورنر بنا کر ہمارے لئے مسئلہ کھڑا کر دے۔ سندھ میں سندھی گورنر کا مطالبہ درست ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر سندھی ہمارے لئے قابل قبول ہو گا۔ ہم نے کچھ نام دئے تھے جو ''انہیں'' قبول نہیں' اور ان کے دئے ہوئے نام ہمیں منظور نہیں۔ پیر صاحب نے پنجاب میں متوقع تبدیلیوں کے عمل کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ فطری طور پر کوئی بھی شروع میں تبدیلی نہیں چاہتا مگر جب تبدیلی ہو جائے تو وہ بڑا خوش ہوتا ہے' اور سوچتا ہے کہ یہ تبدیلی پہلے ہو جاتی تو بہت بہتر تھا۔

مختلف سوالوں کا جواب دیتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ بھٹو کا تصور اور تخیل پاکستانی نہیں تھا' اسی لئے وہ کبھی بھارتی ٹینکوں کی بات کرتا کبھی اور۔ مگر ہمارے بزرگوں نے تو ہمیشہ اتحاد کی بات کی اور ہم کالعدمی کی حالت

میں بھی اسی اتحاد کے بل پر جمہوری قوت سے پورے مدت پر قبضہ لیئے بیٹھے ہیں اس نے اپنے دور میں بہت کوشش کی کہ ہم محض سندھ تک محدود رہیں مگر ہم مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے بات کرتے ہیں' کیونکہ ہم پاکستانی وطنیت اور قومیت کے حامی ہیں اور اگر خدانا خواستہ پاکستان نہ رہا اور مسلم لیگ کو ختم کر دیا گیا تو جئے سندھ کے بارے میں بھی دیکھ لیں گے۔ مسائل کا حل گلیوں میں نہیں ہو سکتا بلکہ یہ اسمبلیوں میں ہو گا۔ آپ موجودہ حکومت کو مانیں یا نہ مانیں مگر بے نظیر بھٹو ضمنی انتخابات میں شرکت کی بات کر کے اس حکومت اور ان انتخابات کو تسلیم کر چکی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ انچاس نشستوں پر الیکشن لڑنا چاہتی ہے اور ہم اسے یہ موقع دیں تو وہ سرکاری طور پر اسے قبول بھی کر لے گی۔ مگر اسے جو موقع ملا تھا وہ اس نے گنوا دیا۔

پیر صاحب نے کہا کہ این پی پی میں سارے کے سارے لیڈر ہی ہیں' جن کے پاس پیرو کار نہیں۔ مگر ایس ایم ظفر' جسے ہم لیڈر بنانا چاہتے تھے' ان کا پیرو کار بن گیا کیونکہ ہر شخص کو اس کی بساط کے مطابق ہی حصہ ملتا ہے۔ ایس ایم ظفر کی سیاسی بساط کچھ بھی نہیں مگر وہ ایک بڑا وکیل ضرور ہے اور یہ بات ہم تسلیم کرتے ہیں۔ اسے بھی تسلیم کر لینا چاہئے کہ وہ بطور سیاست کار چھوٹا ہی رہے گا۔ مارشل لا دور کی سزاؤں کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ اس ملک میں صرف ایک سیاستدان ہے اور مارشل لا نے اسے کوئی سزا نہیں دی۔ کیونکہ سیاست میں سزا نہیں ہوتی اور سیاستدان قانون توڑنے اور بنانے کے ماہر ہوتے ہیں۔ مگر میں تو سیاستدان نہیں بلکہ عرفات بھائی (کوثر نیازی) مجھے مسخرہ قرار دیتے رہے جس کا میں نے برا نہ مانا کیونکہ ان کے ساتھ ہمارے پرانے تعلقات ہیں اور یہ تعلقات اس وقت بھی تھے جب خود ان میں ان تعلقات کو کھلے بندوں تسلیم کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

پیر صاحب نے کہا کہ جتوئی صاحب شروع میں میرے پاس یہ بتانے آئے تھے کہ صدر صاحب انہیں وزیر اعظم بنا رہے ہیں۔ میں نے تبھی انہیں یہ بتا دیا تھا کہ تم سینئر وزیر بھی نہیں بن سکتے' کیونکہ اگر کوئی شخص سینئر وزیر بنے گا تو وہ غلام اسحاق خان ہو گا۔ اور یہی ہوا کہ کسی نے جتوئی صاحب کو جونیئر وزیر تک نہیں بنایا۔ اب بھی انہیں چاہئے کہ گھر بیٹھیں یا ہمارے ساتھ چلیں کیونکہ این پی پی کام نہیں آئے گی' اور پی پی پی سے وہ نکل چکے ہیں۔ پیر صاحب نے کہا کہ ہم تو آنے اور جانے والے دونوں کے شکر گزار ہوتے ہیں مگر جتوئی صاحب کو یہ سوچ لینا چاہیے کہ کالعدم کے پاس آنے میں تو فائدے کا امکان ہے لیکن اگر وہ عہدے پر موجود ہیوی ویٹ ہی کے پاس جاتے رہے تو ان کے جوتے بھی گھس گھس کر ختم ہو جائیں گے۔

پیر صاحب نے کہا کہ ہیوی ویٹ کا مقابلہ ہمیشہ ہیوی ویٹ ہی سے ہوتا ہے۔ مگر بعض فیدر ویٹ خواہ مخواہ پھدک کر درمیان میں آ جاتے ہیں۔ اب کوئی اس سے پوچھے کہ میاں' تمہاری کیا اوقات ہے۔ انہوں نے کہا کہ ابھی موسم خوشگوار ہے اور کسی کا لباس تبدیل ہونے کا امکان نہیں۔ ابھی صرف شلوار قمیص ہی چلے گی۔ پیر صاحب نے کہا کہ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ نے میرے جواب میں خاموشی اختیار کر کے اپنے لئے بہتر ہی کیا ہے ورنہ اس کے صوبے کی حکومت سے زیادہ آپ لوگوں (اخبار نویسوں) کی مصروفیات میں اضافہ ہو جاتا۔

قائداعظمؒ کی نقلی ڈائریاں

۲۸ ستمبر ۱۹۸۶ء

اسلام آباد

سوال...... مسلم لیگ کی تنظیم کے حوالے سے آپ کی کیا رائے ہے؟

پیر صاحب...... جب میں کسی چیز میں دلچسپی کھودوں تو دوبارہ پلٹ کر نہیں دیکھتا۔ جو گئے ' سو چلے گئے۔ جو رہ گئے ' سو رہ گئے۔ اب مسلم لیگ سے میرا کیا تعلق؟ میں تو "کالعدم" ہوں۔ آپ لوگوں نے بڑی کوشش کی کہ میں بھی "سابق" بن جاؤں مگر نہیں بن سکا کیونکہ میں کالعدم ہی خوش ہوں۔

سوال...... کیا یہ محض اتفاق ہے کہ آپ ایسے وقت اسلام آباد آئے ہیں جب یہاں مسلم لیگ کی تنظیم مکمل ہو رہی ہے اور پانچ جولائی کو پیپلز پارٹی کا یوم سیاہ بھی آپ یہیں گزاریں گے۔

پیر صاحب...... جب میں نے پروگرام بنایا تھا ' اس وقت یہ علم نہیں تھا کہ سینٹ ۳ جولائی کو شروع ہو رہی ہے۔ جہاں تک اس روز اسلام آباد میں موجود ہونے کا تعلق ہے ' تو اسلام آباد میں تو کوئی تحریک نہیں چلے گی۔ یہاں تو محض خبریں آئیں گی۔ لیکن ایک بات بتادوں اور وہ یہ کہ مجھے ۵ جولائی کے دن سے زیادہ اس کی رات کا انتظار ہے (قہقہہ)۔

سوال...... کیا ایم آر ڈی کی تحریک کامیاب ہو جائے گی؟

پیر صاحب...... یہ تحریک کبھی کامیاب نہیں ہو گی کیونکہ وہ خود ایک دوسرے کے وفادار نہیں ' بلکہ ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں۔ ایسے لوگ کامیاب کیسے ہو سکتے ہیں؟ پھر ان کے سامنے مقصد کیا ہے؟ محض ایک "شیڈو کاز" کے لئے تو تحریک نہیں چل سکتی۔ میں تو ان حالات میں پیپلز پارٹی والوں کی سوپر سمجھ داری پر حیران ہوں کہ وہ اپنی موجودہ سوچ اور پروگرام کے باوجود حکومت کے خواب بھی دیکھتے ہیں۔

سوال...... پیپلز پارٹی کے عوامی بجٹ کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟

پیر صاحب...... یہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں ' بلکہ کیفیت یہ ہے کہ جنہوں نے اسے بنایا ' وہی گالیاں دے رہے ہیں۔ اب میں اس کے بارے میں کیا کہوں؟

سوال...... صدر مملکت نے اراکین اسمبلی کے ساتھ ملاقاتوں میں مسلم لیگ کی تنظیم بہتر بنانے پر زور دیا ہے۔

پیر صاحب...... صدر صاحب نے جن لوگوں سے ملاقاتیں کیں ' ان کے بارے میں انہی سے پوچھیں۔ مجھ سے ذکر ہی نہیں ہوا۔ نہ ایسا ہونے کا امکان ہے۔ ان سے پوچھیں کہ ان پر کتنا اثر ہوا اور کس قسم کا ہوا۔

سوال..... صدر صاحب کے بعد وزیر اعظم نے بھی تو اراکین سے ملاقاتیں کیں؟

پیر صاحب..... یہ تو سونے پر سہاگہ ہو گیا۔

سوال..... بعد میں آزاد گروپ والے بھی صدر سے ملے ہیں؟

پیر صاحب..... وہ تو ان کے اپنے ہیں۔ جب چاہیں بلا کر یا جا کر مل لیں۔ (ذرا سے توقف کے بعد) ویسے تو ہم سبھی ان کے ہیں۔ ہم ان سے سیاسی اختلاف رکھنے والے ہیں تو انہی کے ہوئے نا۔ (ہنستے ہوئے) اسی لئے تو اختلاف رکھتے ہیں۔ ہم نے کبھی کہا ہے کہ ہم طفیل ماموں کے ہیں؟ دراصل واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنی بولی بولتے ہیں اور ہم اپنی بولتے ہیں۔

سوال..... آخر صدر صاحب سے آپ کا اختلاف کیا ہے؟

پیر صاحب..... صدر سے ہمارا اختلاف نظریاتی' سیاسی اور جماعتی ہے۔ نہ وہ مسلم لیگی ہو سکتے ہیں' نہ میں فوجی ہو سکتا ہوں۔ وہ ریٹائر ہونے کے دو سال بعد بھی لیگی نہیں ہو سکتے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی آرڈیننس لے آئیں۔ یہ تو ان کے گھر کی بات ہے..... نہیں' نہیں' ان کے دفتر کی بات ہے۔

سوال..... چوتھا مارشل لا قریب تو نہیں آ رہا؟

پیر صاحب..... قریب کا کیا مطلب؟ فوج بھی اپنی' ملک بھی اپنا اور بیرکیں بھی اپنی۔ جب جی چاہے ادھر چلے جاؤ' جب جی چاہے ادھر آ جاؤ جب ان کے جی میں آئے گی' پھر آ جائیں گے۔ رہے ہم' تو ہم نے تو کبھی استقبال نہیں کیا۔ پھر یہی کہہ دیں گے کہ مصلحتِ وقت کا تقاضا تھا۔

سوال..... آپ بھی تو خود کو جی ایچ کیو کا آدمی کہتے ہیں۔

پیر صاحب..... ہم نے یہ کبھی نہیں کہا کہ ہم جی ایچ کیو کے آدمی ہیں۔ ہم تو صرف ان کے ساتھ ہیں اور رہیں گے۔ باقی ہم ان کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے کیونکہ ہمارے اپنے مسائل کافی ہیں۔

سوال..... کیا یہی معاہدہ ان کی طرف سے بھی ہے؟

پیر صاحب..... دیکھو بھئی' کچھ لوگوں کی ناک زیادہ لمبی ہوتی ہے اور وہ اسے دوسروں کے معاملات میں گھسیڑتے پھرتے ہیں۔ اب اس کا علاج ہم کیا کریں؟ لیکن عین ممکن ہے کہ کسی روز یہ ناک کسی دروازے کے تختے میں آ کر کچلی جائے۔

سوال..... بلے چوہے کے کھیل کا کیا بنا؟

پیر صاحب..... بلے چوہے کا کھیل جاری ہے۔ بلکہ ابھی تو دوسرا راؤنڈ ہی چل رہا ہے۔ اس کے ختم ہونے میں اڑھائی تین ماہ تو لگیں گے۔

سوال..... اس کھیل میں کس کی جیت کا امکان ہے؟

پیر صاحب..... بلا اور چوہا دونوں مضبوط جا رہے ہیں' لیکن وقت چوہے کا ساتھ دے رہا ہے۔ جب موجودہ راؤنڈ ختم ہو گا تو ہم بھی بتائیں گے کہ انجام کیا ہو گا۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لئے' سندھ میں جب کسی بلے سے

جان چھڑانی ہو تو اسے بورے میں بند کر کے باہر پھینک آتے ہیں۔ یہاں بھی بلا بورے کی طرف بڑھ رہا ہے اور چوہا اسے بند کرنے کی فکر میں ہے۔

سوال...... مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل کے بارے میں بہت قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں۔ آپ کا ان پر کیا تبصرہ ہے؟

پیر صاحب...... یہ تو ان کا درد سر ہے جو مسلم لیگ میں ہیں۔ ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ کسی کالعدم جماعت اور اس کے صدر کو سیکرٹری جنرل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ ایک ہول ٹائم سیکرٹری جنرل ہونا چاہئے جس کی اپنی سوچ صرف صدر کی فرماں برداری ہو اور وہ سب مسلم لیگیوں کو جانتا بھی ہو۔ اس کا تعلق مسلم لیگ سے ہونا چاہئے کیونکہ وہ مسلم لیگ کا سیکرٹری جنرل ہو گا' اسمبلی کا نہیں۔ ویسے موجودہ صدر اور کونسل کو چاہئے کہ سوچ سمجھ سے کام لیں اور انجام کے بارے میں سوچ کر فیصلے کریں۔

سوال...... اس بار آپ جی ایچ کیو والوں سے ملیں گے یا نہیں؟

پیر صاحب...... ہم جی ایچ کیو والوں سے نہیں ملتے' ان کے سربراہ سے ملتے ہیں۔ لیکن اس وقت جب وہ یاد فرماتا ہے۔ فی الحال تو نہ اس کا ارادہ بلانے کا ہے اور نہ ہمارا ارادہ ملنے کا ہے۔ کیونکہ دونوں مصروف ہیں۔ وہ سرکاری کام میں لگا ہوا ہے' ہم رنگ رلیوں میں مصروف ہیں' (ہنستے ہوئے) اگر اس عمر میں رنگ رلیاں ہو سکتی ہیں۔

سوال...... اب تو ان کے پاس کام کم ہو گیا ہے؟

پیر صاحب...... ابھی ان کے پاس بہت کام ہے۔ کیا روزانہ وردی پہننا بڑا زبردست کام نہیں؟ مگر اس وردی کے پیچھے کیا ہے؟ ڈبل ذمے داری۔ وہ فوجی بھی ہیں اور سول بھی۔ اگر کوئی خود ہی ٹوکری کے اوپر ٹوکرا اور اس پر لوٹا رکھ کر چلے تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟

سوال...... گویا اس بار آپ کی ان سے ملاقات نہیں ہو رہی؟

پیر صاحب...... مسلم لیگ کے صدر سے شاید ملاقات ہو جائے۔

سوال...... وزیراعظم اور مسٹر لالیکا کے خلاف ریفرنس کے حوالے سے عدالت کا فیصلہ بھی آ گیا ہے۔

پیر صاحب...... عدالت نے جو فیصلہ دیا' وہ فائنل ہے۔ ہم تو بھٹو صاحب کی عدالت کے فیصلوں کو بھی قبول کرتے ہیں۔

سوال...... مگر آپ نے تو وفاقی وزیر انصاف پر سارا ملبہ ڈال دیا تھا؟

پیر صاحب...... آپ ان کے اس وقت کے بیانات نکال کر دیکھیں اور پھر اپنے سوال کا جواب انہی سے پوچھیں۔ ہم تو نہ انہیں کم عقل کہہ سکتے ہیں اور نہ بد نیت۔ یہ سارا درد سر مورخ کا ہے کہ وہ مغزماری کرتا پھرے اور سرکاری ریکارڈ دیکھ کر فیصلہ کرے۔ ویسے جس ملک میں قائداعظمؒ کی ڈائریاں نقلی چھپ سکتی ہیں' وہاں کا سرکاری ریکارڈ بھی نقلی ہو سکتا ہے۔

سوال..... جن لوگوں نے ڈائریاں تیار کی تھیں' ریکارڈ میں بھی وہی تبدیلی کریں گے؟

پیر صاحب..... ڈائری تو انٹیلی جنس بیورو یا آئی ایس آئی والے بناتے ہیں جبکہ سرکاری ریکارڈ دفتر میں ہوتا ہے۔

سوال..... مسلم لیگ کی موجودہ صورت حال میں آپ اپنی واپسی کی ضرورت محسوس کرتے ہیں یا آپ کالعدم ہی رہیں گے؟

پیر صاحب..... دیکھو بھئی 'بنی مسلم لیگ ہی ہے' چاہے یہ بنائیں یا وہ۔ اگر یہ نہیں بنے گی جو کالعدم ہے' وہ دم والی ہو جائے گی۔

سوال..... گویا کالعدم میں بھی دم آ سکتا ہے۔

پیر صاحب..... دم باری تعالیٰ نکالتا ہے اور ڈالتا ہے۔ ویسے یہ سوال اس سے پوچھیں جو استخارہ کرتا ہے۔ ہم تو نہیں کرتے۔

سوال..... سنا ہے غلام مصطفیٰ جتوئی کی سربراہی میں ایک قومی حکومت بننے والی ہے؟

پیر صاحب..... کہاں؟ کس ملک میں؟ یہاں تو پہلے ہی سے ایک حکومت موجود ہے جو اکثریتی پارٹی کی ہے۔ شیڈو حکومتیں آپ جتنی چاہیں بناتے پھریں۔

سوال..... اکثریتی پارٹی اقلیتی میں بھی تو تبدیل ہو سکتی ہے۔

پیر صاحب..... اس کا جواب آپ اراکین سے پوچھیں کہ ان کی نیت کیا ہے۔

سوال..... پچھلے دنوں آپ نے ریٹائرڈ جنرل ٹکا خان کو جی ایچ کیو کا آدمی قرار دیا تھا؟

پیر صاحب..... جنرل اگر ریٹائرڈ بھی ہو جائے تو جی ایچ کیو سے اس کا تعلق ختم نہیں ہوتا اور ٹکا خان تو ابھی حال ہی میں ریٹائر ہوا ہے۔ اسے واپس بھی بلایا جا سکتا ہے۔

سوال..... مس بے نظیر بھٹو کے غبارے سے ہوا نکل گئی یا ابھی کچھ ہے؟

پیر صاحب..... کوئی غبار اہی نہیں تھا' ہوا کا کیا ذکر کیا جائے۔

سوال..... سندھ کی موجودہ صورت حال کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

پیر صاحب..... یہ صورت حال تو ہمیں مارشل لا حکومت سے ورثے میں ملی تھی ہم تو اسے محض لوریاں دے رہے ہیں۔

سوال..... ایم آر ڈی والے آخر کس کو دھوکا دے رہے ہیں؟

پیر صاحب..... خود کو ہم نے تو ان سے کہا تھا کہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ (قہقہہ لگاتے ہوئے) اگر اس وقت شامل ہو جاتے تو آج ایوان کے اندر موجود ہوتے اور وزارتوں کے لئے لڑ رہے ہوتے۔ اب تو محض کالعدم کے ساتھ آ کر بیٹھ سکتے ہیں۔ یا پھر محمد خان اور اس کی پارٹی کے صوبائی سربراہوں سے رجوع کریں۔

سوال..... صدر ضیاء الحق کے کالعدم صدر بننے کا کوئی امکان تو نہیں؟

پیر صاحب...... صدر ضیا " کالعدم " نہیں ہو سکتے۔ وہ " ریٹائرڈ " ہو سکتے ہیں۔ " کالعدم " تو صرف ہم ہیں۔ کیونکہ باری تعالیٰ ہم پر مہربان ہے اور اس نے ہمیں اکلوتا کالعدم بنا دیا ہے۔

سوال...... ائر مارشل اصغر خان نے چوتھے مارشل لا کی بات کی ہے۔

پیر صاحب...... اصغر خان تو جب سے ریٹائر ہوئے ہیں' ان کے لئے مارشل لا ہی ہے۔ ریٹائرڈ جنرل دوبارہ کبھی عامل نہیں ہو سکتا۔ ایک بار ریٹائر ہو گئے تو چھٹی...... چلے ہوئے کارتوس میں تو دوبارہ بارود بھرا جا سکتا ہے' مگر ریٹائرڈ جنرل کبھی ایکٹو (Active) نہیں ہو سکتا۔

سوال...... ایم آر ڈی میں کوئی ایسا سیاست دان بھی ہے جسے آپ تسلیم کرتے ہوں؟

پیر صاحب...... ایم آر ڈی میں واحد سیاست دان عبدالولی خان ہیں۔ باقی رہی بے نظیر تو وہ بقول اپنے' ابھی سیاست کو سمجھ رہی ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ بات ان سے کرنا چاہتی ہے جو پہلے سے سمجھے ہوئے ہیں۔

سوال...... سندھ کے حوالے سے بنگلہ دیش کا تذکرہ بھی ہو رہا ہے۔ آپ کے خیال میں صورت حال کے قابو میں آنے کا کہاں تک امکان ہے؟

پیر صاحب...... سندھ کی صورت حال قابو میں آنی ہی ہے۔ بنگلہ دیش میں تو دریائے جمنا اور دریائے برہم پترا دو دریا تھے اور یہاں صرف ایک دریائے سندھ ہے۔ (قہقہہ لگاتے ہوئے) ویسے بھی آپ لوگوں کا جھوٹا پانی پینے والا بغاوت کیسے کر سکتا ہے۔ رہے ڈاکو' تو یہ پولیس کی سرپرستی میں سیاسی طور پر برانگیختہ سفیران جمہوریت ہیں۔ جہاں تک صورت حال کے قابو میں آنے کا تعلق ہے' تو یہ بات آپ ہوم سیکرٹری یا وزیر داخلہ سے پوچھیں کیونکہ وہ فائلیں پڑھتے رہتے ہیں۔ ہم تو کچھ بھی نہیں پڑھتے۔

سوال...... آپ اس معاملے میں کوئی کردار ادا کر سکتے ہیں؟

پیر صاحب...... ہم تو کالعدم ہیں اور محض باتیں کرتے ہیں۔ اب یہ الگ بات ہے کہ ہماری بات بھی کسی کسی کو لات بن کر لگ جاتی ہے۔

سوال...... مڈٹرم انتخابات کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

پیر صاحب...... غیر جماعتی انتخاب تو ہو چکا ہے۔ اب جماعتی کے بارے میں حکومت سوچے۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ موجودہ لوگ بھی تو منتخب ہیں۔ ان لوگوں پر اعتراض کرنے والے شوریٰ کے زمانے میں کہاں تھے، حالانکہ وہ نامزد تھی اور پتا نہیں کس کس قسم کے نسب ناموں کو دیکھ کر بنائی گئی تھی؟

سوال...... سوال آپ موجودہ ایوانوں کو مستحکم سمجھتے ہیں؟

پیر صاحب...... غیر جماعتی ایوان میں کوئی استحکام نہیں تھا۔ مگر اس کے جماعتی بننے کے بعد جماعت میں استحکام آ گیا اور اب وہ سیاسی بھی ہوتی جا رہی ہے۔ مطلب یہ کہ نظریہ بھی آتا جا رہا ہے۔

سوال...... صوبہ سرحد میں آئے روز کے دھماکوں پر آپ کا کیا تبصرہ ہے؟

پیر صاحب...... اس علاقے میں تو ہمیشہ دھماکے ہوتے رہتے ہیں۔ وہاں اگر دھماکہ بھی نہ ہو تو کون کہے گا کہ یہ

صوبہ سرحد ہے؟

سوال......ان دھماکوں کے پیچھے کیا ہو سکتا ہے؟

پیر صاحب......اس ملک میں کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں ہوتی۔ حاکموں کو سب پتا ہے۔ آپ کو چاہے ہو یا نہ ہو۔

سوال......صدر ضیاء الحق اور وزیراعظم جونیجو دونوں میں سے آپ کا اشارہ کس کی طرف ہے؟

پیر صاحب......جنرل صاحب فوجی آدمی ہیں اور محمد خان سیاسی۔ دونوں اپنی اپنی جگہ مضبوط ہیں اور اپنے اپنے خاندان پر بھروسا کر رہے ہیں۔ ایک کا خاندان جی ایچ کیو ہے اور دوسرے کا مسلم لیگ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلم لیگ والے کیا فیصلہ کرتے ہیں۔



ہیوی ویٹ اور فیدر ویٹ

یکم اکتوبر ۱۹۸۶

اسلام آباد

سینٹر شاہ مردان شاہ پیر آف پگارا نے کہا ہے کہ آئندہ کسی کو سیاسی اتحاد بنانے کی ضرورت ہوئی تو وہ مس بے نظیر کے ساتھ بنائے گا۔ کیونکہ اسے غلط قرار دیں یا صحیح' مس بھٹو کی ایک سوچ ہے اور وہ تنہا اس کی مالک ہیں۔ جبکہ این پی پی پانچ مختلف سوچوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں اگر کسی ایک سے اتحاد کیا جائے تو دوسرے اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ لے کر الگ ہو جائیں گے۔

پارلیمینٹ کے کیفے ٹیریا میں اخبار نویسوں سے غیر رسمی بات چیت کرتے ہوئے پیر صاحب پگارا نے کہا کہ پنجاب کے حالیہ واقعات اور ان کے اپنے بیانات پر قومی اسمبلی کے اراکین نے جو ردعمل ظاہر کیا ہے' اس کے نتیجے میں وہ ناک آؤٹ نہیں ہوئے اور ۱۹۷۰ء سے لے کر اب تک انہیں ناک آؤٹ کرنے کی جتنی بھی کوششیں کی گئیں' باری تعالٰی نے انہیں ہمیشہ ناکامی سے ہم کنار کیا۔ انہوں نے کہا کہ میرے حالیہ بیانات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک اخبار نے لکھا ہے کہ میں عجیب مصیبت آدمی ہوں۔ جب بھی بولتا ہوں بھگدڑ مچ جاتی ہے۔ اس اخبار نے مجھے یہ مشورہ بھی دیا کہ پنجاب کے معاملات میں مداخلت نہ کروں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ میں نے تو محض چند باتوں کی نشاندہی کی تھی' مگر ہوا یہ کہ ان کے اپنے کردار نے انہیں بھگدڑ میں مبتلا کر دیا۔ حالانکہ میں نے تو یہ بھی نہیں کہا تھا کہ اپنے ووٹروں پر موٹروں سے پھول کیسے برسائے جاتے ہیں "فضل ربی" کس طرح بالٹیوں میں بھر بھر کر تقسیم ہو رہا ہے' وکلاء کی آمدنی میں اضافہ ہو رہا ہے اور جو لوگ کافی دنوں سے بے روزگار چلے آ رہے تھے' اب کیسے انہیں ایک بار پھر دھندے سے لگا دیا گیا ہے۔

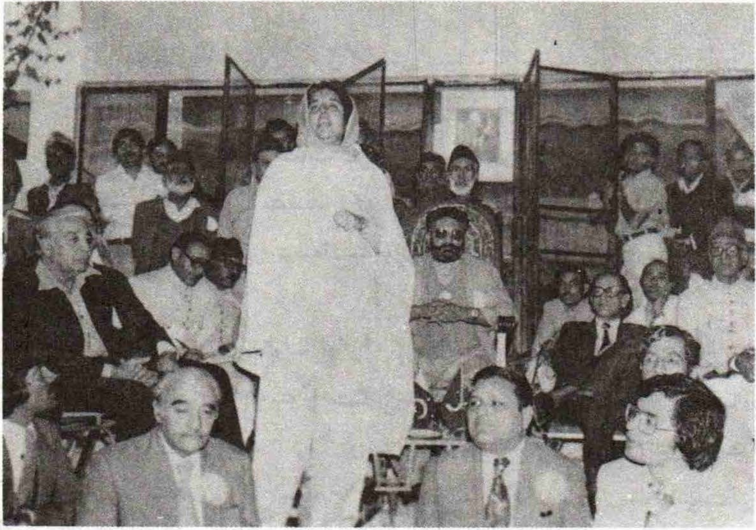
ہمارا مقصد تو محض یہ بتانا تھا کہ اگر سندھ میں گڑبڑ ہو تو پنجاب اس سے متاثر نہیں ہوتا مگر پنجاب کے فرقہ وارانہ فسادات کے نتیجے میں سندھ کے اندر جو آگ بھڑک سکتی ہے' وہ سینکڑوں کے خون سے بھی نہیں بجھے گی۔ میں اپنے ساتھ کوئی امیدوار تو لے کر نہیں آیا تھا اور نہ میں نے ایسی کوئی بات کی تھی مگر ہوا یہ کہ ادھر بھگدڑ مچ گئی اور اب جو لوگ رو رہے ہیں' وہ ہماری محبت میں نہیں بلکہ اپنی تکالیف کی وجہ سے رو رہے ہیں قانونِ الٰہی یہی ہے کہ ہر شخص خود اپنے کردار کے ہاتھوں مارا جاتا ہے۔ اب یہ بات جنرل صاحب جانیں کہ کون کب جاتا ہے اور کب دوسرا آتا ہے۔ میں تو صرف یہ بتا سکتا ہوں کہ جانے والا بھی ان کا ہے اور آنے والا بھی انہی کا دوست ہو گا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ کسی کے جانے پر لوگ مٹھائی تقسیم کریں گے تو کسی کے جانے سے تازہ ترد روبست کی ضرورت

محسوس ہو گی۔ ہم نے تو سوچ کی دعوت دی تھی، بھلا زئی نہیں۔ اب ہم نے تو زبان ہلا دی اور چلے بھی جائیں گے مگر کسی نہ کسی کو اس کے لئے بھگتنا ضرور پڑے گا۔

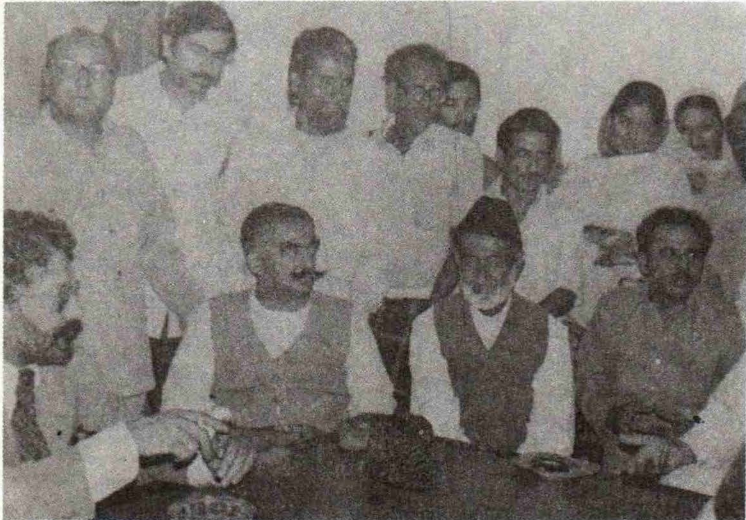
انہوں نے کہا کہ فوج کی کتاب میں لکھا ہے کہ سندھی نان مارشل لوگ ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ہم دور سے لاٹھی دیکھ کر ہی بچاؤ کی تدبیر کرنے لگتے ہیں۔ میں نے اپنے حالیہ بیانات کے ذریعے جس معاملے کی شروعات کی ہے اسے انتہا سمجھنے والے غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اب جو معاملہ شروع ہوا ہے وہ چلتا ہی رہے گا۔ اپوزیشن بڑھنے کے علاوہ نئے امیدوار بھی سامنے آنے لگیں گے اور خرید کر دوست بنانے کا جو سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا ہے، اب یہ روزمرہ بن جائے گا اور ایسے بہت سے دن آئیں گے جب انہیں خریدے ہوؤں کو دوبارہ سہ بارہ خریدتے رہنا پڑے گا۔ ہم نے پنجاب کے معاملات میں مداخلت نہیں کی بلکہ صرف اتنا کہا کہ فرقہ پرستی مت کرو۔ پنجاب سے پانی کے ساتھ ساتھ فسادات بھی ہماری طرف منتقل نہ کرو۔ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ کا تصادم نہ کراؤ۔ مگر انہوں نے میری باتوں پر غور کرنے کی بجائے بھاگنا شروع کر دیا۔

پیر صاحب نے کہا کہ ننگے سر والے آدمی سے لڑنے میں سب سے بڑی خرابی یہ ہوتی ہے کہ خود آپ کی اپنی دستار بھی گر جاتی ہے۔ اور میرا تو یہ عالم ہے کہ میں اسی طرح کالعدم ہو چکا ہوں جیسے حضرت عیسیٰؑ چوتھے آسمان پر بیٹھے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ان میں دوسروں کا سچ سننے کی تاب بالکل نہیں۔ مگر کالعدم ہونے کا مطلب یہ تو نہیں کہ میرا دماغ کالعدم ہو گیا ہے۔ اسی لئے میں اغلاط کی بروقت نشان دہی کرتا ہوں۔ ان کا جھگڑا میرے ساتھ نہیں بلکہ خود اپنے درمیان ہے، اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ جھگڑا بڑھے گا۔ میں خود بھی دو اخبارات کا مالک ہوں۔ اس لئے پہلی بار اداریہ نویس کلرک سے بات کرنے کے بعد خود فاضل مدیر کی خدمت میں بھی بعض حقائق پیش کر دیئے۔ جسے میں نے فیدرویٹ قرار دیا تھا، وہ تو اس سے بھی گیا گزرا نکلا اور اب نہ وہ زمین پر ہے نہ آسمان پر۔ کیونکہ فیدرویٹ اسے کہتے ہیں جس کے وزن میں استقلال نہ ہو۔ آپ نے دیکھا کہ وہ کس طرح اُڑتا پھر رہا تھا۔

پیر صاحب نے کہا کہ بلے اور چوہے کے کھیل میں چوہا کبھی شکست نہیں کھا سکتا، کیونکہ منطق اور دلیل کے مقابلے میں طاقت کو کبھی فتح حاصل نہیں ہوئی۔ سب سے خطرناک چیز آئیڈیا ہوتی ہے کہ پہلے لوگ سوچتے ہیں پھر اس سوچ پر عمل شروع کر دیتے ہیں۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ کس نے ٹھوکر کھائی، مگر یہ ضرور کہوں گا کہ ٹھوکر کھا کر سنبھلنے والے آخر کار عمل پر ضرور اتر آتے ہیں اور حالات کو تبدیل کر کے رکھ دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ این پی پی میں ہر کوئی اپنی اپنی ہواؤں میں اڑ رہا ہے اور میں تو بڑا خوش ہوں کہ کالعدم زندگی گزار رہا ہوں۔ جتوئی سے بھی یہی کہا تھا کہ تم ایک کالعدم غیر رجسٹرڈ شدہ جماعت کے کالعدم رکن ہو اس لئے میرے ساتھ آؤ تاکہ ہم کالعدم سیاست دانوں کا ایک متحدہ محاذ تشکیل دیں۔ مگر اس نے میری بات نہیں مانی کیونکہ کامن سینس کی بات نہ اس کی سمجھ میں آتی ہے نہ ہمارے پرانے کالعدم سیکرٹری جنرل اسے سمجھ سکتے ہیں۔ اور میں آرام سے بیٹھا انہیں "موراوور" کرتا رہتا ہوں۔ غلام مصطفیٰ کھر کے بارے میں پیر صاحب نے کہا کہ وہ جس کا مہمان ہے یا تو



جب مسلم لیگ دو حصوں میں تقسیم ہوئی' کراچی میں مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت پیر صاحب پگارا نے کی' شرکاء میں مخدوم زادہ حسن محمود (مرحوم) رانا محمد اشرف' نواب محمد یامین خان اور ایس ایم ظفر نمایاں ہیں۔ بیگم ریحانہ علیم مشہدی (موجودہ ایم این اے) خطاب کر رہی ہیں



مسلم لیگ کے اجلاس کراچی کی ایک اور تصویر

اس کے گھر میں رہے یا اس کے خرچے پر سرکاری مہمان بن کر رہے۔ پیر صاحب نے کہا کہ جماعتی بنیادوں پر منعقد ہونے والے آئندہ انتخابات میں مسلم لیگ سب سے بڑی سیاسی قوت بن کر ابھرے گی۔ جب کہ پیپلز پارٹی کی حیثیت نمبر دو کی ہوگی۔ اب یہ الگ بات ہے کہ اس نمبر دو کا نمبر ون سے مقابلہ اسی طرح ہو گا جس طرح آج کل جماعت اسلامی کا مسلم لیگ سے ہے۔ آئندہ انتخابات کے بعد ہر بات میری مرضی سے چلے گی اور ہم ریفرنڈیم کے ذریعے حاصل شدہ اختیارات کے ذریعے تبدیل شدہ آئین کی بہت سی شقیں حسب دلخواہ درست کریں گے۔

پیر صاحب نے کہا کہ مڈ ٹرم تو ایک طرف، وہ فل ٹرم میں بھی اضافہ چاہتے ہیں کیونکہ انہیں بڑی مشکل سے سینٹر بننے کا موقع ملا ہے۔ جبکہ وہ ۱۹۵۱ء سے سیاست میں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں ہمیشہ لوگوں کی عزت کرتا اور ان سے عزت کرواتا ہوں اور ضرورت مند کی دستگیری کے لئے ہاتھ بھی بڑھاتا ہوں۔ مگر جہاں تک فیدرویٹ کا تعلق ہے وہ پہلے بھگدڑ سے فارغ ہو کر دم لے اور سانس درست کر لے کیونکہ اس کے وزن کے حساب سے اس کی سانس پھول چکی ہے۔



۱۹۵

شکست و ریخت

پی این اے سے مسلم لیگ کی علیحدگی کا شاخسانہ۔ مسلم لیگ کے اندرونی اختلافات اور اپنے خلاف تحریک عدم اعتماد کے بارے میں پیر صاحب کے بیانات۔



۲اگست ۷۷ ۱۹ء

لاہور

پاکستان مسلم لیگ کے صدر اور قومی اتحاد کے مرکزی پارلیمانی بورڈ کے سربراہ پیر صاحب پگارا نے بتایا ہے کہ قومی اتحاد میں شامل جماعتوں کو ہدایات جاری کی گئی ہیں کہ وہ قومی و صوبائی اسمبلیوں کے لئے اپنے امیدواروں کے مخصوص کوٹے کے مطابق ٹکٹ جاری کر دیں تاکہ مقررہ وقت کے اندر اندر کاغذات نامزدگی داخل کئے جاسکیں۔ انہوں نے کہا کہ سندھ کے سوا کسی صوبے میں ایسے کسی شخص کو پی این اے کا ٹکٹ جاری نہیں کیا جائے گا جو قومی اتحاد کی کسی جماعت میں شامل نہیں ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ پی این اے کا ٹکٹ صرف اسی کو ملے گا جو پی این کی کسی جماعت میں شامل ہو گا اور جس کی سفارش صوبائی پارلیمانی بورڈ سے آئے گی۔ البتہ سندھ میں آزاد امیدواروں کو بھی ٹکٹ دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ لیکن اس اصول کو کسی دوسرے صوبے میں نہیں اپنایا جائے گا۔

ان سے پوچھا گیا کہ کہ مسٹر بھٹو نے لاڑکانہ میں آپ کے مقابلہ میں اپنی بیگم کو کھڑا کرنے کا فیصلہ کیا ہے ' آپ کا اس بارے میں کیا ردعمل ہے؟ پیر صاحب نے کہا کہ ووٹ تو عوام نے دینا ہے۔ اگر وہ مسلم لیگ اور نظریہ پاکستان پر یقین رکھتے ہیں تو ہمیں ووٹ دیں گے لیکن اگر وہ کسی اور نظریہ پر یقین رکھتے ہیں تو ہمارے مدمقابل کے حق میں اپنی رائے کا اظہار کریں گے انہوں نے کہا بیگم نصرت بھٹو کو کھڑا کرنے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا کیوں کہ بھٹو خاندان کی ایک اپنی آئیڈیالوجی ہے۔ اور لوگوں نے تو ووٹ دینا ہے ' خواہ میاں ہو یا بیوی۔ جہاں تک میرا تعلق ہے۔ میرے مقابلے میں کوئی بھی کھڑا ہو ' مجھے فرق نہیں پڑتا۔ میں بیگم بھٹو کو کھڑا کرنے کے فیصلے پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا کیوں کہ سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بھٹو صاحب الیکشن لڑتے بھی ہیں یا نہیں۔

پیر صاحب کی توجہ بھٹو صاحب کے اس بیان کی طرف دلائی گئی کہ اگر الیکشن منصفانہ نہ ہوئے تو وہ ایسے الیکشن کو "ٹھڈا" مار دیں گے۔ پیر صاحب نے کہا کہ مسٹر بھٹو کو ایسے الیکشن کو "ٹھڈا" مارنا ہی پڑے گا جو ان کے اپنے اسٹائل کا نہ ہو۔ وہ تو صرف اپنے اسٹائل کا الیکشن مانتے ہیں۔ اور اگر انہی کے اسٹائل کا الیکشن دوبارہ کرانا ہو تا تو مارشل لا حکام کو الیکشن کا وعدہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟



۴اگست ۷۷ ۱۹ء

کراچی

پاکستان قومی اتحاد کے رہنما اور پاکستان مسلم لیگ کے سربراہ پیر صاحب پگارا نے کہا ہے کہ انتخابات میں

قومی اتحاد کی کامیابی کے بعد ملک میں قومی حکومت تشکیل دی جائے گی' اور نو سیاسی جماعتوں کا اتحاد برقرار رہے گا۔ انہوں نے کہا کہ سندھ کے عوام قومی اتحاد کے ساتھ ہیں اور ہم دیگر صوبوں سے مساوی سلوک کرتے ہوئے انہیں منصفانہ حقوق دلوائیں گے۔ پیر صاحب نے کہا کہ بھٹو صاحب اب سندھیوں کے حقوق کی بات کرتے ہیں 'مگر جی ایم سید سے پوچھئے کہ مسٹر بھٹو سے سندھیوں کو فائدہ ہوا یا نقصان۔

مسٹر بھٹو کے اس بیان کے بارے میں کہ پیر صاحب پگارا کے بزرگوں نے انہیں انتخابات میں حصہ نہ لینے کی وصیت کی تھی' پیر صاحب نے کہا کہ مجھے تو ایسا کوئی وصیت نامہ نہیں ملا۔ اگر بھٹو صاحب کے پاس ہو تو بھجوا دیں۔ انہوں نے کہا کہ لاڑکانہ کے لوگوں نے مجھے بھٹو کے مقابلے میں الیکشن لڑنے کا حکم دیا' جس پر میں نے رضامندی ظاہر کر دی ہے۔



۱۵ اکتوبر ۱۹۷۸ء

اسلام آباد

پاکستان مسلم لیگ کے سربراہ پیر صاحب پگارا نے کہا ہے کہ مستقبل قریب میں صوبوں میں سول حکومتوں کے قیام کا کوئی امکان نظر نہیں آتا البتہ کاغذی کارروائی ہوتی رہے گی۔ آج شب قومی اتحاد کی مرکزی کونسل کے اجلاس کے بعد انہوں نے کہا کہ جب وقت آئے گا تو ہر جماعت قومی اتحاد سے علیحدہ ہو جائے گی کیونکہ حقائق کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔ پیر صاحب پگارا نے کہا کہ ہم قومی حکومت میں اس یقین دہانی پر شامل ہوئے تھے کہ صوبوں میں بھی سول حکومتیں قائم ہوں گی۔ اس سلسلے میں سربراہ مملکت سے بات ہوئی ہے اور مرکزی کونسل کے رہنما اس پر غور کر رہے ہیں۔ مگر یہ بات واضح ہے کہ اگر حکومت صوبائی حکومتوں کے بارے میں اپنی یقین دہانی سے پیچھے ہٹ جاتی ہے تو پھر دوسرے کو بھی پیچھے ہٹنے کا حق ہے۔ انہوں نے کہا کہ جہاں تک مسلم لیگی وزراء کا تعلق ہے' وہ حالات کے مطابق اپنے فرائض ٹھیک انجام دے رہے ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا ان وزراء کے پاس اختیار بھی ہے اور کیا وہ اس سے مطمئن بھی ہیں' تو پیر صاحب نے ہنستے ہوئے جواب دیا کہ مسلم لیگ کے وزیر اختیار سے مطمئن ہوں یا نہ ہوں اپنی جان سے تو مطمئن ہیں۔



۲۵ اکتوبر ۱۹۷۷ء

کراچی

پاکستان مسلم لیگ کے صدر پیر پگارا نے کہا ہے کہ لاہور میں ۲ نومبر کو مسلم لیگ کی قسمت اور ملک میں آئندہ بننے والے سیاسی نقشے کا فیصلہ ہو جائے گا۔ وہ آج دوپہر اپنی قیام گاہ پر ایک پرہجوم پریس کانفرنس میں

مختلف سوالات کا جواب دے رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان قومی اتحاد کی اب ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس معاملے میں قومی اتحاد کے صدر مولانا مفتی محمود میرے ہم خیال ہیں۔ ملک میں عام انتخابات کے پیش نظر ایک سیاسی اتحاد ہو گا جس میں مسلم لیگ، جمعیت العلمائے اسلام اور جمعیت العلمائے پاکستان شامل ہوں گی۔ ضرورت پڑی تو اس اتحاد میں جماعت اسلامی کو بھی شریک کیا جائے گا۔ مسٹر ولی خان بھی یہ بات کہہ چکے ہیں کہ سیاسی جماعتوں کے دوبارہ گروپ بنانے چاہئیں اور اگر ملک میں جمہوریت بحال ہونی ہے تو اس کے لئے ایک قابل عمل سیاسی اتحاد کا قیام ضروری ہے۔ ۲ نومبر کو اس بات کا فیصلہ ہو جائے گا کہ ہم مسلم لیگ میں رہتے ہیں یا جاتے ہیں۔ اگر ہمیں رہنا ہے تو حساب کتاب دیں گے اور پھر ہمیں لمبے عرصے تک رہنا ہے اور پارٹی کو کنٹرول میں رکھنا ہے۔

انہوں نے کہا کہ پنجاب والوں کو فیصلہ کرنا ہے کہ کیا دباؤ کے ایسے حالات میں وہ چھوٹے صوبوں کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ میں مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں شرکت کر کے تمام باتوں کے جوابات دوں گا۔ میں نے تو پہلے ہی جنرل ضیاء الحق سے کہہ دیا تھا کہ سال رواں کے آخر تک مسلم لیگ چھوڑ دوں گا اور جانے سے پہلے حساب کتاب دے کر جاؤں گا۔ لیکن اب بعض وزیر صاحبان میرے خلاف عدم اعتماد کی تحریک میں جنرل ضیاء الحق صاحب کا نام بھی ملوث کر رہے ہیں، اور سننے میں آیا ہے کہ وفاقی وزراء مسٹر زاہد سرفراز اور چودھری ظہور الٰہی یہ بات کہہ رہے ہیں۔ مگر میں اس بات پر یقین نہیں رکھتا، کیونکہ میں نے جنرل صاحب سے کہہ دیا تھا کہ اس سال کے آخر تک صدارت چھوڑ دوں گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم پیسے بھی خرچ کریں اور گالیاں بھی کھائیں۔ اگر میں صدارت چھوڑ دیتا تو جانشینی کا مسئلہ میرا درد سر نہ ہوتا۔

پیر صاحب سے پوچھا گیا کہ جو دو وفاقی وزراء تحریک عدم اعتماد کے سلسلے میں جنرل ضیاء الحق کا نام لیتے ہیں، اس کے بارے میں آپ کیا اقدامات کریں گے۔ انہوں نے جواب دیا، ہم یہ کام جنرل صاحب پر چھوڑتے ہیں کہ آیا وہ ان وزیروں کو برطرف کرتے ہیں یا ساتھی بنا کر رکھتے ہیں۔ جب ان سے کہا گیا کہ یہ وزراء تو خود ان کے اپنے نامزد کردہ ہیں تو پیر صاحب نے جواب دیا کہ انہیں پہلے دن ہی سے ان پر اعتماد نہیں تھا۔ وزیروں کے ناموں کی جو فہرست پیش کی گئی تھی ان میں رانا خداداد، حسن محمود اور حسن اے شیخ شامل تھے۔ مگر ان میں سے کسی کو نہیں لیا گیا۔ البتہ دوسرے لوگ وزیر بنا دیئے گئے۔

ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے حال ہی میں بیان دیا تھا کہ مسلم لیگ قومی اتحاد سے الگ ہو جائے گی، اس کی وضاحت کیجئے۔ پیر پگارا نے کہا کہ پی این اے میں رہنا یا نہ رہنا اور بات ہے۔ ہمیں تو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ ملا ہے۔ پھر اللہ نے اپنے فضل سے مواقع بھی دیئے ہیں۔ بسا اوقات مجھے فوری طور پر فیصلے کرنے پڑے جو میں نے پیر پگارا کی حیثیت سے کئے، اور بعد میں انہیں مسلم لیگ اور پی این اے سے منوایا۔ اب صورتحال یہ ہے کہ میرے خیال میں پی این اے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ خود پی این اے کے صدر مولانا مفتی محمود بھی میرے ہم خیال ہیں اور قومی اتحاد کے ڈھانچے پر یقین نہیں رکھتے۔ ولی خان بھی کہہ چکے ہیں کہ ملک میں پارٹیوں کی

از سرنو گروپ بندی ہونی چاہئے۔ چنانچہ اب ملک میں جمہوریت ہوتی ہے تو قابل عمل اتحاد قائم کرنا ہو گا۔ یہ اتحاد ہم خیال جماعتوں کا ہی ہو سکتا ہے۔ جمعیت العلمائے اسلام ' مسلم لیگ اور جمعیت العلمائے پاکستان ہم خیال پارٹیاں ہیں۔ ان کا قابل عمل اتحاد قائم ہو سکتا ہے۔ ضرورت پڑے تو جماعت اسلامی کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔

ان سے پوچھا گیا کہ جمعیت العلمائے اسلام اور جمعیت العلمائے پاکستان کے درمیان تو عقائد کے اعتبار سے بڑا فرق ہے۔ اتحاد کیسے ہو گا؟ انہوں نے کہا کہ یہ عقائد کا نہیں ' سیاست کا اتحاد ہے۔ کیونکہ مقاصد جتنے کم ہوں گے اتحاد اتنا ہی مستحکم ہو گا۔ تحریک استقلال کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ تحریک میں استقلال ہے ہی نہیں ' بات کس سے کریں؟ انہوں نے کہا کہ وقت آنے پر جب یہ اتحاد قائم ہو گا تو اس سے پہلے ہم سب مل کر بیٹھیں گے اور ایک ضابطہ اخلاق مرتب کریں گے۔ ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ این ڈی پی کو اس اتحاد میں شامل کرنے سے تو نقشہ ہی بدل جائے گا۔ اس استفسار پر کہ کیا ان کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک میں اوپر سے کسی کا اشارہ بھی شامل ہے ' پیر صاحب نے جواب دیا " وہ مجھے نکال کر صدر نہیں بن سکتے " ۔ ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ جنرل صاحب سے میری ملاقات بطور پیر پگارا ہوئی تھی ' بطور صدر مسلم لیگ نہیں۔ آج لوگ مسلم لیگیں بنانے کے چکر میں ہیں ' مگر اب یہ سلسلہ چل نہیں سکتا۔ اگر اس میں کامیابی کی کوئی گنجائش ہوتی تو خان قیوم اپنی پارٹی ختم کر کے ہماری مسلم لیگ میں اسے ضم نہ کرتے۔ پھر ایک بات یہ سمجھ میں نہیں آئی کہ جب وہ ہمارے ساتھ ایک ہو گئے تو انہیں دورہ اور وہ بھی تبلیغی دورہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

ان سے سوال کیا گیا کہ صدر پاکستان نے قومی اتحاد میں شریک جماعتوں کو ایک پارٹی بن جانے کا مشورہ دیا ہے۔ پیر صاحب نے جواب دیا کہ نہ تو سب پارٹیوں کی ایک پارٹی بن سکتی ہے اور نہ اس کا کوئی فائدہ ہو گا البتہ پلیٹ فارم ایک ہو سکتا ہے۔ جنرل صاحب کے ذہن میں غالباً ایک پلیٹ فارم ہی کا خیال ہو گا۔ ان سے کہا گیا کہ جنرل صاحب پی این اے کو ' تمام پارٹیوں کے ایک ہو جانے پر ' اقتدار سونپنا چاہتے ہیں۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا ' اس مسئلے پر میری جنرل صاحب سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ البتہ نظریہ ضرورت باوا آدم کے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ جو کام ضروری ہو گا ' وہ تو کیا ہی جائے گا۔ ان سے پوچھا گیا کہ اب آپ کے خیال میں عام انتخابات کب ہوں گے؟۔ پیر صاحب نے کہا ہمیں جلدی نہیں۔ انتخابات ہو ہی جائیں گے۔ لیکن ۱۹۸۱ء میں ہوں تو ہمارے لئے ٹھیک رہیں گے۔ تاہم یہ آئندہ سال اکتوبر میں بھی ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا ' یاد رکھئے ' الیکشن جب ہوں گے ' مسلم لیگ منظم ہو جائے گی۔ ہم ایک ہی مسلم لیگ کو تسلیم کریں گے ' اور یہ وہ ہو گی جس میں ہم ہوں گے ' اور یہی مسلم لیگ چلے گی۔

ان سے پوچھا گیا کہ وہ حکومت میں شریک وزیروں کو واپس بلا لیں گے تو پیر صاحب نے کہا کہ لوگ حکومت میں شریک ہونے کے لئے جاتے ہیں ' اس کو چھوڑنے کے لئے نہیں۔ ان سے کہا گیا کہ جماعت اسلامی نے تو

ان کی پارٹی میں گڑبڑ نہیں کرائی' تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کا اس معاملے سے واسطہ نہیں۔ تاہم جماعت کے کارکن سکھائے پڑھائے اور تنخواہ دار ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ زیادہ منظم ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ ان کے مجوزہ اتحاد میں پاکستان جمہوری پارٹی کا کوئی ذکر نہیں۔ پیر صاحب نے جواب دیا کہ یہ پارٹی آ جائے گی تو شعرو شاعری اور حصے کی کمی پوری ہو جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ جماعت اسلامی کو ارباب اختیار کے ساتھ گہرے تعاون سے کیا ملا وہ لوگوں کے مذاہب پر قبضے میں فیل ہو گئے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے' ہماری پالیسی ہر حال میں جی ایچ کیو کے ساتھ رہی ہے۔ پہلے بھی جی ایچ کیو اور پیر پگارا کے درمیان تعاون تھا آئندہ بھی رہے گا۔ بھٹو کے جانے کے بعد ہم نے کہا تھا کہ اب ہم صدر نہیں رہیں گے۔ ہم سے کہا گیا کہ آپ رہیں۔ میں نے پھر کہا کہ میرا استعفا قبول کیا جائے۔ مگر قبول نہیں کیا گیا۔ میں خود ذمہ دار شخص ہوں۔ پالیسی خود بناتا ہوں۔ میں نے مسلم لیگ کو حکومت میں شامل کرایا۔ پی این اے سے بھی بات منوائی۔ مگر میرے سارے فیصلے پیر پگارا کی حیثیت سے ہوئے۔ جی ایچ کیو اور پیر پگارا کا تعلق دیرپا ہے اور رہے گا۔ کیونکہ اس میں لین دین نہیں ہے۔

چودھری ظہور الٰہی کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ جمعدار تھے۔ اپنی حیثیت بھول گئے۔ ان سے پوچھا گیا کہ بڑے اور چھوٹے صوبے کی تفریق دور کرنے کے لئے از سر نو صوبے بنانے کے بارے میں کیا خیال ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ انتظامی معاملہ ہے اور کرنے کی بات ہے۔ اس سوال پر کہ اگر ۲ نومبر کو آپ کے خلاف فیصلہ ہوا تو آپ کیا کریں گے' پیر صاحب نے جواب دیا کہ سیاست میں جتنا اب ہوں اتنا ہی رہوں گا۔ لیکن اگر خراب لوگ آتے رہے تو تباہی آئے گی۔ آپ خود سوچئے کہ ملک قاسم اور چودھری ظہور الٰہی جیسے لوگ مسلم لیگ میں رہے تو کیا ہو گا۔ چھوٹے صوبوں اور بڑے صوبوں کے درمیان کون سا سیاسی' اقتصادی' سماجی نقطہ اتحاد ہو گا۔ پیر پگارا نے کہا کہ جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی سب سے زیادہ متنازعہ شخصیت ہیں' اور اس کی وجہ ان کے مذہبی خیالات ہیں۔



۵ رنومبر ۱۹۷۸ء

لاہور

پاکستان مسلم لیگ کے سربراہ پیر پگارا نے دو وفاقی وزراء چودھری ظہور الٰہی اور میاں زاہد سرفراز سمیت سات ارکان کو پارٹی کی مجلس عاملہ سے نکال دیا ہے۔ ان میں کیپٹن اختر ایوب' نواب ذوالفقار علی ممدوٹ' مسٹر ہارون احمد' مسز زین نورانی اور کاظم علی شاہ شامل ہیں۔ پیر صاحب نے آج مسلم لیگ ہاؤس میں ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ مجلس عاملہ کے تمام ارکان میرے نامزد کردہ ہیں جنہیں میں اپنی رہنمائی اور مدد کے لئے نامزد کرتا ہوں۔ مگر سات ارکان کو مجھ پر اعتماد نہیں اس لئے میں بھی ان پر اعتماد نہیں کر سکتا اور انہیں مجلس عاملہ سے خارج کرتا ہوں۔ یہ انتقامی نہیں انتظامی کارروائی ہے۔ میں مسلم لیگ کو پاک صاف اور اچھی جماعت بنانے کے لئے

انتظامی کارروائی کرتا رہوں گا۔ اگر مسلم لیگ کو ملک گیر اور قومی جماعت بنانا ہے تو پھر بعض اقدامات کرنے پڑیں گے۔

انہوں نے کہا کہ وزراء کے سوا تمام کونسلر اور کارکن میرے ساتھ تھے۔ مجھے کراچی کے ان کونسلروں اور کارکنوں سے ہمدردی ہے، جنہیں مسلم لیگ ہاؤس کے کمروں میں پیٹا اور لوٹا گیا۔ یہ لوگ پہلی بار مسلم لیگ ہاؤس میں آکر نہیں ٹھہرے تھے بلکہ جب بھی وہ یہاں آتے تھے یہیں ٹھہرتے تھے مگر اس بار انہیں مار پیٹ کر نکال دیا گیا۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ میں مسلم لیگ کو اس حالت سے بہتر صورت میں مسلم لیگیوں کے حوالے کر کے گھر چلا جاؤں گا جس میں یہ مجھے ملی تھی۔ لیکن خدا کو یہ منظور نہیں تھا کہ میں اسے "سپر سمجھ دار ایمان دار اور مقبول لوگوں" کے سپرد کر کے چلا جاؤں۔ عاملہ کے ارکان میرے جی حضوری نہیں بلکہ وہ اپنی سیاسی حیثیت کی بنا پر ممبر ہیں۔ جو نئے رکن نامزد کئے جائیں گے وہ ایسے ہی مسلم لیگی ہوں گے جو باشعور اور اپنے علاقوں میں با اثر ہوں گے۔ مسلم لیگ کے آئین کے تحت مجلس عاملہ کے رکن کے لئے کونسلر ہونا ضروری ہے۔ لیکن اگر وہ کونسلر نہ ہو تو اسے نامزد کیا جاسکتا ہے کیونکہ جماعت کے صدر کو دس کونسلر نامزد کرنے کا اختیار ہے۔ میرے لئے ضروری نہیں کہ میں خارج کئے جانے والے ارکان کو چارج شیٹ جاری کروں۔ ماضی میں تو مجلس عاملہ کے بعض ارکان کی رکنیت اس وقت ختم کی گئی جب وہ مجلس عاملہ کے اجلاس میں شریک تھے۔ مگر میں اتنا بے شرم اور گیا گزرا نہیں کہ ایسا کام کروں۔

ان سے پوچھا گیا کہ مسلم لیگ میں جو صلح صفائی ہوئی کیا وہ آپ کے اس اقدام سے متاثر نہیں ہوگی؟ تو پیر صاحب نے کہا کہ صفائی ہوگی تو صلح ہوگی۔ صفائی کے بغیر صلح کیونکر ہوگی؟ انہوں نے کہا کہ جو سمجھوتا ہوگا، اس کا مجلس عاملہ کے ارکان کی علیحدگی سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم سب نامزد کردہ ہیں۔ کوئی منتخب نہیں۔ اس لئے میں کسی بھی ممبر کو ہٹا سکتا ہوں۔

انہوں نے کہا کہ مسلم لیگ کو ویسی ہی بنایا جائے گا جیسی وہ ہونی چاہئے۔ بعض لوگوں کو مجلس عاملہ میں میرے ساتھ بیٹھنے پر تکلیف تھی میں نے اس تکلیف کو دور کر دیا ہے جب بھی ہم جماعت کی تنظیم کرنا چاہتے ہیں مسلم لیگ میں ہنگامہ شروع ہو جاتا ہے۔ چونکہ میں تنظیم نو کر رہا تھا اس لئے میرے خلاف عدم اعتماد کی تحریک لانے کا فیصلہ کیا گیا۔ ان لوگوں کا مسلم لیگ پر چھا جانے کا ارادہ ہے لیکن وہ کبھی مسلم لیگ پر نہیں چھا سکتے۔ کیونکہ انہی نیک بندوں کی وجہ سے لوگوں نے مسلم لیگ میں آنے سے انکار کیا ہے۔ میرے پاس جماعت کے فنڈز نہیں ہوتے اس لئے مجھ سے کوئی کیا حساب مانگتا۔ ان لوگوں کے پاس جماعت کا صدر بننے کے لائق کوئی شخص نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور اسے صدر بنا لیتے اور میرے گاؤں پیر جو گوٹھ نہ آتے۔

انہوں نے کہا کہ ملک قاسم سے ابھی تک میری ملاقات نہیں ہوئی۔ وہ مجھ سے چھپتا پھرتا ہے۔ میں نے اب تک اس کے ساتھ پدرانہ سلوک کیا ہے۔ وہ حرکتیں کرتا رہا مگر ہم درگزر کرتے رہے۔ وہ بھول گیا ہے کہ باپ کبھی کبھی گردن دبوچ کر پٹائی بھی کر دیتا ہے۔ جب اسے فرصت ہوگی تو ہم اس سے بات کریں گے۔ وہ مسلم

لیگ سے تعاون کرے گا اور اپنی لائن ترک کر کے ہماری لائن پر چلے گا تو سیکرٹری جنرل بن کر اس جماعت میں اپنے لئے ایک اچھا مقام بنالے گا۔ میں سیکرٹری جنرل کو معطل بھی کر سکتا ہوں مگر بعد میں اس کارروائی کو کونسل کے سامنے منظوری کے لئے پیش کرنا ہو گا۔ انہوں نے کہا جب قومی اتحاد نے کابینہ میں شمولیت کا فیصلہ کیا تھا تو جنرل ضیاء الحق نے واضح کر دیا تھا کہ پانچوں مسلم لیگی وزراء قومی اتحاد کی نہیں بلکہ مسلم لیگ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس نے جو فہرست چودھری ظہور الٰہی کو دی تھی اس میں سولہ یا سترہ نام تھے۔ میں چونکہ جلدی میں تھا' اس لئے وہ یہ فہرست صدر صاحب کے پاس لے کر گئے۔ انہوں نے کہا کہ مسلم لیگ ہی ایک ایسی جماعت ہے جو ملک کو چلا سکتی ہے۔ اس لئے جمعیت العلمائے پاکستان بھی ہمارے ساتھ آجائے تو بہتر ہے۔



۲۵ نومبر ۱۹۷۸ء

راولپنڈی

پاکستان مسلم لیگ کے صدر پیر پگارا نے کہا ہے کہ انہوں نے جنرل ضیاء الحق کو مسلم لیگ کا صدر بننے کی پیشکش نہیں کی تھی البتہ ان کے ساتھ ملاقات کے دوران دیگر امور کے علاوہ اس مسئلے کا ذکر بھی آیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ انتخابات جب بھی ہوئے' ان میں مسلم لیگ کامیاب ہوگی اور ہم برسراقتدار آئیں گے۔ تاہم ۱۹۸۱ء تک انتخابات کی کوئی امید نہیں۔ پیر صاحب نے کہا کہ مسلم لیگ کے چاہے کتنے بھی دھڑے بن جائیں' اصلی مسلم لیگ وہی ہوگی جس میں ہم ہوں گے۔ دوسرا گروپ تو ٹھگوں کا ہے۔ ہماری لیگ مسلم لیگ ہوگی جبکہ دوسری ٹھگ لیگ ہوگی۔ ان کے ساتھ کوئی نہیں جائے گا۔ ہماری مسلم لیگ اکثریت سے کامیاب ہوگی اور ہم برسراقتدار آئیں گے۔ چنانچہ عوام کے مایوس ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہوں نے کہا کہ اگر کسی دوسرے دھڑے کو قومی اتحاد میں رکھا گیا تو ہم اسے چھوڑ دیں گے۔ ان سے پوچھا گیا کہ مولانا مفتی محمود مسلم لیگ میں مفاہمت کی کوشش کر رہے ہیں تو پیر صاحب نے کہا کہ دو مسلم لیگیں تو بنا ہی ہیں۔ مفتی صاحب تو تصورات کی باتیں کرتے ہیں۔



۲۹ نومبر ۱۹۷۸ء

کراچی

پاکستان مسلم لیگ پگارا گروپ کے سربراہ پیر پگارا نے کہا ہے کہ ملک میں آئندہ انتخابات اس وقت ہوں گے جب مسلم لیگ الیکشن جیتنے کے قابل ہو جائے گی۔ وہ آج شام پارٹی کی جنرل کونسل کے اجلاس میں اختتامی تقریر کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ تاریخ میں یہ بات یادگار رہے گی کہ وزیروں نے ذاتی عناد کی خاطر پارٹی کو

ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہم بڑے بھائی پنجاب کے شکر گزار ہیں کہ اس نے اپنے "ٹھگوں" کو چھوڑ کر چھوٹے بھائیوں کو اپنایا۔ میں نے ۲ نومبر کو لاہور میں کہا تھا کہ ٹھگوں کا ٹولا اس دن کو یاد کر کے رویا کرے گا اور آج کہتا ہوں کہ ہم شاید نہ ہوں مگر آنے والی نسلیں ۲۹ نومبر کو چراغاں کیا کریں گی کہ اس دن تاریخ ساز فیصلے ہوئے کہ مسلم لیگ نے اپنے آپ کو لٹیروں سے الگ کر لیا۔ ملک قاسم نے کہا تھا کہ کوئی پنجابی مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کے لئے نہیں جائے گا مگر پنجاب کے مسلم لیگی کونسلروں نے یہاں شرکت کر کے تاریخی قدم اٹھایا ہے۔ انہوں نے مانے ہوئے ٹھگوں کو دھتکار کر قوم اور چھوٹے صوبوں کے لئے انصاف کیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ محبت دو طرفہ ہوتی ہے۔ ملک کو اس وقت بحران کا سامنا ہے' سیاسی حالات خراب ہیں مگر ہم سب مل کر حالات کو ٹھیک کریں گے۔ اسلامی نظام باکردار لوگ لایا کرتے ہیں' بے کردار لوگ نہیں۔ اسلامی نظام لانے کے لئے اخلاقی قدروں کو بلند و برتر کرنا ہوتا ہے۔

انہوں نے کہا کہ مسلم لیگ کی آئندہ پالیسی کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں جنرل ضیاء الحق اور پاکستان قومی اتحاد کے لیڈروں سے بات چیت کروں گا۔ پھر جو پالیسی بنی' آپ کو بتاؤں گا۔ میں جی ایچ کیو سے بھی بات کروں گا۔ میں نے ہمیشہ مجلس عاملہ کو اعتماد میں لیا اور مسلم لیگ کے مفاد میں فیصلہ کیا۔ میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ بھٹو صاحب گئے' جنرل ضیاء صاحب آئے مگر حالات میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ آج کے وزیر بھی وہی حرکتیں کر رہے ہیں جو اس وقت بے کردار لوگ کرتے رہے۔ اس معاملے میں زبانی جمع خرچ ناکافی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جنرل ضیاء صاحب اور پی این اے کے لیڈر اپنے عہد کو بھول گئے ہیں۔ بہرحال' باری تعالیٰ کو وہی منظور ہو گا جس میں پاکستان کی اور قوم کی بھلائی ہو گی۔ یاد رکھئے کہ مسلم لیگ حکومت بنائے گی جس کا سربراہ میں ہوں گا۔ ہمیں ایک کرسی کی نہیں' پوری حکومت کی ضرورت ہے۔ آنے والی حکومت میں غلط آدمی کے لئے کوئی کرسی نہیں چھوڑی جائے گی۔ میں آپ کے ساتھ تیز رفتاری سے چلنے کے لئے تیار ہوں۔ سرگرمیاں بڑھائیے۔ میں آپ کے ساتھ باہر نکلنے کے لئے تیار ہوں۔

انہوں نے کابینہ میں شامل بعض مسلم لیگی وزیروں کا نام لئے بغیر کہا کہ مسلم لیگ آپ کو اپنانے کے لئے اور آپ گھر جانے کے لئے تیار نہیں۔ مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں آپ کے ساتھ چمٹا رہوں۔





جنرل کے ایم عارف کا خط

پیر پگارا کے نام

خفیہ............

میجر جنرل کے ایم عارف ستارۂ امتیاز (ملٹری) 'ستارہ بسالت سی ایم ایل اے سیکرٹریٹ راولپنڈی

۵۷/۲۴/سی ایم ایل اے/سی او او آر ڈی

۱۵ دسمبر ۱۹۷۸

بطرف شاہ مردان علی شاہ پیر آف پگارا

مائی ڈیئر پیر آف پگارا

آپ کو یاد ہو گا کہ آپ نے صدر کے ساتھ اپنی ملاقات کے دوران یہ تجویز مان لی تھی کہ صدر مملکت کے دو نامزد افراد پاکستان مسلم لیگ کے دونوں گروپوں کو ایک سیاسی پارٹی کی شکل میں متحد کرنے کی کوشش کیلئے دونوں گروپوں سے ملاقات کریں۔ چودھری محمد حسین چٹھہ نے بھی اس تجویز کو قبول کر لیا ہے

صدر کے دو نمائندوں نے ۱۴ دسمبر ۱۹۷۸ کو آپ اور چودھری محمد حسین چٹھہ سے الگ الگ ملاقاتیں کیں اور دونوں گروپوں کے نقطہ ہائے نظر میں اختلاف کا جائزہ لیا۔ یہ اختلافات صدر کے نوٹس میں لائے گئے اور صدر نے اس بات کی خواہش ظاہر کی ہے کہ اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ کیا یہ دونوں نامزد افراد آپ کی پارٹی کو رضا کارانہ طور پر اپنی مرضی سے اور بغیر کسی پیشگی شرط کے مصالحت کنندگان کے طور پر قبول ہیں۔ آپ اس پیشکش کو قبول کرنے یا مسترد کرنے میں مکمل طور پر آزاد ہیں۔ اگر یہ پیشکش دونوں گروپوں نے قبول کی تو مصالحت کنندگان کو ایک ایسا منصوبہ پیش کرنے کے لئے کہا جائے گا جو حالات کے مطابق انتہائی مناسب اور درست ہو اگر آپ کو یہ پیش کش منظور ہے تو براہ کرم اسکی توثیق کر دیں اس جواب کا ۱۶ دسمبر تک موصول ہونا مستحسن خیال کیا جائے گا۔

گرم جوش احترام کے ساتھ

آپکا مخلص

دستخط

(عارف)

پیر پگارا کا جواب
جنرل کے ایم عارف کے نام

پاکستان مسلم لیگ

خفیہ | فضل القادر بلڈنگ
شاہ مردان علی شاہ | مسلم لیگ ہاؤس
پیر پگارا | ۳۲ ڈیوس روڈ لاہور

۲۹۳ ایف جی۔ ۶/۳
اسلام آباد
۱۵ دسمبر ۱۹۷۸

بطرف میجر جنرل کے ایم عارف ستارہ امتیاز (ملٹری) ستارہ بسالت سی ایم ایل اے سیکرٹریٹ

مائی ڈیئر جنرل عارف!

آپ کے خط ۵۷/۲۴/ سی ایم ایل اے/ سی او او آر ڈی مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۷۸ء کے حوالے سے میں آپ کے ریکارڈ پر یہ بات لانا چاہتا ہوں کہ صدر پاکستان کے ساتھ ۷ ر دسمبر ۱۹۷۸ء کو میری ملاقات کے دوران جس میں آپ بھی موجود تھے پاکستان مسلم لیگ کے اتحاد کا مسئلہ زیر بحث آیا تھا اور میں نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ کسی بھی سیاسی پارٹی کے سلسلے میں باہر کا کوئی مصالحت کنندہ غیر متعلق ہوا کرتا ہے اور یہ کہ اس حوالے سے صرف صدر مملکت ہی کے خیالات قابل قبول ہو سکتے ہیں۔ اس بات پر صدر نے تجویز پیش کی تھی کہ وہ اپنے طور پر ایک کمیٹی قائم کر سکتے ہیں جو کہ دونوں گروپوں کی مصالحتی کمیٹیوں سے ملاقات کرے اور بعد میں صدر کو اس سلسلے میں ممکنہ حل سے آگاہ کرے میں اس بات پر رضامند ہو گیا تھا اس کے مطابق صدر کے نامزد افراد مجوزہ ڈھانچہ کے تحت کام کر سکتے ہیں اور صدر انکی رپورٹ کے مطابق ہمارے ساتھ مشورے کے بعد' اس معاملہ کے بارے میں حتمی فیصلے کر سکتے ہیں۔

گرم جوش احترام کے ساتھ
آپکا
دستخط
(پیر پگارا)

پی این اے کی ترجمانی

پیر صاحب کے وہ بیانات جو انہوں نے پی این اے کے آٹھ ستاروں کی نظر بندی کے دور میں دیئے۔ بھٹو کے خلاف چلنے والی تحریک کے اخباری ریکارڈ میں پی این اے کا موقف۔



راولپنڈی۔ ۳ر مئی ۱۹۷۷ء

پیر صاحب پگارا نے کہا ہے کہ ملک کے موجودہ بحران کو جلد از جلد ختم ہونا چاہئے۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ اس سلسلے میں کل قومی اتحاد کے نائب صدر نواب زادہ نصر اللہ خان اور جنرل سیکرٹری پروفیسر غفور احمد کمبائنڈ ملٹری ہسپتال میں مولانا مفتی محمود سے ملاقات کے لئے بھیجے جا رہے ہیں اور وہ بذات خود بھی اس ملاقات میں شامل ہوں گے۔ انہوں نے بتایا کہ قومی اتحاد نے اپنی تجاویز کو آخری شکل دے دی ہے لیکن انہوں نے ان تجاویز میں قانونی زبان اختیار نہیں کی' کیونکہ ابھی تک قانونی ماہرین یہاں تک نہیں پہنچ سکے۔ انہوں نے بتایا کہ کل صبح قومی اتحاد کی مرکزی کونسل کا اجلاس راولپنڈی میں ہو رہا ہے' جس کی صدارت پنجاب مسلم لیگ کے صدر رانا خداداد کریں گے وہ خود اس اجلاس میں شریک نہیں ہوں گے' کیونکہ وہ اس وقت مولانا مفتی محمود سے مشورے میں مصروف ہوں گے۔

انہوں نے تردید کی کہ قومی اتحاد میں کوئی اختلافات ہیں انہوں نے بتایا کہ قومی اتحاد نے تجاویز پر آج پھر غور کیا اور انہیں آخری شکل دے دی ہے۔ اب اسے قانونی زبان کے ڈھانچے میں ڈھالا جائے گا اور مولانا مفتی محمود سے فیصلہ کر کے وزیر اعظم بھٹو سے بات کی جائے گی' ایک اطلاع کے مطابق مولانا مفتی محمود' پیر پگارا' نواب زادہ نصر اللہ اور پروفیسر غفور احمد سے ملاقات کے بعد حتمی فیصلہ کر کے جواب ایک دو روز تک وزیر اعظم بھٹو کو پیش کر دیا جائے گا۔

اسلام آباد' ۶ر مئی ۱۹۷۷ء

پاکستان قومی اتحاد نے موجودہ سیاسی بحران کے حل کے سلسلے میں وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو سہالہ کیمپ جیل سے ۳ر مئی کو جو تجاویز ارسال کی تھیں' آج ان تجاویز کا متن اخبارات کو جاری کیا گیا۔ یہ متن آج قومی اتحاد کے رہنما پیر پگارا شریف نے اسلام آباد میں اخبار نویسوں سے بات چیت کے دوران جاری کیا۔ قومی اتحاد کی تجاویز پانچ بڑے مطالبات پر مشتمل ہیں۔

تجاویز کا متن۔ ابتدائیہ۔ یہ تجاویز پانچ اجزا پر مشتمل ہیں۔ یعنی (۱) وہ اقدامات جو فوری طور پر کئے جانے چاہئیں۔ (۲) قومی اور صوبائی سطح پر اسمبلیوں کو توڑنے اور ملک میں عام انتخابات منعقد کرانے کے بارے میں (۳) الیکشن کمیشن کی تشکیل نو اور انتخابات سے متعلق انتظامات (۴) پاکستان اور آزاد کشمیر میں مطلوبہ انتظامی اقدامات (۵) جناب بھٹو کا استعفا

(۱) فوری اقدامات۔ (۱) ہنگامی حالات اور مارشل لا کو ختم کر دیا جائے اور آرمی ایکٹ میں کی جانے

والی حالیہ ترامیم واپس لی جائیں (۲) سیاسی سرگرمیوں پر دفعہ ۱۴۴ کے تحت عائد کردہ پابندیوں کو ختم کر دیا جائے (۳) ان تمام سیاسی اسیروں اور نظر بندوں بشمول' وکلاء 'طلباء 'صحافیوں 'مزدوروں اور کسانوں کو رہا کر دیا جائے جن کے خلاف جنوری ۱۹۷۲ء سے ۷ر مارچ ۱۹۷۷ء تک کاروائی کی گئی ہے نیز ان پر قائم کئے ہوئے مقدمات کو واپس لیا جائے۔ (۴) ۷ر مارچ ۱۹۷۷ء سے گرفتار ہونے والے تمام اسیروں اور نظر بندوں کو رہا کر دیا جائے اور ان پر قائم کئے ہوئے مقدمات کو واپس لیا جائے (۵) ان شہداء کے خاندانوں کو معقول معاوضہ کی ادائیگی کی جائے جنہوں نے حالیہ انتخابات کے دوران یا اس کے بعد اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے نیز اس سلسلے میں زخمی ہونے والے افراد کی معقول مالی معاونت کی جائے۔ (۶) بلوچستان میں فروری ۱۹۷۳ء سے بے گھر ہونے والے افراد کی بحالی کے انتظامات اور جاں بحق ہونے والے پسماندگان کی معقول مالی معاونت کی جائے (۷) متفقہ ملکی دستور میں یک طرفہ کی جانے والی ترامیم کو واپس لیا جائے۔ (۸) تمام خصوصی عدالتوں اور ٹریبونلوں کو ختم کر دیا جائے۔ ان سے سزا پانے والے افراد کو رہا کیا جائے نیز ان پر قائم کیئے جانے والے مقدمات کو واپس لیا جائے۔ (۹) پریس اور مطبوعات پر عائد پابندیوں کو ختم کر دیا جائے اور منسوخ شدہ ڈیکلریشنز کو بحال کر دیا جائے۔ (۱۰) ریڈیو' ٹی وی اور ٹرسٹ کے اخبارات کے ذریعے کردار کشی اور پروپیگنڈہ کا سلسلہ بند کیا جائے' ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے فریقین کو اپنی رائے کے اظہار کے مساوی مواقع فراہم کئے جائیں اور انتخابات کے دوران پاکستان ریڈیو اور ٹی وی کے ڈائریکٹروں کے بورڈ میں پاکستان قومی اتحاد کا کم از کم ایک نمائندہ شامل کیا جائے۔ (۱۱) صحت مند ٹریڈ یونین سرگرمیوں پر عائد کردہ تمام پابندیوں کو ختم کیا جائے۔ (۱۲) ایسے تمام سیاسی افراد جنہیں علانیہ یا خفیہ طور پر پاکستان بدر کر دیا گیا ہے' انہیں واپس پاکستان آنے کی اجازت دی جائے۔

۲۔ **اسمبلیوں کا توڑنا۔** (۱) تصفیہ مکمل ہونے کے سات دن کے اندر ضروری لوازمات پورے کر کے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کو توڑ دیا جائے۔ (۲) قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ٹوٹنے سے ۳۰ دن کے اندر مذکورہ اسمبلیوں کے انتخابات ایک ہی دن میں منعقد کرائے جائیں (۳) ممبران سینٹ کے وہ انتخابات کالعدم قرار پائیں جو موجودہ قومی یا صوبائی اسمبلیوں کے ارکان سے کرائے گئے ہیں۔

الیکشن کمیشن۔ (۱) نئے چیف الیکشن کمشنر کا تقرر اور نئے الیکشن کمیشن کی تشکیل باہمی رضامندی سے کی جائے۔ (۲) الیکشن کمیشن اور الیکشن کمشنر کو وہ تمام قانونی اور انتظامی اختیارات دیئے جائیں جن کی مدد سے وہ واقعی آزادانہ' منصفانہ' غیر جانبدارانہ اور قانون کے مطابق انتخابات کرانے اور بدعنوانیوں کے تدارک کے لئے مؤثر تدابیر اختیار کر سکیں۔ (۳) عوامی نمائندگی کے قانون میں وہ تمام ترامیم کی جائیں جن کی نئے چیف الیکشن کمشنر یا الیکشن کمیشن سفارش کرے (۴) مرکزی اور صوبائی عدلیہ چیف الیکشن کمشنر اور الیکشن کمیشن کے

ساتھ ان کے فرائض کی بجا آوری میں تعاون کرنے کی پابند ہوں (۵) چیف الیکشن کمیشن کو اس بات کا قانونی اختیار حاصل ہو کہ وہ سرسری سماعت کے بعد ایسے مرکزی اور صوبائی حکام کے خلاف مئوثر کارروائی کر سکیں جو ان کے احکام کے مطابق کام نہ کریں یا ان کی خلاف ورزی کریں یا ان کے فرائض کی بجا آوری میں ان کے ساتھ تعاون کرنے میں کوتاہی کریں یا انتخابات پر اثر انداز ہونے کے لئے کسی بد عنوانی کا ارتکاب کریں۔ (۶) ریٹرننگ آفیسر عدلیہ سے لئے جائیں (۷) پولنگ اسٹیشنوں پر نظم وضبط قائم رکھنے کی ذمہ داری افواج پاکستان کے سپرد ہو (۸) چیف الیکشن کمشنر اور الیکشن کمیشن کو برطرفی اور سزا دینے کے اختیارات سمیت ہر وہ اختیار حاصل ہو جس سے وہ ہر ایسی مداخلت کا مئوثر سدباب کر سکیں جو انتخابات پر اثر انداز ہونے کے لئے کسی فرد یا سرکاری یا نیم سرکاری ادارے کی جانب سے کی جائے۔ (۹) انتخابی نتائج کا اعلان صرف چیف الیکشن کمشنر کی اجازت کے تحت کیا جائے، غیر سرکاری نتائج کا اعلان بھی اس کی اجازت کے بغیر کسی ذریعہ یا طریقہ سے نہ کیا جائے۔

انتظامی اقدامات۔ (۱) پاکستان کے چاروں صوبوں میں گورنروں کی تقرری باہمی رضامندی کے ساتھ کی جائے اسی طرح بعض کلیدی اسامیوں میں بھی ردوبدل باہمی رضامندی کے ساتھ کیا جائے (۲) صوبائی اسمبلیاں ٹوٹنے کے بعد صوبوں میں گورنر راج قائم کر دیا جائے (۳) بلوچستان میں فوج کو بیرکوں میں واپس بھیج دیا جائے۔

آزاد کشمیر ۔ (۱) آزاد کشمیر کی موجودہ اسمبلی کو توڑ دیا جائے (۲) آزاد کشمیر میں نئے نگران کی تقرری کل جموں و کشمیر کانفرنس کے مشورے سے کی جائے اور اس کو جملہ حکومتی اختیارات حاصل ہوں (۳) آزاد کشمیر کے دستور میں یکطرفہ کی جانے والی ترامیم کو منسوخ کر دیا جائے (۴) آزاد کشمیر کی اسمبلی اور صدر کے عہدہ کے لئے جون ۷۷ ۱۹ء تک نئے انتخابات کرائے جائیں۔ اور اس غرض کے لئے الیکشن کمشنر کی تقرری اور کل انتخابی امور کل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے مشورے سے طے کئے جائیں۔

مسٹر بھٹو کا استعفا

قومی اسمبلی ٹوٹنے کے بعد مسٹر بھٹو وزیر اعظم کے عہدے سے مستعفی ہو جائیں۔

اسلام آباد۔ ۸؍ مئی ۱۹۷۷ء

پاکستان قومی اتحاد کے قائم مقام صدر شاہ مردان شاہ پیر صاحب پگارا نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب

کرتے ہوئے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ آج لاہور سے کراچی روانگی کے وقت وزیراعظم بھٹو نے ائیرپورٹ پر

پریس کانفرنس کے دوران مذاکرات کے سلسلے میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے پانچ پانچ نمائندوں کی شرکت سے سیاسی بحران کا حل پیش کرنے کی جو تجویز پیش کی ہے اس پر عمل ممکن نہیں اور مسٹر بھٹو کو کل تحریری طور پر اس کا تفصیلی جواب مل جائے گا۔

پیر صاحب نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ سیاسی بحران کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ ان کے تین مطالبات تسلیم کر لئے جائیں۔ یعنی وزیراعظم بھٹو کا استعفا' اور قومی اور صوبائی اسمبلیوں کو توڑنا اور الیکشن کمیشن کا استعفا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان قومی اتحاد کی جانب سے جو مطالبات حکومت کو پیش کئے گئے ہیں' ان کی تعداد صرف پانچ ہے۔ باقی ان پانچ مطالبات کی تشریحات ہیں۔ جنہیں طویل مطالبات ٹھہرایا جا رہا ہے۔ گزشتہ مہینے جب مسٹر بھٹو نے کمبائنڈ ملٹری ہسپتال میں مولانا مفتی محمود سے بات چیت کی تھی تو بات چیت کے دوران مولانا مفتی محمود نے وزیراعظم سے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اور دیگر نظربند رہنما پانچ پانچ نمائندوں کی صورت میں مذاکرات نہیں کریں گے۔ مگر آج پھر مسٹر بھٹو نے لاہور میں یہ سوال اٹھا دیا ہے۔

پیر صاحب پگارا نے کہا کہ اب مذاکرات کا وقت گزر چکا ہے اور عوام کی خواہشات کے مطابق مسٹر بھٹو کو یہ تینوں مطالبات تسلیم کرنے ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان قومی اتحاد پر حکومت کی جانب سے یہ الزام عائد کیا جا رہا ہے کہ مظاہروں' جلسوں اور جلوسوں میں شرکت کرنے والوں کو قومی اتحاد کی جانب سے معاوضہ دیا جاتا ہے۔ سیاسی بیداری کے اس دور میں کوئی بھی شخص چند سو کے عوض گولیاں کھانے اور جانیں ضائع کرنے کے لئے تیار نہیں اور اگر حکومت ایسا سمجھتی ہے تو اس کے پاس بھی روپیہ ہے۔ وہ اس کے سہارے ایسے لوگ خرید کر سامنے لائے جو گولیاں کھانے کے لئے تیار ہوں اور اگر ایسا نہیں تو پھر اس قسم کے الزامات نہ لگائے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر بات کرنی ہے تو وزیراعظم کو خود مذاکرات کے لئے آگے آنا چاہئے۔ ہمارے مطالبات اب ہمارے نہیں رہے' عوام کے بن چکے ہیں اور ان تین بنیادی مطالبات میں ردوبدل نہیں ہو سکتا۔ البتہ اسمبلیوں کو توڑنے اور انتخابات کرانے کی مدت کے تعین اور اسمبلیوں کی عدم موجودگی میں حکومت چلانے کے طریق کار پر بات چیت ہو سکتی ہے۔ پیر صاحب نے کہا کہ جمہوری عمل کے لئے آزادانہ اور منصفانہ فضا قائم کرنے کی خاطر یہ ضروری ہے کہ ایمرجنسی ختم کی جائے' ریڈیو' ٹی وی اور اخبارات پر سے پابندی اٹھائی جائے' سیاسی اسیروں کو رہا کیا جائے اور آئین میں کی جانے والی ترامیم ختم کی جائیں۔

۸۰

اسلام آباد۔۱۴ر مئی ۱۹۷۷ء

پاکستان قومی اتحاد کے قائم مقام صدر شاہ مردان شاہ پیر پگارا نے ایک تحریری بیان میں ریفرنڈم کی تجویز کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ تجویز غیر اخلاقی اور مضحکہ خیز ہے اور وزیراعظم کا یہ مفروضہ سراسر غلط ہے کہ

وسیع پیمانے پر بیرونی مداخلت کی وجہ سے نئے انتخابات کے باعث ملک قائم نہیں رہ سکتا۔ انہوں نے کہا کہ انتخابات میں وسیع پیمانے پر دھاندلی ہوئی اور ہمارا عہد ہے کہ ہم اس زیادتی کو ختم کرائیں گے۔ ملک میں اس وقت جو تحریک چل رہی ہے اس میں بیرونی طاقت کا ذرا برابر حصہ نہیں، قومی اتحاد کے تمام رہنما بلا استثنا محب وطن ہیں اور ان کو غیر ملکی ایجنٹ کہنا غلط ہے۔ پیر صاحب نے کہا کہ ریفرنڈم اصل مسئلہ کا صحیح جواب نہیں اصل مسئلہ وہ قومی اسمبلی ہے جو آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کے ذریعے بننی چاہئے۔ موجودہ طریقے سے ریفرنڈم آزاد طریقے سے نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات اور ریفرنڈم کے لیے تیار ہے تو پھر قومی اسمبلی کے انتخابات کیوں نہیں کرائے جاتے جبکہ قومی اسمبلی کے ووٹر وہی ہیں جو ریفرنڈم کے لئے ووٹ دیں گے۔ حکومت کی یہ منطق ناقابل فہم ہے اس لئے اسے قبول نہیں کیا جاسکتا۔

اسلام آباد ۱۵ مئی ۱۹۷۷ء

قومی اتحاد کے قائم مقام سربراہ شاہ مردان شاہ پیر پگارا کو آج شام ۵ بجے سے تین دن کے لئے ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت نظر بند کر دیا گیا ہے۔ انہیں اسلام آباد میں ہل روڈ پر واقع ان کی قیام گاہ پر نظر بند کیا گیا ہے، جہاں وہ گزشتہ دنوں سے مقیم تھے۔ ان کی رہائش گاہ پر مزید پولیس متعین کر دی گئی ہے اور کسی کو ان سے ملنے کی اجازت نہیں۔

کراچی۔ ۱۸ مئی ۱۹۷۷ء

ایک پریس ریلیز میں کہا گیا ہے کہ سانگھڑ شہر میں پیر پگارا کی نظر بندی کا حکم واپس لینے کی خبر سنتے ہی صورت حال معمول پر آ گئی۔ زون اے کے مارشل لا ایڈمنسٹریٹر لفٹننٹ جنرل جہاں زیب ارباب نے آج یہاں ایک پریس ریلیز جاری کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ آج کراچی ڈویژن اور حیدر آباد کی صورت حال مزید بہتر ہو گئی ہے۔

اسلام آباد ۱۸ مئی ۱۹۷۷ء

پاکستان قومی اتحاد کے قائم مقام صدر پیر مردان شاہ پگارا نے جو تین روز نظر بند رہنے کے بعد آج صبح رہا ہوئے، کہا ہے کہ موجودہ صورت حال میں حکومت اور قومی اتحاد کے درمیان مذاکرات کا کوئی امکان نہیں۔ مذاکرات تو صرف ایک ہی صورت میں ہو سکتے ہیں کہ پاکستان قومی اتحاد کے تین بنیادی مطالبات کو تسلیم کر لیا

جائے۔ مگر ساتواں آئینی ترمیمی بل منظور کر کے مذاکرات کے امکانات کو بالکل ختم کر دیا گیا ہے۔ حکومت ریفرنڈم کرا کے دیکھ لے کہ لوگ اس میں کتنا حصہ لیتے ہیں۔ پیر صاحب نے کہا کہ لوگوں کو قید میں رکھ کر مذاکرات کس طرح کئے جاسکتے ہیں۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ تحریک ختم ہو گئی ہے یا کامیابی حاصل کئے بغیر ختم ہو جائے گی تو وہ انتہائی خوش فہمی میں مبتلا ہے۔

پیر صاحب نے کہا کہ میری نظر بندی سے حکومت کو فائدہ بلکہ انتہائی فائدہ ہو سکتا ہے انہوں نے کہا' جب تک مجھے بلایا نہیں جائے گا' میں سہالہ نہیں جاؤں گا کیونکہ وہاں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ مجھے یہ علم نہیں کہ نواب زادہ نصراللہ یا کسی اور رہنما کو سہالہ لایا گیا ہے' تاہم اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اس سلسلے میں قومی اتحاد کی جانب سے کوئی درخواست نہیں کی گئی اور حکومت ان لوگوں کو اکٹھا کر رہی ہے تو اس کا فیصلہ اس نے اپنے طور پر ہی کیا ہو گا۔

پیر صاحب نے کہا کہ موجودہ حکومت آزادانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کرانے کی اہل نہیں۔ انہوں نے اس آرڈیننس کی واپسی پر نکتہ چینی کی جس کے تحت الیکشن کمیشن کو سات دن کے اندر انتخابی بے ضابطگیوں کی تحقیقات کا اختیار دیا گیا تھا۔ یہ اقدام محض اس لیے کیا گیا کہ حکومت قانون کے نفاذ کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ ریفرنڈم میں قومی اتحاد کو شرکت کی دعوت دینا محض دکھاوا ہے اور اسے صیحح طور مسترد کیا گیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ریفرنڈم کی حمایت وہ لوگ کر رہے ہیں جو انتخابی فراڈ میں شامل تھے۔ حکومت آگ سے کھیل رہی ہے جس میں اسے نقصان ہو گا اور نام نہاد ایم این اے اور ایم پی اے عوام کے غیظ و غضب سے نہیں بچ سکیں گے۔ ساتویں ترمیم سب سے زیادہ ظالمانہ اقدام ہے۔ اس سے عدالتی ڈھانچہ ہی تباہ ہو گیا ہے۔ اس ترمیم کے ذریعے ان اقدامات کے کو نظرانداز کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو قانون کی نظر میں قتل کے سوا کچھ نہیں۔ ان اقدامات کی حکومت پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اسے ان کا حساب دینا ہو گا۔ پیر صاحب نے کہا کہ آئین میں ترمیم عقل مند افراد بہتری کے لئے کرتے ہیں نہ کہ عوامی حقوق کو تباہ کرنے کے لئے۔ اور آج کل تو آئین فرد واحد کے تابع ہو کر رہ گیا ہے۔

اسلام آباد ۲۲ر مئی ۱۹۷۷ء

پاکستان قومی اتحاد کے قائم مقام صدر پیر پگارا نے کہا ہے کہ قومی اتحاد ملک میں جلد سے جلد دوبارہ انتخاب چاہتا ہے۔ مگر فی الحال صورتحال جوں کی توں ہے۔ مسٹر بھٹو نے بات چیت کے دروازے بند کر دیئے تھے۔ پھر خود اپنے ہی بقول وہ ریفرنڈم کی صورت میں عوام کے پاس گئے اور اب دوبارہ مذاکرات کے لئے قومی اتحاد کے پاس آئے ہیں۔ گویا مذاکرات کی یہ ضرورت حکومت کو محسوس ہوئی۔ ہم نے تو یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ہم حکومت سے ان

حالات میں جبکہ وہ قومی اتحاد کے بنیادی مطالبات کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں' بات نہیں کریں گے۔ میں اور سردار عبدالقیوم خاں سہالہ گئے تھے اور میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ صورتحال میں کسی کو خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ مسٹر اے۔ کے۔ بروہی سے اپنی ملاقات کے بارے میں پیر پگاڑا نے کہا کہ وہ میرے ذاتی وکیل ہیں اور ان کے ساتھ میری ملاقات کا قومی اتحاد یا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔

اسلام آباد ۲۳ مئی ۱۹۷۷ء

قومی اتحاد کے قائم مقام نائب صدر پیر پگاڑا نے مطالبہ کیا ہے کہ پاکستان قومی اتحاد کے لیڈروں اور حامیوں کو فوری طور پر رہا کیا جائے' اور اس کے علاوہ جو لوگ ۱۹۷۲ء سے سیاسی مخالفت کے باعث جیلوں میں سڑ رہے ہیں' انہیں بھی فوری طور پر رہا کیا جائے۔ ڈی پی آر کے ٹربیونلوں اور سرسری سماعت کی فوجی عدالتوں سے سزا پانے والوں کو بھی رہا کیا جائے صرف اسی صورت میں مذاکرات ہو سکتے ہیں۔

پیر پگارا نے کہا کہ گزشتہ تین سال میں کی جانے والی تمام آئینی ترامیم کو بھی کالعدم قرار دیا جائے تاکہ ریاست کی عدالتی قوت برباد نہ ہو۔ پیر صاحب نے کہا کہ میں حکومت کو یہ آخری وارننگ دے رہا ہوں' اور اسے یہ احساس ہونا چاہیئے کہ وہ عوام کے غیظ و غضب سے نہیں بچ سکتی۔ بہادر پاکستانی سخت مصائب جھیل لیتے ہیں لیکن ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ جب قوت برداشت جواب دے جاتی ہے۔ عوام اس طویل اذیت کو مزید ایک دن کے لئے برداشت کرنے کو تیار نہیں' اور حکومت مذاکرات کے بارے میں سنجیدہ نہیں۔ بلکہ وہ دنیا کو دھوکا دینے کے لئے سازشیں کر رہی ہے۔

انہوں نے استفسار کیا کہ بھلا قیدیوں سے مذاکرات کس طرح ہو سکتے ہیں' مذاکرات صرف آزاد انسانوں سے ہوتے ہیں۔ ایک طرف حکومت عوام کو یہ تاثر دے رہی ہے کہ وہ مذاکرات چاہتی ہے اور دوسری طرف تشدد اور دہشت گردی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ حکومت تحریک کو کچلنے کے لئے تمام حربے استعمال کرنے اور ان میں ناکام ہونے کے بعد اب مزید وقت لے رہی ہے کیونکہ اسے امید ہے کہ لوگ تنگ آجائیں گے۔ لیکن یہ پاکستانی عوام سے عدم واقفیت کے مترادف ہے۔

اسلام آباد ۲۷ مئی ۱۹۷۷ء

پاکستان قومی اتحاد کے قائم مقام نائب صدر پیر شاہ مردان شاہ پگارا نے کہا ہے کہ پاکستان قومی اتحاد کی بنیادی شرائط کو تسلیم کئے جانے کے بعد ہی پاکستان قومی اتحاد نے حکومت کے ساتھ مذاکرات پر آمادگی کا اظہار کیا ہے۔ قومی اتحاد مذاکرات کے لئے غیر مشروط طور پر آمادہ نہیں ہوا۔ آج شب سہالہ کیمپ جیل میں مولانا مفتی محمود اور نوابزادہ نصر اللہ کے ساتھ اڑھائی گھنٹے قیام کرنے کے بعد واپسی پر پیر پگارا نے کہا کہ سب سے پہلے وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان قومی اتحاد کی بنیادی شرائط کو قبول کیا تھا' جس پر مولانا مفتی محمود نے کہا تھا کہ وہ مذاکرات کی اس بنیاد پر قومی اتحاد کے دوسرے رہنماؤں سے مشورہ کر لیں چنانچہ مشورہ کرنے کے بعد آج

مذاکرات کے لئے آمادگی کا اظہار کیا گیا اور سعودی عرب کے سفیر شیخ ریاض الخطیب کے ذریعے حکومت کو جواب بھیج دیا گیا کہ مذاکرات سے قبل سازگار اور آزادانہ ماحول پیدا کرنا ضروری ہے جس میں رہنماؤں کی رہائی بھی ضروری ہے۔

انہوں نے کہا کہ سعودی سفیر نے اس سلسلے میں ضامن کی حیثیت اختیار کرنا قبول کر لیا ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ مذاکرات صرف ذوالفقار علی بھٹو سے ہوں گے 'ان کے نامزد کردہ لوگوں سے نہیں۔ پیر صاحب نے زور دے کر کہا کہ حکومت کو تاخیری حربوں سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

اسلام آباد ۲۸ مئی ۱۹۷۷ء

قومی اتحاد کے قائم مقام سربراہ پیر پگارا نے کہا ہے کہ سیاسی بحران کے حل کے لئے دوسری باتوں کے علاوہ ملک میں از سر نو انتخابات بھی کرانا ہوں گے۔ آج شام ہل روڈ پر واقع اپنی رہائش گاہ پر اخباری نمائندوں سے باتیں کرتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ پاکستان قومی اتحاد عوام کی خواہشوں کے مطابق ۷ اور ۱۰ مارچ کے عام انتخابات کو تسلیم نہیں کرتا۔ اسی طرح سے عام انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونے والی اسمبلیوں اور ان اسمبلیوں کی وساطت سے قائم ہونے والی دوسری چیزوں کو بھی ہم نہیں مانتے۔ نئے آئینی انتخابات کے لئے نئے سرے سے امیدواروں کے کاغذات نامزدگی داخل ہوں گے اور اس کے لئے آئین میں کسی ترمیم کی کوئی ضرورت نہیں ہو گی۔ بلکہ مروجہ قانونی طریقہ اختیار کیا جائے گا۔

جب ان سے کہا گیا کہ یہ سب کچھ آئین سے باہر ہو گا تو پیر صاحب نے جواب دیا کہ یہ حکومت بھی تو آئین کے باہر ہی چل رہی ہے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ حکومت تاخیری حربے استعمال کر رہی ہے۔ تاہم ہو گا وہی جو ہم یعنی عوام چاہیں گے۔ انہوں نے کہا کہ آج کل جو جلوس نکالے جا رہے ہیں 'وہ عوام نکال رہے ہیں اور مسٹر بھٹو یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ ملک میں بغاوت ہو چکی ہے۔ یہ بغاوت پارٹی نہیں کرتی بلکہ عوام کرتے ہیں۔ ملک میں چلنے والی موجودہ تحریک عوامی ہے۔ مگر حکمران قوم کو نظر انداز کر رہے ہیں اور ایک روز قوم بھی انہیں یکسر نظر انداز کر دے گی۔

پیر صاحب نے ایک سوال کے جواب میں میں کہا کہ میرے رویئے میں سختی عوام کے جذبات کی عکاسی ہے۔ اس وقت میں تحریک کی قیادت کر رہا ہوں اور میری قیادت کا سٹائل یہی ہے۔ تاہم پالیسی قومی اتحاد ہی کی ہے۔

اسلام آباد۔ ۲۸ مئی ۱۹۷۷ء

پاکستان قومی اتحاد کے قائم مقام صدر شاہ مردان شاہ پیر پگارا نے کہا ہے کہ قوم کے مفادات کو ہر صورت میں سب سے مقدم رکھا جائے گا۔ پاکستان کو درپیش سنگین صورت حال کے حل کے سلسلے میں مجوزہ بنیاد پر پاکستان قومی اتحاد کی طرف سے آمادگی کا اظہار ایک تحریری مراسلے کی صورت میں وزیر اعظم بھٹو کو سعودی سفیر شیخ ریاض الخطیب کی وساطت سے بھجوا دیا گیا ہے اور اب جواب 'گیند' لفافہ اور سب کچھ حکومت کی کورٹ میں ہے۔ ہمارے پاس تو صرف مفتی محمود کا ڈنڈا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں کہ اب بات چیت کب شروع کر رہے ہیں؟ پیر صاحب نے کہا کہ نہ ہمیں جلدی ہے اور نہ مسٹر بھٹو کو۔ ہمیں تو صرف اتنا علم ہے کہ موجودہ

حکومت کے بارے میں صورت حال کو بدلنا ہی بدلنا ہے
انہوں نے کہا کہ نظر بندی کی صورت میں مولانا مفتی محمود نے سہالہ کے سوا کسی اور جگہ مذاکرات کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ البتہ اگر انہیں رہا کر دیا گیا تو پھر وہ کسی دوسری جگہ پر مذاکرات کے لئے بھی تیار ہیں۔
پیر صاحب نے کہا مجھے خدشہ ہے کہ حکومت مذاکرات نہیں چاہتی اور یہ بات میں ثبوت کے ساتھ کہہ رہا ہوں۔ حکومت نے سردار شیر باز مزاری کو میانوالی سے راولپنڈی لانے کی بجائے کراچی پہنچا دیا۔ اگر وہ انہیں راولپنڈی لاتی تو سمجھا جا سکتا تھا کہ حکومت واقعی مذاکرات چاہتی ہے۔ پیر صاحب نے کہا کہ ہمارا ابھرو ساخدا اور اس کی دی ہوئی طاقت پر ہے۔ قومی اسمبلی کے بجٹ اجلاس پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جب پیسہ ہی نہیں ہے تو بجٹ کس چیز کا بنے گا؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں کسی بات سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ میں نے مسلم لیگیوں سے کہا تھا کہ اگر وہ مجھے گھبرایا ہوا دیکھیں تو پھر سمجھیں کہ واقعی کوئی ایسی بات ہے' لیکن میں تو گھبراتا ہی نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا کہ جن لوگوں نے مظالم کیئے ہیں' ان کے ساتھ وہی سلوک ہو گا جو الٰہی بخش سومرو کے ساتھ ہوا تھا۔ مسلم لیگ سے غلام مصطفےٰ کھر کے استعفے پر تبصرہ کرتے ہوئے پیر صاحب نے کہا کہ غلام مصطفےٰ کھر ہر چیز کھو بیٹھے ہیں۔ اب انہیں کبھی کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

اسلام آباد۔ ۲۹ مئی ۱۹۷۷ء

پاکستان قومی اتحاد کے قائم مقام صدر پیر پگارا نے کہا ہے کہ مذاکرات اگر سنجیدگی سے ہوں تو پاکستان کو درپیش سنگین سیاسی بحران ایک گھنٹے میں حل کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مولانا مفتی محمود کے مراسلے کے جواب میں وزیر اعظم بھٹو کا مراسلہ ابھی تک نہیں آیا۔ انہوں نے کہا کہ تاخیری حربے استعمال کئے جا رہے ہیں۔
اس سوال کے جواب میں کہ کیا مذاکرات مری کی خوشگوار فضا میں ہو رہے ہیں' پیر پگارا نے کہا کہ فضا کتنی ٹھنڈی کیوں نہ ہو' مذاکرات کے وقت ہمارے مخالفوں کے پسینے چھوٹ جائیں گے۔ کیونکہ اگر ضرورت ہوئی تو میں بھی مذاکرات میں شامل ہوں گا۔
پیر صاحب نے کہا کہ مسائل دوسروں کی کاسہ لیسی سے ختم نہیں ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ انہیں توقع ہے کہ مذاکرات ہوں گے لیکن حکومت کی ہٹ دھرمی کے باعث خاطر خواہ نتائج بر آمد نہیں ہوں گے۔ میں ملکی سیاست کو گذشتہ پچیس سال سے دیکھ رہا ہوں اور سب کو جانتا ہوں۔ جو کچھ ہم وقت سے پہلے کہتے تھے' وہ پورا ہو رہا ہے۔ ہمارے استاد کامل ہیں۔ مذاکرات کی کامیابی کے بارے مجھے اس لئے بھی شبہ ہے کہ اندھا دھند گرفتاریاں کی جا رہی ہیں' لوگوں میں اسلحہ تقسیم کیا جا رہا ہے اور وفاقی کابینہ کا ایک وزیر سندھ میں آباد کاروں اور مقامی لیڈروں میں جھگڑا پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔
پیر صاحب نے بتایا کہ مفتی محمود یہ سمجھتے ہیں کہ مذاکرات ہوں گے لیکن تصفیہ نہیں ہو گا۔ پیر صاحب نے ائر مارشل اصغر خان کا فوری طبی معاینہ کرانے کا مطالبہ کیا اور مولانا مودودی اور ان کے خاندان کو ہراساں کئے جانے کی مذمت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں متنبہ کرتا ہوں کہ اگر کوئی ناخوشگوار واقع ہوا تو اس کی براہ راست ذمے داری حکومت پر ہو گی۔

اسلام آباد۔ ۳۰ مئی ۱۹۷۷ء

پاکستان قومی اتحاد کے قائم مقام صدر پیر پگارا نے کہا ہے کہ ملک بھر میں تشدد بند نہ کیا گیا اور مذاکرات کے انعقاد کے لئے خوشگوار ماحول پیدا کرنے کی غرض سے حکومت نے پاکستان قومی اتحاد کی ان تجاویز کو تسلیم نہ کیا جو سعودی سفیر کی وساطت سے بھیجی گئی تھیں' تو قومی اتحاد حکومت کے ساتھ مذاکرات کے فیصلے پر دوبارہ غور کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ ہم صورت حال کو خراب نہیں کرنا چاہتے لیکن یہ بھی نہیں چاہتے کہ لوگ تشدد کا نشانہ بنتے رہیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی طرف سے مسلح لوگوں کے جلوس نکالے جا رہے ہیں جو شہروں سے گزرتے ہوئے تشدد آمیز کارروایاں کرتے ہیں۔ انہوں نے اس سلسلے میں لاہور' شیخوپورہ' کامونکی' خان پور' چک جھمرہ' رحیم یار خان' ملتان اور بعض دوسرے مقامات کا نام لیا اور دعویٰ کیا کہ حکومت کی طرف سے تشدد آمیز کارروائیوں میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ انہوں نے کہ کہ قومی اتحاد میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں اور تمام رہنما مکمل طور پر متحد ہیں۔

اسلام آباد یکم جون ۱۹۷۷ء

پاکستان قومی اتحاد کے قائم مقام سربراہ پیر صاحب پگارا شریف نے کہا ہے کہ سہالہ میں نظر بند اسیروں کو کل سعودی عرب کے معزز سفیر کے ذریعے یہ اطلاع پہنچائی گئی کہ مذاکرات جمعتہ المبارک ۳ جون سے شروع ہو سکیں گے۔ یعنی ۵ دن کی مزید تاخیر ہو گی۔ یہ مدت بظاہر بڑی مختصر معلوم ہوتی ہے مگر ان مظلوم عوام کے لئے طویل اور نا قابل فہم ہے جو پچھلے تین ماہ سے شدید ترین مصائب' سختیوں' معاشی دشواریوں اور مظالم کا شکار بنائے جا رہے ہیں۔ پاکستان کا موجودہ سنگین ترین بحران خود حکومت کا پیدا کردہ ہے اور وہ اسے سیاسی طور پر حل کرنے کی بجائے قوت کے ذریعے کچلنے اور دبانے کے لئے ہر ممکن ہتھکنڈے استعمال کرتی رہی ہے۔ پہلے بھی باہمی گفت و شنید کے امکان کو حکومت ہی نے بے لچک' سخت' ناروا اور غیر مناسب موقف اختیار کر کے ناممکن بنایا تھا اور اب جبکہ اس کے سابقہ موقف میں ایک خوشگوار تبدیلی کے باعث اتحاد کے رہنما مذاکرات پر آمادہ ہو گئے تو اس مرحلے پر بھی بلاوجہ تاخیری حربے استعمال کیئے جا رہے ہیں۔
سردار عبدالقیوم خان ۱۹ مئی کو مرکزی رہنماؤں کو نئی صورت حال سے مطلع کرنے اور ان کی رائے معلوم کرنے کے مشن پر روانہ ہوئے تھے۔ یہ کام دو تین دن میں پایہ تکمیل تک پہنچ سکتا تھا لیکن حکومت کی جانب سے ضروری سہولتوں کی فراہمی میں تاخیر کے باعث پورا ایک ہفتہ اس کی نذر ہو گیا اور سردار صاحب ۲۵ مئی کو ملاقاتوں کی تکمیل کر سکے۔ ان کی واپسی کے فوراً بعد ۲۶ مئی کو سہالہ کے نظر بندوں نے سعودی سفیر کو مطلع کر دیا کہ نئی صورت حال میں اتحاد مذاکرات کے لئے آمادہ ہے اور اس کی جانب سے یہ مذاکرات فوراً شروع کئے جا سکتے ہیں۔
اس لئے مختلف جیلوں میں نظر بند رہنماؤں کو بلا تاخیر ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ لیکن بار بار کی یقین دہانیوں کے باوجود پروفیسر غفور احمد کو پانچ دن کے بعد ۳۰ مئی کو سہالہ پہنچایا گیا۔ دوسرے مرکزی رہنما اب بھی الگ الگ جیلوں میں پڑے ہیں۔ تمام تیاریوں کے باوجود حکومت نے مذاکرات آئندہ جمعے سے شروع کرنے کا اعلان کیا ہے یعنی پانچ ایام کی مزید تاخیر سے۔ یہ التواغیر ضروری' نا قابل فہم اور تکلیف دہ ہے۔ ہر شہری خواہشمند ہے کہ

موجود بحران بغیر کسی تاخیر کے حل ہو سکے۔ ہزاروں محبّ وطن شہری، وکلاء صحافی، طلبا، سیاسی کارکن، مزدور اور کسان جیلوں میں ہیں۔ ان جیلوں کا حال یہ ہے کہ ان میں گنجائش سے چار پانچ گنا زیادہ افراد ٹھونس دیئے گئے ہیں جس کی بنا پر وہاں بیماریاں پھیل رہی ہیں اور قیدی شدید مصائب اور تکالیف کا شکار ہو رہے ہیں۔

اسی پر اکتفا نہیں، ہر روز سینکڑوں کی تعداد میں گرفتاریاں عمل میں لائی جارہی ہیں۔ جن افراد کو عدالتوں کی جانب سے رہائی کا پروانہ مل جاتا ہے، ان میں سے اکثر کو جیل ہی میں کسی دوسرے من گھڑت الزام میں دوبارہ گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ نوجوانوں اور طلبا کو تشدد کے ذریعے اقبال جرم پر مجبور کیا جارہا ہے۔ پورے ملک میں تعلیمی اداروں کے مسلسل بند رہنے کی وجہ سے طلبا تعلیم سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ باعزت خواتین کو گرفتار کر کے ان سے بعض کو سی آئی اے کے بدنام زمانہ مراکز میں رکھا گیا ہے۔ خواتین کے ساتھ ایسے شرمناک برتاؤ کی مثال پاکستان کی گزشتہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ دوسری طرف خود حکومت اور اس کے بعض سینئر وزیر عوامی رابطے کے نام پر قومی اتحاد کو مطعون کر رہے ہیں اور باہمی تعصبات کو بھڑکانے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں۔ سرکاری وسائل استعمال کر کے اپنی پارٹی کے حق میں مسلح جلوس نکال رہے ہیں اور جلسے کر رہے ہیں اور مٹھی بھر افراد کے ان جلسے جلوسوں کی تشہیر ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات کے ذریعے کی جارہی ہے۔ اس کے برعکس عوام کی حقیقی آواز کو ہر ممکن ذریعہ سے کچلنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ایک لمبے عرصے سے کراچی، حیدر آباد، لاہور اور دوسرے بڑے شہروں میں مارشل لا نافذ ہے کرفیو کے طویل اوقات میں پورے پورے شہروں کی آباد کو عملاً گھروں میں محصور کر دیا جاتا ہے اس کا شکار خاص طور پر وہ غریب عوام بن رہے ہیں جو روزانہ روزی کما کر اپنے بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔

قومی اتحاد نے سعودی سفیر کے ذریعے جو تجویز مسٹر بھٹو کو روانہ کی تھی اس سے گرفتار شدگان کی رہائی اور ان کے خلاف مقدمات کی واپسی کے علاوہ شہدا کے خاندانوں اور زخمی افراد کی معقول مالی معاونت کے مطالبات بھی شامل تھے ان میں یہ بھی درج تھا کہ مارشل لا اٹھایا جائے، مرکزی رہنماؤں کو باہمی صلاح و مشورے کے لئے رہا کیا جائے اور اتحاد کے خلاف زہریلا پراپیگنڈہ ختم کیا جائے، ہنگامی حالات ختم کر کے پریس پر سے تمام پابندیاں اٹھا لی جائیں۔ مگر اس کے برعکس روزانہ نئی گرفتاریوں اور تشدد کا سلسلہ جاری ہے۔ پیپلز پارٹی کے سیکرٹری اطلاعات نے اپنی پریس کانفرنس میں مذاکرات کے غیر مشروط طور پر شروع ہونے کا تاثر دیا ہے جو سراسر غلط اور حقیقت کے منافی ہے۔ اسی طرح بعض دوسرے معاملات کو بھی الجھانے کی کوشش کی گئی ہے، جس کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس مرحلے پر بھی مذاکرات کو سبوتاژ کیا جائے۔ قومی اتحاد عوام کو یقین دلاتا ہے کہ ہم پورے اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ مذاکرات میں شرکت کریں گے تاکہ ملک کو موجودہ بحران سے عوام کے جذبات اور امنگوں کے مطابق جلد از جلد نکالا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ عوام کی بے مثال قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی اور فتح بہر حال عوام کی ہوگی

اسلام آباد۔ ۱۵ جون ۱۹۷۷ء

قومی اتحاد کے ممتاز رہنما اور پاکستان مسلم لیگ کے صدر پیر پگارا نے آج یہاں اپنی رہائش گاہ پر مسلم لیگی کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہماری زبردست خواہش ہے کہ موجودہ بحران مذاکرات کی میز پر حل ہو جائے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو پھر بڑے پیمانے پر تحریک چلائی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ ہم قومی مفادات کے خلاف

کوئی بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ہم جان و مال قربان کر سکتے ہیں' قوم کے مفادات کا سودا نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی خود کو زیادہ ہوشیار سمجھتا ہے اور سوچتا ہے کہ وہ قوم کو دھوکا دے سکتا ہے تو وہ خود غلطی پر ہے۔

اسلام آباد ۲۔ جولائی ۱۹۷۷ء

قومی اتحاد کے لیڈر اور مسلم لیگ کے سربراہ شاہ مردان شاہ پیر آف پگارا نے کہا ہے کہ گیند بدستور مسٹر بھٹو کے کورٹ میں ہے' جو مجوزہ سمجھوتے کے سلسلہ میں بہت سی باتوں پر پہلے ہی سے اتفاق کر چکے تھے۔ مگر گزشتہ رات کے مذاکرات میں وہ ان سے پھر ہٹ گئے۔ انہوں نے کہا کہ لوگ بھٹو کے خلاف ہیں اور ہمیں لوگوں کو مطمئن کرنا ہے ہم بھٹو اور انکی حکمران جماعت کی سیاسی موت چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ قومی اتحاد کا حتمی مسودہ جس میں گزشتہ شب کے مذاکرات کے دوران بعض تبدیلیاں کی گئیں' ان تبدیلیوں کے بغیر اپنی اصل شکل میں حکومت کے پاس دوبارہ بھیج دیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں ہونے والی تبدیلیوں سے بہت بڑا فرق پڑ جائے گا۔ انہوں نے استفسار کے انداز میں کہا کہ اگر تقرری کے لفظ کو جائزے میں تبدیل کر دیا جائے گا' تو ظاہر ہے کہ مفہوم غتر بود ہو کر رہ جائے گا۔ اور اگر سمجھوتے کے دوران ہی بعض اختیارات کو چھوڑ دیا جاتا ہے تو پھر بعد میں واویلا مچانے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ کیونکہ تب سپریم کورٹ بھی کچھ نہیں کر سکے گا۔ انہوں نے کہا کہ اگر حکومت اس مسودے کو قبول نہیں کرتی تو عوام اپنا ردعمل آئندہ جمعے کو ظاہر کر دیں گے۔



حرف آخر

اسلام آباد سے پیر جو گوٹھ تک

اس دوپہر لاہور سے سکھر جانے والی پی آئی اے کی پرواز میں میرے ساتھ کی دونوں نشستوں پر بیٹھے ہوئے مسافر سندھی زبان میں تبادلہ خیال کر رہے تھے اور اگرچہ ان کی گفتگو میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی مگر کہیں کہیں در آنے والے آشنا الفاظ سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کھجور کی فصل کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔

میں کھڑکی کے ساتھ والی نشست پر بیٹھا، جھروکے سے باہر دیکھ رہا تھا۔

بستیاں، جنگل اور صحرا چوکور خانوں کی صورت گزرتے چلے جا رہے تھے۔ اور میں اپنے اس سفر کے بارے میں سوچ رہا تھا جو میرے لئے گویا ایک نئی دنیا کا سفر تھا۔ میں پہلی بار سکھر جا رہا تھا جہاں سے آگے میری منزل پیر جو گوٹھ تھی، اور وہاں مجھے ۲۷۔ رجب المرجب کی تقریبات میں شریک ہونا تھا۔

میں یہ دیکھنے جا رہا تھا کہ پیر پگارا کا خود اپنے علاقے میں کیا مرتبہ ہے۔ اور یہ بھی کہ وہ کس انداز کے پیر ہیں۔ میں چونکہ طبعاً ایک غیر مقلد آدمی ہوں اس لئے پیروں اور پیر پرست حضرات سے میرا تعلق ہمیشہ دور ہی کا رہا ہے۔ پیر پگارا کیلئے میرے دل میں جو احترام تھا، وہ محض ان کی سیاسی حیثیت کے حوالے سے تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ان کی خانقاہ پر بھی اسی انداز کی بدعات کا دور دورہ ہو گا جو ہمارے ہاں کا عام دستور ہے۔ مگر بعض دوستوں خاص طور سے زین نورانی اور بیگم ریحانہ مشہدی کا اصرار تھا کہ پیر صاحب کے بارے میں کوئی حرف آخر لکھنے سے قبل مجھے پیر جو گوٹھ ضرور جانا چاہئے۔ خود میرے نزدیک بھی دیانت کا تقاضا یہی تھا کہ میں پیر جو گوٹھ کا ایک چکر لگا لوں۔

مجھے بتایا گیا تھا کہ پیر صاحب پگارا کی درگاہ پر سال میں دو بڑی تقریبات ہوتی ہیں۔ ایک ۲۷ر رجب المرجب اور دوسری ۲۷ر رمضان المبارک کو۔ اور اس روز جب میں پیر جو گوٹھ کیلئے محو سفر تھا، ۲۷ر رجب المرجب میں صرف دو روز باقی تھے۔ سکھر ایئر پورٹ سے پیر جو گوٹھ تک کا سفر، اسی انداز کا تھا جیسا پنجاب کے نواحی گاؤں کا سفر ہوتا ہے۔ دور تک ایک جانب ریلوے لائن تھی اور دوسری طرف گھروں اور جوہڑوں کی قطاریں بنی ہوئی تھیں۔ یہ سلسلہ ختم ہوا تو ہم ایک ایسی سڑک پر مڑ گئے جس کے دونوں جانب کھجور کے باغات تھے۔ یہ سڑک بھی اتنی ہی چوڑی تھی جتنی عام طور پر دیہی سڑکیں ہوا کرتی ہیں۔ کوئی بیس کلومیٹر بعد، جہاں سڑک کے دونوں جانب جنڈ کا جنگل سا بنا ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ سامنے والی سڑک پر منی بسیں بھی چلتی ہیں۔ ان بسوں کا احوال بھی وہی تھا جو عام طور پر دیہاتی روٹ پر چلنے والی بسوں کا ہوتا ہے۔ بس کے اندر ٹھسا ٹھس بھرنے کے بعد، لوگ چھتوں پر بھی

چڑھے ہوئے تھے۔

مسافروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی انہی بسوں کے جلو میں چلتے چلتے اچانک ایک بڑا سا سفید دروازہ سامنے آگیا۔ اس دروازے پر "سید محمد راشد روضی دنی" لکھا ہوا تھا، اور یہ عبارت ایسی تھی جو باوجود کوشش کے میری سمجھ میں نہیں آسکی۔ چلئے کوئی سید محمد راشد ہوں گے۔ مگر "روضی دنی" کا معاملہ میری سمجھ میں نہ آسکا۔ اور آخر کار میں اپنی گاڑی کے سندھی ڈرائیور سے اس لفظ کا مطلب پوچھنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے مطابق "روضی دنی" کا مطلب ہے "روضے کے دن والا"۔ اور یہ بھی کہ سید محمد راشد جو موجودہ پیر پگارا کے جد امجد تھے، یکم رمضان کو پیدا ہوئے تھے۔

"اچھا، اسی لئے انہیں روضی دنی کہا جاتا ہے"۔ میں نے مطمئن انداز میں کہا۔

"نہیں" ڈرائیور نے جواب دیا "اصل بات اس سے بھی آگے کی ہے، اور وہ یہ کہ سید محمد راشد نے پورے ماہ صیام کے دوران، دن کے وقت، اپنی ماں کا دودھ کبھی نہیں پیا۔ یہ ان کی پیدائشی کرامت تھی کہ وہ طفولیت میں بھی روزے سے رہے اور تمام عمر روزہ قضا نہیں کیا۔ اسی لئے انہیں "روضی دنی" کہا جاتا ہے۔

پیر جو گوٹھ پہنچنے پر میرا قیام پیر صاحب پگارا کی درگاہ کے عین سامنے بنے ہوئے مہمان خانے میں تھا۔ مہمان خانے سے باہر گویا ایک محشر کی سی کیفیت تھی۔ انسانوں کے انبوہ بسوں کے اڈے سے اتر اتر کر درگاہ سے متصل وسیع و عریض جماعت خانے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اور ہجوم کی یہ کیفیت تھی کہ محاورتاً ہی نہیں بلکہ فی الواقع کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔

مجھے بطور اخبار نویس دنیا کے بہت سے ممالک میں جانے کا موقع ملا، اور میں نے وہاں کی درگاہوں اور خانقاہوں کا احوال بھی دیکھا۔ بغداد میں سید عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار سے لیکر، استنبول میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے روضہ مبارک تک میں نے مختلف قوموں اور طبقات کا انداز عقیدت دیکھا ہے۔ شام میں حضرت سکینہؓ کے مزار پر پیدا ہونے والی جذباتی کیفیت کا مشاہدہ کیا اور عراق میں کاظمین سے لیکر نجف اشرف بلکہ کربلائے معلٰی تک انسانوں کی جذباتی شیفتگی کے مناظر بھی نظر سے گزرے ہیں۔ لاہور میں شاہ حسینؒ کے عرس پر میلہ چراغاں اور بھڑکتے ہوئے شعلوں کے گرد فقیروں کے رقص، امام بریؒ کے مزار پر عقیدت مندوں کی دیوانگی اور سہون میں شہباز قلندرؒ کے مزار پر اہل شوق کی خود رفتگی کے مناظر بھی میں نے خوب غور سے دیکھے ہیں۔ ان سب مناظر میں مجھے دو چیزیں مشترک محسوس ہوتی رہیں۔ ایک تو عقیدت مندوں کی جذباتی کیفیت کہ احاطہ مزار تک پہنچتے پہنچتے وہ بے خود ہو جاتے ہیں اور عقیدت فرزانگی کا طوق اتار پھینکتی ہے، دوسرے یہ کہ تمام زیارت گاہیں اکثر و بیشتر مرحومین کی ہیں۔ یہ بلاشبہ بڑے لوگ تھے، جنھوں نے وقت کے اندھیروں میں علم اور بصیرت کے دیئے روشن کئے اور انسانی جذبوں کو دنیوی آلائشوں سے پاک کر کے ان میں الوہیت کا رنگ بھرنے کی اپنی سی کوشش کی۔

مگر کسی زندہ پیر کے ہاں میں نے اس قسم کی عقیدت کہیں پر بھی نہیں دیکھی۔

اندریں حالات میں یہ جان کر حیران رہ گیا کہ پیر جو گوٹھ میں جمع ہونے والے تمام عقیدت مند کسی مزار پر حاضری دینے نہیں آئے بلکہ یہ اپنے زندہ پیر کے دیدار اور اس کے ساتھ اظہار عقیدت کیلئے آئے ہیں۔ یہ میرے لئے گویا ایک نئی بات تھی۔

نہادھو کر مہمان خانے سے باہر نکلا تو بھی اہل شوق قافلہ در قافلہ درگاہ کی طرف بڑھتے چلے آرہے تھے۔ ان کے پاؤں ننگے اور سر ڈھکے ہوئے تھے۔ میرے پاؤں میں جوتا دیکھ کر بہت سوں نے مجھے گھور کر دیکھا اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے سندھی میں اپنے ساتھیوں سے کوئی بات بھی کی، جس پر میں جلدی سے آگے بڑھ گیا۔ اتنے میں دور سے گھنگھروؤں کی صدائیں آنے لگیں اور مجھے گویا ایک گونہ طمانیت محسوس ہوئی کہ میرا اندازہ درست تھا۔ میں نے سوچا کہ اس طرف کچھ مجذوب نما فقیر محو رقص ہوں گے یا پھر یہاں بھی امام بری کے مزار کی طرح "ڈالی" آرہی ہوگی۔ اس منظر کو دیکھنے کے لئے میں آواز کی جانب چل پڑا۔ مگر دو ہی لمحوں میں میری غلط فہمی دور ہوگئی جب میں نے دیکھا کہ جن گھنگھروؤں کی جھنکار مجھے اس طرف کھینچ لائی تھی وہ کسی درویش کے پاؤں میں نہیں بلکہ ایک ڈنڈے کے سرے پر بندھے ہوئے تھے جس سے دکاندار باداموں کی سردائی گھوٹ رہا تھا۔ بادام کی اس سردائی کو سندھی زبان میں "تھادل" کہتے ہیں، اور تھادل بیچنے والوں کی اکثریت نے گاہکوں کو اپنی جانب متوجہ کرنے کیلئے اس جھنکار کا اہتمام کر رکھا تھا۔

اسی قسم کے مناظر میں شام گہری ہوگئی اور میں کہ دن بھر کے سفر سے تھکا ہوا تھا، اپنے کمرے میں جا کر سو گیا۔

اگلی صبح یعنی ۲۶ رجب المرجب جمعے کا دن تھا۔ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر باہر نکلا تو جماعت خانے کا ہجوم دور بازار کے موڑ تک پھیل چکا تھا۔ خانقاہ کی مسجد میں جلسہ عام کی کیفیت تھی۔ مختلف علماء تقاریر میں مصروف تھے۔ نماز جمعہ کے بعد اعلان کیا گیا کہ آج شام مولانا شاہ احمد نورانی وعظ کریں گے۔ مہمان خانے میں واپس آیا تو مولانا نورانی کی آمد آمد تھی اور پیر صاحب کے ملازمین ان کے لئے ٹھہرنے کا کمرا تیار کر رہے تھے۔

شام ڈھلے مولانا نورانی پیر جو گوٹھ پہنچے تو انہیں سب سے پہلے خانقاہ سے متصل مدرسے میں لے جایا گیا جہاں انہوں نے اس سال فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ سے ملاقات کی اور دیر تک ان سے مختلف علمی سوالات کرتے رہے۔ مدرسے کے انچارج مولوی صاحب، نورانی میاں کے ساتھ رواں عربی میں گفتگو کر رہے تھے۔ انہوں نے نورانی میاں کو بتایا کہ کل صبح دیدار عام کے بعد پیر صاحب پگارا فارغ التحصیل ہونے والے چالیس طالب علموں کو اسناد علم دیں گے جس کے بعد یہ طلبہ باقاعدہ طور پر "عالم دین" کہلانے کے مستحق ہوں گے انہوں نے یہ بھی بتایا کہ طلبہ کے نصاب میں قرآن و حدیث اور فقہ کی جن کتابوں کو شامل کیا گیا ہے، ان کی اکثریت مسلمانوں کے تمام مذہبی فرقوں کیلئے قابل قبول سمجھی جاتی ہے۔

اس شام پیر صاحب پگارا بھی کراچی سے پیر جو گوٹھ پہنچ گئے اور انہوں نے مجھے اور مولانا نورانی دونوں کو اپنے ہمراہ کھانے کی دعوت دی۔ کھانے پر اکثر باتیں سیاسی نوعیت کی تھیں، اور پیر صاحب مولانا نورانی سے تا دیر تبادلہ

خیالات کرتے رہے، جس کے بعد نورانی میاں خانقاہ کی مسجد میں حاضرین سے خطاب کرنے چلے گئے اور میں نے اپنے کمرے کی راہ لی۔

۲۷ر رجب المرجب کی صبح پیر جو گوٹھ کی تمام گلیاں اور تمام بازار انسانوں سے بھر چکے تھے۔ مسجد اور جماعت خانے میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ میں نے مہمان خانے کے منتظم سے پوچھا "آپ کے خیال میں اندازاً کتنے لوگ باہر موجود ہوں گے؟"

"سائیں، آپ خود باہر نکل کر کیوں نہیں دیکھ لیتے؟ آپ کا اندازہ زیادہ درست ہو گا"۔ منتظم نے جواب دیا۔ اس نے ایک ملازم کو ہدایت کی کہ وہ مجھے جماعت خانے کے اندر لے جائے۔ ہم دونوں باہر نکلے، مگر اندر جانے کے تمام راستے پٹے پڑے تھے۔ تاحد نگاہ ہجوم خلائق موجیں مار رہا تھا۔

بصد ہزار خرابی لوگوں کو راہ سے ہٹاتے اور ہٹو بچو کی صدائیں لگاتے ہم کوئی نصف گھنٹے میں خانقاہ کے اندرونی دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے، جو خانقاہ کے جماعت خانے اور دیدار عام والے میدان کو الگ کرتا ہے۔

ملازم نے مجھے اس دروازے سے اندر داخل کر دیا اور میں کشتم پشتم آگے بڑھتا ہوا اس چبوترے تک جا پہنچا جو دیدار عام کی بالکونی کے بالکل نیچے واقع ہے یہ چبوترا چونکہ عام فرش سے تقریباً دو فٹ بلند ہے اس لئے یہاں سے اس ہجوم کا اندازہ کیا جا سکتا تھا جو اس وقت دیدار کیلئے میدان میں موجود تھا۔ میرے ساتھی اخبار نویس اس امر کی گواہی دیں گے کہ جلسوں اور اجتماعوں میں انسانوں کی تعداد کے متعلق میری رائے اپنے ساتھیوں سے ہمیشہ مختلف ہوتی ہے جس اجتماع کو وہ پانچ لاکھ قرار دیں، میں اسے پچاس ہزار کہنے پر مُصر ہوتا ہوں، اور اکثر و بیشتر میری رائے ہی درست قرار پاتی ہے۔ میں کوشش یہ کرتا ہوں کہ ہجوم کو دائیں بائیں سے گن کر دو اور چار کا حساب لگا لوں۔ اس صورت میں بھی غلطی کا خطرہ تو رہتا ہے مگر یہ غلطی سینکڑوں یا حد سے حد ہزاروں تک ہی پہنچ سکتی ہے اسے "لاکھوں کی غلطی" کسی بھی طور قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مگر اس روز دیدار عام کے میدان میں موجود انسانی انبوہ کی گنتی کم از کم میرے بس میں نہیں تھی۔ انسانوں کی اتنی بڑی تعداد میں نے اس سے قبل یا بعد کہیں بھی اکٹھے نہیں دیکھی۔ حالانکہ میں نے بھٹو کے جلسے بھی دیکھے ہیں اور بے نظیر بھٹو کے بھی، صدر ضیاء الحق کے ریفرنڈم کو بھی دیکھا ہے اور لاہور کے موچی دروازے میں پی این اے کے جلسوں کو بھی۔ مگر انسانوں کا اتنا بڑا ہجوم میں نے صرف پیر جو گوٹھ ہی میں دیکھا۔ اور تب مجھے یاد آیا کہ پنجاب کے ایک سیاستدان سے پیر صاحب نے کہا تھا "آپ لوگ جن جلسوں کو عظیم الشان اور تاریخی قرار دیتے ہیں، یہ میرے لئے کوئی نئی بات نہیں" انسانوں کے اس بے کراں انبوہ میں ہر وضع قطع اور ہر عمر کے لوگ موجود تھے۔ عورتوں کا ہجوم ایک طرف علیحدہ تھا۔ اور سبھی کی زبانوں پر صلوۃ و درود کا ورد جاری تھا۔ مگر یہ صلوٰۃ و درود اس طرح با جماعت نہیں پڑھا جا رہا تھا جیسے عام طور پر خانقاہوں میں ہوتا ہے۔ بلکہ ہر کوئی اپنے حال میں مست تھا۔ صحرائے تھر کے غریب، سادہ لوح عوام اپنے پیر کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے وقفے وقفے سے "بھیج" کا نعرہ لگا رہے تھے۔ اور اس

"بھیج" کو ان کے جذبے کی شدت "بھے ے ے ج" کی صورت میں ادا کر رہی تھی۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ موجودہ پیر پگارا کے والد ماجد سے جب شاہ اسماعیل شہیدؒ نے رابطہ قائم کیا اور پیر صاحب نے ان کی تحریک کیلئے مجاہدین فراہم کرنے کی ہامی بھر لی تو بالا کوٹ سے سرفروشوں کی بھرتی کیلئے چند بزرگ صحرائے تھر میں آئے اور پیر صاحب کے ہمراہ مختلف علاقوں سے آنے والے ان کے مریدوں کا معائنہ شروع کیا تا کہ جہاد آزادی کیلئے مجاہدین بھرتی کئے جاسکیں۔ ان مریدین کے جذبے کا یہ عالم تھا کہ جو کوئی منتخب ہونے سے رہ جاتا وہ وفور جذبات میں پیر صاحب پگارا کی طرف دیکھتے ہوئے پکار اٹھتا "بھیج پگارا سائیں"۔ سندھی لہجے میں ادا کئے جانے والے اس جملے کا مطلب یہ تھا کہ پیر سائیں، ہمیں بھی جہاد کے لئے بھیجیں یہ لوگ اپنے سینوں پر ہاتھ مار مار کر "بھیج پگارا' سائیں" کے نعرے لگاتے اور اپنے جذبہ ہائے فراواں کا اظہار کرتے واپس اپنے گاؤں جاتے تو بھی ان کے شوق کی آگ سرد نہ پڑتی اور وہ مڑ مڑ کر یہی آواز لگاتے کہ "بھیج پگارا"۔ بعض ایسے بھی تھے جو دوبارہ سہ بارہ پیش ہو جاتے اور "بھیج پگارا" کے نعروں سے فضا کو گرما دیتے۔ انہی جیالوں کا نعرہ آج صحرائے تھر کے باسیوں کا نعرۂ مستانہ بن چکا ہے اور وہ جب کسی مشکل میں ہوں یا ان کا سامنا اپنے پیر سے ہو تو وہ "بھیج" کا نعرہ لگا کر گویا اپنے زندہ پیر سے ایک ولولہ تازہ کے طلب گار ہوتے ہیں۔

میں انہی سوچوں اور یادوں میں گم تھا کہ اچانک تمام ہجوم دیوانہ وار اٹھ کھڑا ہوا اور "بھیج" کے نعروں میں اتنی تندی آگئی کہ جیسے ایک قیامت بیدار ہو گئی ہو۔ اوپر نگاہ پڑی تو پیر صاحب پگارا اپنے آبائی گھر کی بالکونی سے دیدار عام کیلئے سامنے آچکے تھے۔ یہ آبائی گھر وہی ہے جسے انگریزوں نے ڈائنامائٹ سے مکمل طور پر تباہ کر دیا تھا۔ مگر عقیدت مند مریدوں نے دوبارہ ہو بہو وہی گھر اس طور پر تعمیر کر دیا کہ کہیں سر مو کا فرق بھی باقی نہیں رہنے دیا۔ اور اسی گھر کی بالکونی میں پیر صاحب پگارا اپنا روایتی خاندانی لباس پہنے کھڑے تھے۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے مطابق یہ عظیم خاندان سات پشت قبل دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ اور یوں اس خاندان میں نسل در نسل چلی آنے والی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو یادگاریں بھی ان دونوں میں تقسیم ہو گئیں ــــــــ جس بھائی کے حصے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم آیا وہ جھنڈا پیر کہلائے اور جنہیں رسول اللہؐ کی پگڑی عطا ہوئی وہ پگارا (پگڑی والا) کہلائے اور اس وقت پیر صاحب اپنے روایتی خاندانی جبہ و دستار میں ملبوس مریدوں کو خاموش ہونے کا اشارہ کر رہے تھے۔

پیر صاحب کے اشارے میں جانے کیا جادو تھا کہ چاروں جانب سناٹا چھا گیا اور پیر صاحب نے سندھی زبان میں اپنے مریدوں سے خطاب شروع کیا۔ ڈیڑھ دومنٹ کے اس خطاب میں انہوں نے اپنے مریدوں کو نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور ہمسایوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنے کی تلقین کی، اور سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا کہ وہ نیک نیتی کو شعار بنائیں۔ انہوں نے کہا "میں آپ لوگوں کو نیک نیتی کی تلقین کرتا ہوں کیونکہ نیک نیت آدمی کبھی نقصان میں نہیں رہتا" اس کے بعد پیر صاحب نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی "اے اللہ ہمیں نیک راستے پر چلنے کی توفیق دے، ہمارے گھروں کو صحت اور سلامتی سے بھر دے اور ہماری تمام نیک تمنائیں پوری فرمادے"

اس دعا کے بعد پیر صاحب واپس پلٹے اور فضا ایک بار پھر "بھیج" کے نعروں سے گونجنے لگی۔

دیدار عام ختم ہوا تو اچانک چاروں جانب سے پوٹلیوں کی بارش ہونے لگی' چھوٹے چھوٹے رنگین رومالوں میں بندھی ہوئی پوٹلیاں، گویا برسات کی طرح موسلا دھار برسنے لگیں۔ اور خانقاہ کے منتظمین ان پوٹلیوں کو چادروں میں گٹھڑی کی صورت باندھ باندھ کر اندر لے جانے لگے۔

"ضرور ان پوٹلیوں میں نذر نیاز کی رقم ہوگی جو اب پیر صاحب کے حوالے کی جا رہی ہے" میں نے اپنے دل میں سوچا۔ مگر دو ہی لمحے بعد ان گٹھڑیوں کی واپسی کا سلسلہ شروع ہو گیا' اور لوگ اپنی اپنی پوٹلیوں کی تلاش میں ان پر ٹوٹ پڑے۔ معلوم ہوا کہ ان پوٹلیوں میں کوزہ مصری کی ڈلیاں بندھی ہیں اور پیر صاحب نے ان پر دم پڑھ کے واپس بھجوا دیا ہے۔ اب یہ مریدین ان پوٹلیوں کو گھر لے جا کر اپنے مکان کی سب سے اونچی مچان پر سنبھال کر رکھ دیں گے 'اور خاندان میں جب کوئی بیمار ہوگا' اسے اس کوزہ مصری کا تھوڑا سا حصہ پانی میں ملا کر پلا دیا جائے گا۔ مختلف لوگوں سے سوال جواب کے بعد میں نے جو تخمینہ قائم کیا' وہ یہی ہے کہ ان صحرا نشینوں کی نوے فیصد بیماریاں اس کوزہ مصری کے استعمال سے واقعی دور ہو جاتی ہیں۔

پیر صاحب پگارا لندن میں رہنے اور آکسفورڈ میں پڑھنے کے باوجود ہومیو پیتھی طریقہ علاج میں یقین رکھتے ہیں 'اور انہیں قریب سے جاننے والے بخوبی آگاہ ہیں کہ پیر صاحب خود بھی ایک اچھے ہومیو پیتھ ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ خانقاہ سے متصل ہسپتال بھی ہومیو پیتھی طریقہ علاج ہی کا حامل ہے اور خانقاہ میں قیام کے دوران مریدین کو یہاں سے مفت دوائیں فراہم کی جاتی ہیں' جن کا خرچہ درگاہ کے ذمے ہے۔ اور اس دوران جو کھانا مریدین کو فراہم کیا جاتا ہے وہ بھی درگاہ ہی کی جانب سے فراہم کیا جاتا ہے۔ بعض دیگر خانقاہوں کی طرح "دیگ سسٹم" کی نہ تو وہاں اجازت ہے اور نہ کسی کو اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

پیر جو گوٹھ میں پانچ روزہ قیام کے دوران میں نے پیر صاحب کے مریدوں کی سادگی بھی دیکھی اور یہ بات بھی نوٹ کی کہ ان کی اکثریت تعلیم سے محروم ہے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ سینٹر حضرات کو اپنے اپنے علاقوں میں تعمیر و ترقی کے لئے پچاس لاکھ روپے سالانہ کی جو رقم سرکاری طور پر فراہم کی گئی' پیر صاحب نے اسے صرف اور صرف نئے سکولوں کی تعمیر پر خرچ کرنا پسند کیا۔

پی آئی اے کا جہاز سکھر سے لاہور کیلئے روانہ ہوا تو پیر جو گوٹھ بادلوں سے نیچے کہیں دور رہ گیا تھا۔ مگر پیر جو گوٹھ کے مناظر شاید بہت دنوں تک مجھے یاد آتے رہیں گے اور پیر صاحب کا یہ فقرہ بھی جو انہوں نے ایک بڑے سیاستدان سے کہا تھا:

"آپ اپنے جن جلسوں کو عظیم الشان اور تاریخی قرار دیتے ہیں' یہ میرے لئے کوئی نئی بات نہیں"۔

واقعی............ پیر صاحب کو سیاسی جلسوں کا بڑے سے بڑا ہجوم بھی متاثر نہیں کر سکتا کیونکہ ان کے مریدوں کی تعداد اس سے بہر حال کہیں زیادہ ہی ہوگی۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

PIR PAGARA KI KAHANI

KUCH UN KI AUR KUCH MERI ZUBANI

AZHAR SUHAIL

ضمیمہ جات

انگریزی مسودات کی نقول من و عن



Ferozsons (Pvt.) Ltd.
LAHORE–RAWALPINDI–KARACHI

Z. A. Bhutto's letter



PRIME MINISTER

Prime Minister's House,
Rawalpindi

2 May 1977

Dear Mufti Sahib,

From time to time I have made proposals to break the political impasse since the National Assembly elections of March 7. I feel that it is now time that the PNA put forward its own proposals for my Government and Party's consideration in order to begin a dialogue on our political problems.

On the 30th of April, Pir Sahib Pagaro asked me to make available the services of some eminent lawyers or former judges to enable the PNA to have the benefit of their counsel. In our opinion, the issues involved are essentially of a political nature. However, in view of this request, I have given the matter further consideration and am prepared to extend my cooperation to you. At the same time, I feel that the best course would be for your side to let me have the names of lawyers or former judges of your choice so that I may arrange for them to meet you.

Yours sincerely,

Zulfikar Ali Bhutto

Maulana Mufti Mahmood Sahib,
President,
Pakistan National Alliance,
Sihala.

Copy to Pir Sahib Pagaro, Acting President, Pakistan National Alliance, Rawalpindi.

Pir Pagara's letter



"KINGRI"
A-1, K.D.A. SCHEME No. 1
DRIGH ROAD AREA,
KARACHI
Telephones: 419024
416177

9 June 1980

Dear Mr. President,

It is now about three years that you have been in power. On assuming office on 5 July 1977, you had specified restoration of constitutional, democratic government as one of your main objectives. This objective subsequently came to be relegated to the background for one reason or another, until you finally decided to rule with the help of Martial Law after imposing a ban on all political activity and political parties. You also thought it advisable to impose censorship on the Press. Then, through a step as arbitrary and startling as the one through which a Roman Emperor had appointed his horse a Senator, you amended the Penal Code to make veracity to fact and considerations of public interest no grounds for defence against a charge of defamation. Further, you amended the Constitution through the addition of Article 212-A to curb the jurisdiction of the courts. And, finally, you have promulgated the Constitution Amending Order 1980, thereby curtailing the powers of the superior courts. All these actions had their own reaction among the people which, by no stretch of imagination, could be regarded as favourable to your administration.

While the imposition of censorship on the Press further widened the already existing credibility gap, the banning of political parties (including the Muslim League) and political activity, along with such an unheard of innovation as the above mentioned amendment of the Penal Code in respect of defamation cases, and the curtailment of the powers of the courts caused widespread dismay. For all those measures did in some important ways affect the fundamental rights of the citizens. Moreover, the ban on political parties and the imposition of censorship on the Press have destroyed all liaison between the rulers and the ruled; public grievances and feelings cannot be conveyed to the Government and the policy-makers, while the Government's point of view is left to be explained through official handouts which hardly attract anyone's attention or enjoy anyone's credence. There is, thus, developing an atmosphere of bottled up emotions. Rumours and gossip are the order of the day. Underground activity thrives where there is no scope for open discussion and it is no secret that anti-Pakistan ideology and anti-State elements---adepts as they are in under-cover manoeuvres---are alone benefiting from the present situation.



Contd.... 2



"KINGRI"
A-1, K.D.A. SCHEME No. 1
DRIGH ROAD AREA,
KARACHI

Telephones: [redacted]

At the same time, an impression is gaining ground among all sections of the people that you want to use the present arrangement of Provincial Councils, with the probable addition later of a Federal Council, as a substitute for political parties, Parliament, Provincial Assemblies and other paraphernalia of parliamentary democracy and create a pyramid of power to accord with your own notions of democracy. But the question is: Will all this work? Or, will it endanger not merely the nation's stability but also its very existence?

The public morale is at its lowest and public dissatisfaction at its highest. A people groaning under ever-rising inflation, suffering as a result of the closure of the normal avenues for the redressal of its grievances and for the open expression of its dissatisfaction, condemned to depend upon an unresponsive administrative machinery, with its callous, unsympathetic functionaries, cannot but be disgruntled and demoralized. Commerce and trade have come to be adversely affected by the prevailing uncertainty and the undermined confidence of the business class. There are complaints of corruption now and then. Inefficiency in every sphere is a commonplace. On top of it, retrogressive measures like the banning of political parties and political activity, Press censorship and the amending of the Penal Code (the last two largely suspected to have the effect of throwing a veil over the misdeeds of the influential, highly-placed people in the administration) and the curbing of the jurisdiction of the courts through Constitutional amendments cited above have made us an object of ridicule throughout the democratic world and some of its members think that we do not deserve the status of a civilized nation. What makes matters worse is that these retrogressive steps have induced a false sense of complacency in your administration. The procedure-obsessed, mentally rigid and insular bureaucrats around you and such supplicants for favours as might contrive to gain access to you can do very little to help you assess the national situation objectively, for neither of them has any roots among, or direct contacts with, the masses.

Contd.... 3



" KINGRI "
A-1, K.D.A. SCHEME No. 1
DRIGH ROAD AREA,
KARACHI

Telephones: [redacted]

It is in the light of these realities that I am contrained to urge upon you the need for the following urgent corrective measures to arrest the fast deterioration in the national situation and to bring back democracy:

1. Restore the powers of the courts and withdraw the Constitutional amendments through which those powers have been curtailed.

2. Withdraw Press Censorship.

3. Revive political parties.

4. Allow political activity, to begin with, within the four walls.

5. Form Provincial and Central Cabinets from among the members of the political parties and let them handle the situation and decide the timing, and guarantee the fairness, of the elections in order to enable the people to ultimately have a government of their choice.

Yours Faithfully,

(Shah Mardan Shah II,
Pir Pagaro VII.)

To,

General Mohammad Zia-ul-Haq,
President,
The Islamic Republic of Pakistan,
ISLAMABAD.

President Zia ul Haq's reply



THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN

General M. Zia-ul-Haq

ISLAMABAD
57/2/CMLA
12 Shaban 1400 AH
26 June 1980

Shah Mardan Shah II
Pir Pagaro VII
"Kingri" A-I, KDA Scheme No. 1
Drigh Road Area
Karachi

My dear Pir Sahib,

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

Thank you for your letter of 09 June 1980.

It is not my intention to enter into a controversy; but, in fairness, its contents require to be placed in perspective.

You would please recall that the decision to postpone the November 1979 elections was taken with great reluctance. The onus of responsibility for this decision, however, lies with those who were at the time not ready, indeed unwilling, to face the nation for reasons which are not very incomprehensible, and of which you are doubtlessly aware.

As regards the amendments to the Constitution, their rationale has been explained in my address to the Nation. The construction you have placed on these amendments does not appear to tally with the reaction of the people who have displayed commendable perception in understanding and accepting them as being in public and national interest. Their validity has also been upheld recently by a Full Bench of Sind High Court.

Perhaps, in claiming that commerce and trade have been adversely affected and confidence of business community has been undermined, the growth of economy in practically all sectors, as proved by facts and figures and acknowledged by international agencies, seems to have escaped your notice.

. Lack of liaison between the Government and the people, to which you have referred, is partly inherent in the system but is not being felt by the over 40,000 Councillors who have been elected on the basis of adult franchise, and who have been entrusted with appropriate powers to attend to the problems of their constituents and work for the progress and development of areas under their jurisdiction.

Following the indication given in my address to the Nation on 3rd June, in regard to expanding the Federal Cabinet, I appreciate your suggestion that Federal and Provincial Cabinets should be formed from among members of the defunct political parties. I do not have a closed mind on this subject and am receptive to any ideas which contribute towards the betterment of our people and the country.

I would like to take this opportunity to express my appreciation of your thoughtfulness in apprising me of your views and recommendations, which, I am sure, have been motivated by the highest national interest.

With profound regards,

Yours sincerely,

[signature]

General
(M. Zia-ul-Haq)

PS We have not been able to meet for sometime now. I will appreciate if you could spare sometime, during your next visit to Pindi, for some exchange of ideas and views.

Letter from Gen. K. M. Arif

بسم اللہ الرحمن الرحیم



CONFIDENTIAL

Maj Gen K M Arif, SI(M), S. Bt
CMLA's SECRETARIAT
Rawalpindi.
57/24/CMLA/Coord
15 December 1978

Shah Mardan Ali Shah
Pir of Pagaro

My dear Pir of Pagaro,

You may recall that you had agreed to the proposal that the two nominees of the President may meet the two opposing factions of the Pakistan Muslim League in an attempt to reunite them into a single political party. Chaudhari Mohammad Hussain Chatta had also accepted this proposal.

The two nominees held separate meetings with you and Chaudhari Mohammad Hussain Chatta on 14 December 1978 and assessed the differences existing between points of view held by them. These were brought to the notice of the President who has desired to check if the two nominees are acceptable to your party willingly, voluntarily and without any preconditions, to act as arbitrators in the dispute. You are completely free to accept or reject the offer.

In case the offer is agreeable to both the factions, the arbitrators will be asked to put forward a plan which in their judgement will be as fair and just as possible under the circumstances. Kindly confirm if this is acceptable.

A similar letter is being sent to Chaudhari Mohammad Hussain Chatta.

A reply by 16 December 78 will be appreciated.

With warm regards.

Yours Sincerely,

Arif

CONFIDENTIAL

Pir Pagara's reply

پاکستان مسلم لیگ

فضل القادر بلڈنگ
مسلم لیگ ہاؤس
۳۲ - ڈیوس روڈ، لاہور

CONFIDENTIAL

نمبر 60249

Shah Mardan Ali Shah
Pir of Pagaro
293-F 6-3
Islamabad.

تاریخ 15th December, 1978.

Maj Gen K.M Arif, SI(M), S.Bt
CMLA's Secretariat.

My Dear General Arif

Reference your letter No. 57/24/CMLA/Coord dated the 15th December, 1978 I shall like to place on record that in my meeting with the President of Pakistan on 7th December, 1978, in which you were also present, the issue of the unity of the Pakistan Muslim League was discussed and I made it very clear that an out-side arbitrator was not relevant in case of a political party and that the views of the President alone were acceptable. Upon this the President suggested that he may appoint a committee at his own to meet the reconciliation committee of both sides, who would then apprise the President of the possible ways and means. I agreed to this. Accordingly the nominees of the President may act within the above frame work and the President on their report can, after consultation with us, decide the matter finally.

With warms regards,

Yours

[signature]

RECEIVED ONE SEALED COVER TO THE ADDRESS OF
MAJ GENL K.M ARIF, SI(M), S.Bt
CMLA's SECRETARIAT

FROM
SHAH MARDAN ALI SHAH
PIR OF PAGARO
PRESIDENT,
PAKISTAN MUSLIM LEAGUE.

15/12
2040

Show Cause Notice from Distt. Magistrate, Khairpur

No.PA/ 476 /72.

Office of the District Magistrate,
Khairpur dated the 12th.September,1972.

To,

Syed Shah Mardan Shah,
Pir Pagaro,
Pir-jo-Goth,
District Khairpur.

Whereas the undersigned has reasons to believe and is in possession of reliable information that your representative, associate and disciple Mr. Syed Zafar Shah M.P.A. of Nawabshah District has been sent by you, to meet Shaikh Mujib-ur-Rehman, Premier of so-called Bangla-Desh at London and Geneva, on your own behalf to assure him of your complete co-operation in his future plans to dis-integrate Pakistan. These traitorous activities of Syed Zafar Shah on your behalf, and financed and backed by you, to draw a plan for further dis-integration of Pakistan, is clear indication that you are acting against solidarity and integrity of Pakistan. This is a clear and open challenge to the security, public safety and Defence of Pakistan. Your contribution to the authorship of London Plan by offering your complete and full co-operation to over awe lawful and Democratic Government is detrimental to the national interest, safety and security of Pakistan.

In order to ensure the security, public safety and Defence of Pakistan, you are hereby called upon to show cause as to why action under section 32 of Defence of Pakistan Rules 1971 read with Defence of Pakistan Ordinance 1971 and action under section 124-A P.P.C. be not taken against you. Reply within seven days from the receipt of this notice.

12/9/72.
(Fateh Mohammad A.Memon)PCS.,
District Magistrate,Khairpur.

RECEIPT.

Received an envelope containing reply from Sayed Shah Mardan Shah II Pir Pagaro VII addressed to Mr. Fateh Mohammad Memon, PCS, District Magistrate, Khairpur.

21/9/72
DISTRICT MAGISTRATE
KHAIRPUR.

Pir Pagara's reply

Mr. Fateh Mohammad Memon,
P.C.S.
District Magistrate,
Khairpur.

Reference your letter No.P.A./476/72
dated 12th September,1972 received
on 14th September,1972.

...

This is in reply to your letter referred to above regarding your allegations against me of having hand in the so-called London Plan. Your information in this connection is totally false and un-founded. You come from a village in Nawabshah District which is at a short distance from 'Darbolo' where Mr.Zafarshah M.P.A. resides and you must be aware of fact that Mr.Zafarshah MP.A. or his elders neither were nor are disciples of the institution which I repre of the institution which I represent now. Sayeds of Nawabshah District belong to the group of Mr.G.M.Sayed even from prepartition days and Mr.Zafarshah can obly be associate of Mr.G.M.Sayed, who believes in "Daharism" and "Sindhu Desh" with blessings of India. It is a well known fact that he toured parts of Sind along with Mr.G.M.Sayed before he left for England in therecent past. So how can he be my associate and I do not consider him a fit person to represent me any where. Therefore question of financing him or backing him for discussion etc. on my behalf with Mr.Mujib-ur-Rehman does not arise.

How can I be an author of a plan which is not even known to me. I have nothing to do with any sort of plan which is in any way connected with dis-integration of Pakistan. Sind can only be a province and, I, prefer it to be with Pakistan.

Regarding.....

Regarding your allegations about solidarity, integarity of Pak stan, public safety, security and defence of Pakistan: People of Pakistan, believing in Pakistan ideology, coexistance of all muslims have thanked me, by way of letters, telegrams and in press columns at the times of Indo-Pakistan War and Language distrurbances etc. and I think you might have read them too. If not go to the public library and to your surpirse you will find that Government Information Department did not contradict it. Therefore your all information in this conn ction is quite incorrect, self-deceiving and throwing mud for nothing on me. It is only Government whom you represent which did notwrite a letter of thanks for my services and have now thanked me for all my services through this letter of you's.

Regarding action under section 32 of Defence of Pakistan Rules 1971 and section 124-A P.P.C. I have nothing to say except to request you to convey and remind Mr.President of the telephonic talk with me, sometime back telling me that "I am not Ayub, I am not Yahya but I am Z.A.Bhutto and I know how to use Martdal Law and Martial Law with full force will be used against you." I am waiting for it since then. I will accept it as a will of God and have no regrets. We will meet in the Court of Law.

(Shah Mardan Shah II)
Pir Pagaro VII H.Pk.

Dated.20th September,1972.